

سلسلۂ نصابات علمیہ جامعۂ عثمانیہ

قدیم تاریخ ہند

برائے بی۔ اے

مصنفہ

ونسنٹ۔ اے۔ سمتھ

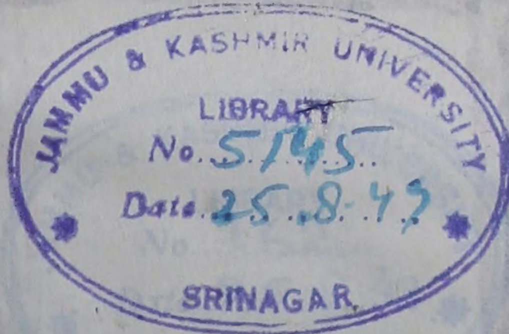
مترجمۂ

مولوی محمد جمیل الرحمن صاحب۔ ایم۔ اے۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس

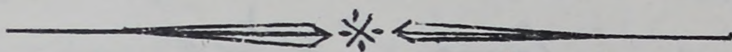
مددگار پروفیسر تاریخ اسلام کلیۂ جامعۂ عثمانیہ

۱۳۴۱ھ م ۱۳۳۲ف م ۱۹۲۲ء

دارالطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن


JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No. 5145
Date 25.8.49
SRINAGAR

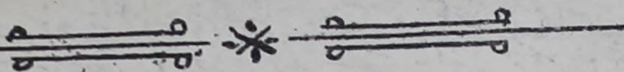
اقتباس از دیباچۂ طبع اوّل



اس کتاب کی ظاہری صورت اور اس کی حدود بندی کے متعلق مقدمہ میں اس قدر صراحت کردی گئی ہے کہ دیباچہ میں اس موضوع پر اور زیادہ بحث کرنا تحصیل حاصل معلوم ہوتا ہے - ان موضوعات کے متعلق جن پر اس کتاب میں بحث کی گئی اس قدر اختلاف رائے ہے کہ مجھ کو ہرگز یہ امید نہیں کہ مابہ النزاع معاملات میں میری رائے بلارد و قدح مستند مان لی جائے گی - علاوہ ازیں مضمون کی نوعیت اور پیچیدگی کی وجہ سے مجھے یہ بھی امید نہیں کہ باوجود کوشش واقعی قابل گرفت غلطیوں سے یہ کتاب بالکل مبرا ہوگی - لیکن میرے نزدیک ناظرین کتاب اور نقادان فن آتنا ضرور کریں گے کہ اس کتاب پر وہ ویسی ہی نظر ڈالیں جیسا کہ ایک نئے طالب تحقیق کے کام پر ڈالنی چاہیے "

اسکندر اعظم کے قابل یادگار ہندی حملے کو اس کتاب میں اس وجہ سے بالتفصیل بیان کیا گیا ہے کہ یہ مضمون نہایت دلچسپ ہے - اور جہاں تک مجھے معلوم ہے کسی موجودہ کتاب میں اس کا بیان صریح اور صاف نہیں کیا گیا "

دیباچۂ طبع سوم



کتاب کے اس ایڈیشن میں قدیم ہندوستان کی تاریخ کو اس صورت میں ظاہر کیا گیا ہے جس کا تخیل میرے دماغ میں کم و بیش چالیس برس کی متصل اور مسلسل محنت کے بعد پیدا ہوا ہے۔ یہ صورت جہاں تک مجھ سے ممکن ہو سکا میں نے بالکل مکمل اور صحیح پیش کی ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کتاب کو موضوع کتاب کی آخری شکل نہیں قرار دینا چاہیئے۔ کیونکہ تاریخ ہند قدیم کے جیسے روز افزوں ترقی کرتے ہوئے مضمون کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ کرنا بالکل ناممکن ہے۔ پانچ سال کا عرصہ ہوا کہ اس کتاب کی طبع دوم شائع کی گئی تھی۔ اسی قلیل عرصے میں نیا سواد اور اس موضوع پر کے مباحث اس کثرت سے جمع ہو گئے ہیں کہ اس فیصلہ کو برقرار رکھنا کہ کتاب کی ایک ہی جلد ہو اور اس کی قیمت کم ہو ناممکن سا معلوم ہونے لگا۔ اور اصل یہ ہے کہ اس کو موجودہ حجم سے دگنی صورت میں پیش کرنا نہایت ہی آسان کام ہے۔ باوجود اس کے کہ طوالت کا خوف متواتر دل میں کھٹک رہا تھا اس ایڈیشن میں کتاب کے مضمون میں بہت کچھ اضافہ کیا گیا ہے۔ اور پرانے ایڈیشنوں کے بعض مضامین بالکل خارج کر دیئے گئے ہیں ؛

میں ناظرین کی توجہ اس طرف مبذول کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ

اس کتاب کا موضوع درحقیقت سیاسی تاریخ تھا اور اب بھی یہی ہے۔ بعض نقادان فن کا یہ خیال ہے کہ اس کو قدیم ہندی روایات کی ایک انسائیکلوپیڈیا بنا دینا چاہیئے تھا۔ مگر مصنف نے کبھی یہ نکتۂ خیال اپنے پیش نظر نہیں رکھا۔ مصنف کی کتاب "ہسٹری آف فائن آرٹ اِن انڈیا اینڈ سیلون" (سنہ ۱۹۱۱ء) موجودہ کتاب کی مدد کے لیئے لکھی گئی تھی۔ اور اس میں ہندوستان کے فنون لطیفہ کے متعلق جو کچھ بھی معلوم تھا جمع کر دیا گیا ہے۔ اور اس لحاظ سے یہ غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ہذا میں ان چیزوں کا ذکر بالتفصیل کیا جائے۔ جو ناظرین خاص خاص موضوعات کو زیادہ تفصیل سے مطالعہ کرنے کے خواہشمند ہیں ان کو چاہیئے کہ ہندی علم ادب۔ فلسفہ۔ سائنس۔ اور مذہب کے متعلق مختلف کتابوں کا مطالعہ کریں۔ کیونکہ یہ تمام مضامین ایسے ہیں کہ اس کتاب میں ان کا صرف حوالہ ہی دیا جا سکتا ہے اور بس ؎

آخر میں یہ لکھ دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ضمیمہ جات کو محض علماء فن کی خاطر سے اضافہ کیا گیا ہے تاکہ اگر وہ متن کتاب کے کسی متنازعہ فیہ یا ادق معاملے کے متعلق زیادہ تحقیق و تدقیق سے کام لینا چاہیں تو وہ ان کو مطالعہ کر لیں۔ مگر عام شایقین اور طلبہ ان کو بالکل نظر انداز کر سکتے ہیں ؎

وی۔ اے۔ سمتھ

مورخہ ۳۱۔ مارچ سنہ ۱۹۱۴ء

فہرست مضامین

صفحہ

صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اوّل

۱۔ مقدمہ

ایلفنسٹن اور کاول کی رائے ہندؤوں کے زمانے کی تاریخ پر

فاضل مورخ ایلفنسٹن نے اپنی تاریخ ہند مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں لکھا تھا کہ "سکندر اعظم کے ہندوستان کے حملے سے پہلے کسی واقعے کی تاریخ کا تعین ناممکن ہے۔ اور مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے سے پیشتر کی کوئی مسلسل تاریخ نہیں لکھی جا سکتی"۔ اس کے ستائیس برس بعد پروفیسر کاول نے ایلفنسٹن کے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے اپنے ناظرین کو تنبیہ کر دیا تھا۔ کہ یہ قول ہندؤوں کے زمانے کی تاریخ کے دوران میں ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔ اور اس تنبیہ کی وجہ اس نے یہ قرار دی تھی کہ "صرف اسی وقت جبکہ بیرونی اقوام ہندؤوں سے ملی ہیں ہم قدرے یقین کے ساتھ کسی واقعے کی تشریح اور تعیین کر سکتے ہیں۔

ایلفنسٹن کے قول کے پہلے حصے کو اگر ہم اب نہایت سختی سے جانچیں تو وہ اب بھی درست نکلے گا۔ کیونکہ اس وقت بھی سکندر اعظم کے حملے سے پہلے کے کسی واقعے کی تاریخ کا تعین ناممکن ہے۔ مگر اس قول میں موجودہ تحقیقات کی وجہ سے بہت کچھ ضعف آ گیا ہے اور اس تحقیقات کی وجہ سے سکندر کے زمانے کے قبل کے بہت سے واقعات تقریباً اس قدر

صحت کے ساتھ معلوم ہو چکے ہیں۔ جتنا کہ عام طور سے ضرورت پڑتی ہے۔

موجودہ تحقیقات کے نتائج۔

لیکن جب ہم اُس قول کے دوسرے حصے کو کہ مسلمانوں کے حملے اور فتح ہند سے پہلے کی کوئی مسلسل تاریخ نہیں لکھی جا سکتی تاریخ ہند کے موجودہ معلومات سے جانچیں تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ گذشتہ ستّر سال کے عرصے میں اس گم شدہ تاریخ کے متعلق ہم کو بہت کچھ معلومات حاصل ہو گئے ہیں۔ مختلف عالموں کی تحقیقات نے جو انھوں نے مختلف علوم میں کیں ہمارے سامنے تاریخ ہند کے اس قدر مواد کو ظاہر کر دیا ہے جس کی بالکل توقع نہ تھی اور اس مواد سے یہ ممکن ہو گیا ہے کہ زمانۂ قدیم کی تاریخ ہند لکھی جا سکے۔ تمام ضروری ابتدائی مرحلے اس قدر طے ہو چکے ہیں کہ یہ روز افزوں مواد جو فراہم ہوا ہے اُس کو مہذب اور مدوّن کر سکتے ہیں۔ اب یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ محققین نے زمانۂ قدیم کے مطالعے سے جو نتائج نکالے ہیں اُن کو ایک مسلسل بیان کی صورت میں پیش کر دیا جائے۔ یہ عام ناظرین کے لئے اتنا ہی صاف اور قابل فہم ہو گا جتنی ایلفنسٹن کی مسلمانوں کے زمانے کی تاریخ ہند ہو سکتی ہے۔

سیاسی تاریخ۔

اس کتاب کی طبع اول میں پہلی مرتبہ کی یہ کوشش کی گئی تھی کہ اٹھارہ سو برس کی تاریخ ہند کو ناظرین کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ اس وقت بھی اگرچہ اس کتاب میں بہت کچھ اضافہ ہوا ہے مگر یہ کوشش صرف سیاسی واقعات اور تغیر و تبدل کے بیان کر دینے تک ہی محدود ہے۔ ہندوستان کے مذہبی۔ ادبی اور فنون لطیفہ کی تاریخ لکھنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم شاہی خاندانوں کی تاریخ عزل و نصب سے کماحقہٗ واقف ہو جائیں۔ اگرچہ اس کتاب میں ہندوستان کے مذہب۔ علم ادب اور فنون لطیفہ کی طرف صرف اشارہ ہی کیا گیا ہے۔ مگر کتب کے جو حوالے ضمناً دیئے گئے ہیں وہ شاید ناظرین کو یہ باور کرانے کے لئے کافی ہوں۔ کہ ان سب کے لئے مختلف خاندانوں کی تاریخ کا تعین از بس ضروری ہے۔

مشرق و مغرب

یورپ کے وہ عالم جن کی تمامتر توجہ اس بات کی طرف مبذول رہی ہے کہ موجودہ ترقی و تہذیب کی بنیاد یونانی رومی تہذیب ہے شاید جرمن فلسفی کے اس قول کو ماننے کے لئے تیار ہوں کہ "چینی۔ مصری۔ اور ہندی آثار قدیمہ کسی حالت میں بھی

عجائبات سے زیادہ نہیں ہو سکتے"[1] مگر یہ خیال گوئٹے کے زمانے میں خواہ کتنا ہی صحیح تسلیم کیا جائے لیکن اس زمانے میں کسی طرح یہ مسلمہ تسلیم نہیں ہو سکتا۔ گذشتہ سو سال کے اندر مستشرقین کی علمی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ مشرق قدیم اور مغرب موجودہ میں بہت کچھ تعلق ہے۔ اور اس وقت یونانی علوم کا کوئی ماہر مصری اور بابلی تہذیب سے بالکل ناواقفیت ظاہر نہیں کر سکتا کیونکہ یہی دونوں عناصر ہیں جن پر کہ موجودہ یورپ کے تمام آئین وقوانین مبنی ہیں یہاں تک کہ چین کا تعلق بھی یورپ سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مغربی ممالک کی زبانوں۔ علم ادب اور فلسفے کا تعلق ہندوستان کے ساتھ بیشمار امور سے ثابت ہوتا ہے۔ اگر زمانۂ حال میں ہندوستان کے بڑے طاقتور بادشاہوں کے ناموں سے بھی عام ناظرین ناواقف ہیں۔ اور ان سے صرف وہی لوگ حظ اٹھاتے ہیں جو اس علم کے لئے اپنے آپ کو مخصوص کر چکے ہوں۔ لیکن یہ بات کچھ بعید از قیاس نہیں کہ اگر ہندوستان قدیم کے جو حالات دریافت ہو چکے ہیں اُن کو یکجا کر کے مرتب کر دیا جائے تو وہ ان مخصوص علما کے علاوہ عام ناظرین کے لئے بھی دلچسپی کا باعث ہوں گے۔ اور جس طرح رفتہ رفتہ لوگ اس مضمون سے زیادہ تر مانوس اور آشنا ہوتے جائیں گے اُسی طرح معلوم ہوتا جائے گا یہ بھی اس قدر توجہ اور فکر وغور چاہتا ہے جیسے اور تاریخ علوم کے لئے ضرورت ہے۔ زمانۂ حال کے ایک ہندوستانی مصنف نے بالکل صحیح کہا ہے کہ "دنیا میں ہندوستان کی بے قدری کی وجہ نہیں ہے کہ ہندیوں نے کوئی بڑا نمایاں کام دنیا میں انجام نہیں دیا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن تمام کاموں سے جو ہندیوں نے کئے ہیں دنیا یکقلم ناواقف اور نابلد ہے"[2]۔ اس کتاب کے صفحات شاید یہ ثابت کر سکیں کہ ہند قدیم کے لوگوں نے بھی ایسے کام کئے ہیں جو اس قابل ہیں کہ ان کو یاد رکھا جائے۔ اور فراموشی اور نسیان کے ان گہرے غاروں سے ان کو پھر نکالا جائے جن میں کہ وہ صدیوں سے دبے پڑے ہوئے ہیں۔

[1] "میکسمز اینڈ ریفلکشنز آف گوئٹے" نمبر ۳۲۵ مترجم بیلے ساونڈرس۔

[2] سی۔ این۔ کے۔ ایئر۔ کتاب سری سنکر آچاریہ۔ ہز لائف اینڈ ٹائمز دیباچہ۔ صفحہ ۴

سکندر اعظم اس کتاب کا وہ حصہ جو سکندر اعظم کے حملے کے متعلق ہے شاید اُن ناظرین کے لئے زیادہ دلچسپی کا باعث ہوگا جن کی توجہ تمام تر یونانی اور رومی مضامین پر مبذول رہتی ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کو زیادہ شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے۔ انگریزی زبان میں سکندر کے اس عجیب و غریب حملے کے متعلق جتنے تذکرے اب تک شائع ہوئے ہیں اور ان میں سے تھرلول کا بیان شاید سب سے اچھا ہے۔ وہ عام طور پر اس قصے کو تاریخ یونان کے ضمیمے کے طور پر بیان کرتے ہیں نہ تاریخ ہند کا ایک حصہ سمجھکے۔ اور اسی وجہ سے وہ موجودہ جغرافیہ دانوں اور آثار قدیمہ کے عالموں کی تحقیقات سے پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس کتاب میں یہ تمام حملہ تاریخ ہند کا ایک مشہور و معروف اور قابل یادگار فسانہ سمجھکے لکھا گیا ہے۔ اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ جدید تحقیقات کی پوری روشنی کو جمع کرکے قدیم مصنفوں کے بیانات پر ڈالا جائے۔

مصنف کا مقصد اس کتاب میں مصنف کا مقصد یہ ہے کہ جس حد تک ممکن ہو ہندوستان قدیم کی تاریخ ایک مسلسل بیان کی صورت میں ناظرین کے سامنے پیش کردے۔ اور یہ بیان تاحدِ امکان صرف محقق اور معتبر ثبوت پر مبنی ہو۔ تمام واقعات جو کسی طرح ثابت ہو چکے ہیں بلا رو و رعایت ان کو مدوّن کردے۔ اور تاریخی مسائل پر منصفانہ بحث کرے۔ اس نے کوشش کی ہے کہ جہاں تک ہو سکے گوئٹے کے مندرجہ ذیل قول پر عمل کرے "مورخ کا فرض یہ ہے کہ سچ کو جھوٹ سے صحیح کو غلط سے اور مشکوک کو غیر مشکوک سے الگ کردے۔ ہر ایک محقق کو چاہئے کہ ہر وقت اس بات کو پیش نظر رکھے کہ اس کی حیثیت اُس شخص کی سی ہے جو حکم مقرر کیا گیا ہو۔ اس کا صرف یہ کام ہے کہ وہ شہادت کی صراحت اور تکمیل پر غور کرے اور اس کے بعد نتیجہ نکالکے اپنی رائے دے اور یہ نہ سوچے کہ اس کی رائے صدر (فورمین) کی رائے کے موافق ہے یا نہیں"[1]

اگر اس اصول کی پابندی التزام سے کیجائے تو ضرورةً عام روایات کے مقابلے میں محض بے سر و پا افسانوں اور کہاوتوں سے قطعی انکار کرنا پڑتا ہے اور بہت سی دلکش

[1] مکسمز اینڈ ریفلکشنز آف گوئٹے نمبر ۵۴۳ - ۵۴۳ -

نقلیں اور حکایتیں جو ہندوستان کے بزرگوں کی طرف منسوب ہیں رد کر دینی پڑتی ہیں۔

روایات کی قدر و قیمت

ہر قدیم قوم کے مورخ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ان روایات پر زیادہ بھروسہ کرے جو عام طور سے اس کے ادبیات میں جا بجا پائی جاتی ہیں۔ اور یہ تسلیم کرلے کہ جب کبھی اس کی تحقیقات کے نتائج ان قومی روایات پر مبنی ہوں تو وہ بہرحال اس قدر قابل یقین نہ ہوں گے جتنا کہ اس زمانے کے تاریخی واقعات جس کے بارے میں ہمعصر لوگوں کی شہادت موجود ہو۔ چند امور کے سوا ہندوستان کی تاریخ میں سکندر کے حملے سے پہلے کسی قسم کی ہمعصر شہادت دستیاب نہیں ہوسکتی۔ لیکن ان بیانات پر جو مذکورہ واقعات کے بہت بعد کی تاریخ کے لکھے ہوئے ہوں ایک تنقیدی نظر ڈالنے سے یہ شہادت بہم پہنچ سکتی ہے کہ وہ بیانات روایتی طور پر چھٹی یا ساتویں صدی قبل مسیح کے ہیں۔

تنقید کی ضرورت

ہمعصر شہادت جب کبھی وہ مابعد کے زمانے کے لئے دستیاب ہو بھی جائے تو بغیر تنقید و تنقیح قابل تسلیم نہیں ہوتی۔ درباریوں کی خوشامد خود بادشاہوں کی خود بینی اور خود نمائی۔ اور اسی قسم کے اور دیگر اسباب ہیں جو سچائی پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔ ان کو جانچنا اور ان سے خبردار رہنا چاہئے۔ علاوہ بریں کسی مورخ کے لئے خواہ وہ مضمون کی اہمیت کو کتنا ہی سمجھکر لکھنے کی کوشش کرے یہ ناممکن ہے کہ وہ ذاتی خصوصیات کو بالکل معدوم کردے۔ ہر قسم کی شہادت خواہ وہ کیسی ہی بلا واسطہ کیوں نہ ہو۔ جب دنیا کے سامنے ایک بیان کی صورت میں آئیگی تو وہ لکھنے والے کے دماغ کا محض ایک عکس ہوگا۔ اور یہ ممکن ہے نادانستہ اُس میں فرق ہوگیا ہو۔ اس کتاب میں مصنف نے کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو تحکم کے عنصر کو دور رکھے۔ اور کسی واقعے کو بغیر حوالے اور سند کے بیان نہ کرے۔ اور ساتھ ہی ہر واقعے کے لئے اپنی سند ذاتی تحقیق یا شہادت کا ذکر بھی کردے۔

مگر اس لفظ کے دوسرے مفہوم کے لحاظ سے کسی سند کو قبول کرنا ضروری نہیں مانا گیا۔ اور کتاب کے بیانات بسا اوقات ایسی صورت اختیار کرلیتے ہیں جو بظاہر شہادت کے اعتبار سے صحیح ہوتے ہیں۔ خواہ وہ مشہور مصنفوں کی اُس رائے کے خلاف ہی کیوں نہوں جو اُن کی کتابوں میں درج ہے۔ تاریخ ہند ایک مدت سے وہم اور قیاس کا

تختۂ مشق رہی ہے۔ اور کبھی کبھی ناکافی تنقید سے شہادت اور واقعات کی جانچ بھی ہوی ہے۔ اسی وجہ سے گوئٹے کے موافق صدر حکم (فورمین) کی رائے ضمناً قابل تسلیم نہیں ہے۔

ہندوستان کا اتحاد اگرچہ بظاہر اس کتاب کا منشا ہندوستان کی قدیم تاریخ کا بیان کرنا ہے مگر اس عنوان کو ایک حد تک معناً محدود سمجھنا چاہیئے۔ ہندوستان واقع میں پہاڑوں اور سمندروں سے گھرا ہوا ہوے۔ اور اس طرح جغرافی لحاظ سے وہ بلا شک وشبہ ایک جداگانہ ملک ہے۔ اور بالکل صحیح طور پر اس کا ایک ہی نام رکھا گیا ہے۔ اس کی تہذیب بھی بعض صورتوں میں ایسی ہے جو دنیا کے دوسرے حصوں کی تہذیب سے بالکل مختلف ہے۔ مگر پھر بھی وہ صورتیں تمام ملک یا اس چھوٹے بر اعظم میں اس طرح پائی جاتی ہیں کہ اس کو کُلیتہً ایک ملک مان کر انسان کی معاشرتی مذہبی اور عقلی ترقی میں اس کو شریک قرار دیں۔

مگر ہندوستان کا کامل سیاسی اتحاد جس میں کہ صرف ایک طاقت بلا شرکت غیرے تمام ملک پر حکمرانی کرتی ہو۔ کل کی بات ہے اور دراصل صرف ایک ہی صدی اس حالت کو گذری ہے[1]۔ زمانۂ قدیم میں ہندوستان کے تمام مشہور بادشاہوں کو اس بات کی اُمنگ تو ضرور رہی کہ تمام ملک کو اپنے زیر نگیں کرلیں۔ اور ان میں سے چند ایک حد تک اپنی اس آرزو میں کامیاب بھی ہوے۔ مگر کامل طور پر ایک بھی ایسا نہ ہوا کہ تمام ملک پر حکمرانی کرتا۔ اور یہی ناکامیابی اس سیاسی اتحاد کی کمی کی باعث ہوی جس نے کہ مورخ کے کام کو اور بھی زیادہ مشکل کردیا۔

یہی مشکل یونان کے مورخ کے راستے میں حائل ہوتی ہے۔ لیکن اس ملک میں جونہی اتحاد حاصل ہوگیا تاریخی دلچسپی قطعی طور پر جاتی رہی۔ ہندوستان کے متعلق بتمام صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ اور ناظرین کی دلچسپی اس سیاسی اتحاد کے قائم ہونے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جاتی ہے۔ ہندوستان کی تاریخ کی تفصیل ہمیشہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ مگر اس وقت جبکہ اس تفصیل کا تمام ملک پر بالعموم اطلاق ہوسکے۔

غالب و مشہور شاہی خاندان ہندوستان کی سیاسی تاریخ کے دلچسپ بنانے کی صرف یہی صورت ہے کہ اس میں ملک کے غالب اور مشہور خاندانوں کا

---

[1] یہ یگانگت کہہ سکتے ہیں کہ ۱۸۱۸ء سے شروع ہوی جبکہ پنڈاریوں اور مرہٹوں کی جنگوں کا فیصلہ ہوا۔

ذکر کیا جائے۔ اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حالات کو یا تو بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔ یا کم از کم ان کو بڑے خاندانوں کے حالات کے بعد جگہ دیجائے۔ ایلفنسٹن نے اسی اصول پر کام کیا۔ اور عملی طور پر اپنی تاریخ میں صرف سلاطین دہلی اور ان کے مغل جانشینوں کے حالات درج کئے۔ یہی اصول اس کتاب میں بھی اختیار کیا گیا ہے۔ اور تمام توجہ ان غالب خاندانوں پر ختم کر دی گئی ہے جنھوں نے وقتاً فوقتاً تمام ملک پر حکمرانی کرنے کی کوشش کی یا حکمراں ہو گئے۔

ان تمام صدیوں کے دوران میں جن کا ذکر اس تاریخ میں آئے گا۔ دو مرتبہ ایسا ہوا کہ ہندوستان کی سیاسی یگانگت تقریباً کامل ہو گئی۔ اول مرتبہ راجہ اشوک کے زمانے میں۔ یعنے تیسری صدی قبل مسیح میں۔ جبکہ اس کی سلطنت تقریباً مدراس کے عرض بلد تک پہنچ گئی تھی۔ اور دوسرے چوتھی صدی عیسوی میں جب سمدر گپت نے اپنی فتوحات کو دریائے گنگا سے لیکر تامل قوم کی سرحد تک وسیع کیا۔ ان کے علاوہ دوسرے بادشاہ اگرچہ ان کے فتوحات اس قدر وسیع نہ تھے۔ مگر اس آرزو میں کامیاب ہو گئے کہ ایسی سلطنت قائم کر لیں اور ایک مدت تک اس کو برقرار رکھیں جو ملک کی سب سے زبردست سلطنت کہی جا سکے۔ ایسی ہی خاندانوں کی تاریخ لکھنا اس کتاب کا پہلا مقصد ہے۔ ان کے علاوہ اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حالات یا تو نہایت اختصار سے بیان ہوئے ہیں اور یا قطعاً نظر انداز کر دئے گئے ہیں۔

شمالی ہند کی عظمت

ایسی زبردست سلطنت جب کبھی ہندوستان میں قائم ہوئی تو اس کا مستقر ہمیشہ شمالی ہند ہی رہا۔ یعنے دریائے گنگا کا وہ میدان جو ان جنگلوں سے گھرے ہوئے پہاڑوں کے شمال میں واقع ہے جو دکن اور ہندوستان میں حدّ فاصل ہیں۔ یہ قدرتی سلسلہ کوہستان بندھیاچل اپنے وسیع معنے کے لحاظ سے ہے۔ یا اور زیادہ اختصار کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حد دریائے نربدا ہے جو خلیج کھمبائت میں گرتا ہے۔ اور ست پڑا۔ اور بندھیاچل پہاڑوں کے درمیان بہتا ہے[۱]۔

---

[۱] مسٹر پر گیٹر کا خیال ہے کہ۔ مارکنڈیا پران کے ۵۷ باب کے تمام دریاؤں اور پہاڑوں کے ناموں پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں بندھیاچل کے نام کا اطلاق صرف دریائے نربدا کے

دکن کی تاریخ قدیم

ڈاکٹر فلیٹ - پروفیسر کیلہارن - اور دوسرے سنجیدہ علماء کی تحقیقات نے چھٹی صدی عیسوی کی تاریخ دکن - یعنے دریائے نربدا اور دریائے کرشنا اور تنگبدرا کے درمیانی علاقے کی تاریخ کا ایک بڑا حصہ منکشف کر دیا ہے - مگر یہ تمام تفصیلات زیادہ طور پر محض مقامی دلچسپی کا باعث ہیں - جن کے تعلقات ہمیشہ بیرونی ممالک سے رہے ہیں -

انتہائے جنوبی ہند کی بے تعلقی -

جنوب بعید کی قدیم سلطنتیں - جن میں دراوڑی قوم کے لوگ آباد تھے - اگرچہ دولتمندی - آبادی اور تہذیب کے لحاظ سے ہر طرح شمالی آریا حریف سلطنتوں کے ہم پلہ تھیں - مگر عام طور پر باقی مہذب دنیا سے جس میں کہ شمالی ہند بھی شامل ہے - اس قدر علیحدہ تھیں کہ انکے تمام معاملات و واقعات دوسری قوموں کی نظروں سے بالکل پوشیدہ رہے - اور کیونکہ خود انکے ہاں کوئی مورخ پیدا نہ ہوا اس لئے اُن کی سنہ ۹ء سے پہلے کی تاریخ تقریباً بالکل ناپید ہو گئی ہے - صرف اس وقت جبکہ شمال کے کسی دلیر اور عالی ہمت بادشاہ نے یا تو جنگلات کی حد فاصل کو قطع کیا یا اس کے گرد ہو کر جنوب پر حملہ کیا - صرف ایک لحظے کے لئے جنوبی بادشاہوں پر سے پردہ اُٹھ جاتا ہے اور ان کی ناپید ہستی کو ہم دیکھ سکتے ہیں - ورنہ اس کے علاوہ سنہ ۶ قم سے لیکر سنہ ۹ء تک کے جنوب کے تمام سیاسی واقعات بالکل صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں - یہاں ایلفنسٹن کا قول صادق آتا ہے کہ "جنوبی ہند کی کوئی مسلسل تاریخ لکھنا ناممکن ہے" اور اسی وجہ سے مجبوراً تاریخ قدیم سے مطلب صرف شمالی ہند کی تاریخ ہو سکتی ہے -

غیر آریہ عنصر تاریخ میں

اگرچہ نو برس گذرنے کے بعد بھی یہ کہنا ایسا ہی درست ہے - جیسا کہ اُس وقت تھا جبکہ یہ کتاب پہلی مرتبہ شایع ہوی تھی کہ سنہ ۹ء کے قبل کی جنوبی ہند کی تامل سلطنتوں کی تاریخ تکمیل اور صحت کے ساتھ لکھنا اس وقت بالکل ناممکن ہے - اور غالباً ایسی تاریخ بالکل نہیں لکھی جا سکتی - مگر میرے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ - مشرقی جانب کے پہاڑوں پر ہوتا تھا جن کا سلسلہ بھوپال سے بہار تک ہے - زیادہ مغربی حصے کا نام موکوہ اراولی کے پاپاریتر کے نام میں شامل تھا (جے - آر - اے - ایس - سنہ ۱۸۹۴ء - صفحہ ۲۵۸) جدید مصنفین بندھیاچل کے نام کا اطلاق دریائے نربدا کے شمال کے تمام سلسلۂ کوہستان پر کرتے ہیں ۱۲ -

یہ لکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ جنوبی ہند کی قدیم تاریخ بالکل ناممکن الحصول یا دلچسپی سے قطعاً معرّا ہے۔ بخلاف اس کے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ہم مصنفین کی صحت کے خیال کو دل سے نکالدیں تو اس وقت اتنا مواد موجود ہے کہ ہم دراوڑی اقوام کی آئین وقوانین کی تاریخ ایک حد تک مرتب کر سکیں۔ اور اگر وہ علماء جو ان تامل اقوام کے ادبیات زبان اور رواج سے کماحقہ واقف ہیں ایسی تاریخ مرتب کر لیں۔ تو یقیناً ہندوستان کے مورخ کے لئے وہ نہایت ہی ضروری اور اہم خدمت انجام دینگے۔ اور اس سے ہندوستانی تہذیب کے مطالعہ کرنیوالے کے لئے یہ آسان ہو جائے گا کہ وہ اس تمام مضمون کو اُس کی اصلی ہئیت میں دیکھ سکے۔

ایک مدت سے تمام توجہ شمالی ہند کے سنسکرت کی کتابوں اور ہندی آریہ خیالات پر صرف ہوی ہے۔ مگر اب وقت آگیا ہے کہ غیر آریہ عناصر پر بھی ہم نظر دغور کریں۔ کیونکہ یہ کتاب صرف ہندوستان کی سیاسی تاریخ کو مجملاً بیان کرنے کے لئے مخصوص کردی گئی ہے۔ اس لئے میں اس تحقیق میں شریک نہیں ہو سکتا۔ مگر میں ایک ہندوستانی عالم کے ذیل کے بیان کو درج کئے بغیر نہیں رہ سکتا جس کی قبل از وقت وفات نے اسکی تمام امنگوں کو ختم کر دیا۔ کیونکہ یہ بیان اس قابل ہے کہ اس پر غور کیا جائے:۔

اصل ہندوستان جنوب میں ہے۔

"ہندوستان کی تہذیب کے بنیادی عناصر کو سنسکرت زبان اور تاریخ کے مطالعہ سے معلوم کرنے کی کوشش کرنا کسی مسئلے کو حل کرنے کی بدترین صورت اختیار کرنا ہے حقیقی اور اصلی ہندوستان اس وقت تک بندھیاچل کے جنوب میں جزیرہ نماء ہند کا علاقہ ہے۔ اس علاقے میں اس وقت تک لوگوں کے خط وخال آریوں کے آنے سے پہلے زمانے کے ہیں۔ ان کی زبانیں آریہ زبانوں سے اور ان کے آئین وقوانین آریہ آئین وقوانین سے قدیم تر ہیں۔ اسمیں شبہ نہیں کہ یہاں بھی آرین تاثرات اس حد تک اپنا کام کر چکے ہیں کہ مورخ کے لئے مشکل ہے کہ موجودہ تہذیب کی بناوٹ میں اندرونی وبیرونی تانے بانے کی تفریق کر سکے۔ لیکن اگر کسی مقام میں ممکن ہے کہ اس تانے بانے کو کامیابی کے ساتھ جدا کر دیا جائے تو اس کا امکان صرف جنوبی ہند ہی میں ہو سکتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ ہم جوں جوں جنوب کی طرف بڑھتے جائیں یہ زیادہ ممکن ہوتا جائیگا۔

"پس تاریخ ہند کے محقق کو اپنی تحقیقات کا آغاز کرشنا۔ کاویری اور ویگائی کی

وادیوں سے کرنا چاہیئے نہ کہ دریائے گنگا کے میدانوں سے جس کا کہ ایک مدت سے دستور ہو گیا ہے[1]۔"

جب ہندوستان قدیم کی اصلی تاریخ لکھی جائیگی۔ جس میں نہ صرف سیاسی تغیر و تبدل مذکور ہوں بلکہ آئین و قوانین کا بھی ذکر ہو۔ تو اس وقت یہ ممکن ہوگا کہ فاضل پروفیسر کی رائے پر عمل کیا جائے۔ اور اس وقت ضرور مورخ جنوبی ہند کے حالات سے اپنی کتاب کو شروع کرے گا۔ مگر ابھی تک وقت نہیں آیا کہ ایسا انقلابی طرز تحریر اختیار کیا جائے۔ اور فی الحال میں پرانے ہی قاعدے کا پابند رہنا پسند کرتا ہوں۔

اس کتاب کا مطمح نظر

لہذا اس کتاب کی اصل غایت یہ ہے کہ شمالی ہند کے غالب شاہی خاندانوں کے حالات کو مسلسل بیان کی صورت میں ناظرین کے سامنے پیش کردیا جائے۔ جنوبی سلطنتوں کی تاریخ اتنی زیادہ معلوم نہیں ہے کہ وہ شمالی ہند کی تاریخ کی طرح لکھی جاسکے۔ اس لئے اس کو کم جگہ دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار چھوٹی ریاستیں جو ملک کے مختلف حصّوں میں پھیلی ہوی تھیں کسی صورت سے اس قدر تاریخی دلچسپی نہیں رکھتیں کہ ان کے حالات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے۔ چودھویں باب میں ناظرین کو ایک مختصر سا بیان ملیگا جس میں زمانۂ وسطیٰ میں شمال کی متفرق سلطنتوں کے مشہور اور نمایاں واقعات درج ہیں۔ اس کے بعد کے دو باب دکن کی سطح مرتفع کے بیان میں ہیں۔ اور جزیرہ نما ہند کی سلطنتوں کی تاریخ کا ایک خاکہ جہاں تک معلوم ہوسکا کھینچ دیا گیا ہے۔ یہ زمانہ وہ ہے جس میں تاریخی عہد کے آغاز سے زمانۂ اسلام (جو چودھویں صدی عیسوی میں شروع ہوتا ہے) تک کے واقعات ہیں۔

اس کتاب میں جس زمانے کا ذکر کیا گیا ہے وہ تاریخی زمانے کے آغاز یعنی ۶۵۰ق م یا ۶۰۰ق م سے لیکر شمالی ہند میں مسلمانوں کے حملے یعنی ۱۲۰۰ء تک ہے۔ جو جنوب میں اس کے ایک صدی بعد تک ہے۔ قدیم ترین سیاسی واقعہ جس کی تاریخ کا ہندوستان کی تاریخ میں تقریباً پوری صحت کے ساتھ یقین ہوسکتا ہے وہ مگدھ میں ۶۰۰ق م میں سسیں ناگ خاندان کا قایم ہونا ہے۔ چھٹی صدی قبل مسیح ایک عجیب و غریب عہد ہے جو انسان کی تاریخ میں

[1] پروفیسر سنداارام پلے۔ از تامیلین انٹیکوپری۔ نمبر ۲ (۱۹۰۸) صفحہ ۴۔

سب سے افضل اور سب سے اہم وقت ہے۔ اگر در اصل ایسا وقت کوئی وقت ہو سکتا ہو۔

۲۔ تاریخ ہند کے ماخذ

چار ماخذ

ہندوستان کی قدیم تاریخ کے ماخذ۔ یا اصلی اسناد چار حصوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔ سب سے اول وہ روایات ہیں جو ہندوستان کے ادبیات میں جا بجا پائی جاتی ہیں۔ دوسرے مورخین اور سیاحوں کی کتابیں۔ جن میں ہندوستان کے حالات کا ذکر پایا جاتا ہے۔ تیسرے آثار قدیمہ کی شہادت جس میں کتبے۔ عمارات اور سکے شامل ہیں۔ چوتھے حصے میں ہمعصر یا تقریباً ہمعصر لوگوں کی لکھی ہوی وہ چند کتابیں ہیں جو انھوں نے مخصوص فن تاریخ پر لکھی ہیں۔

روایات صرف قدیم ترین زمانے کے لئے ہیں۔

سکندر اعظم کے حملے کے زمانے سے پہلے یعنی سنہ ۶۰۰ق م سے لیکر سنہ ۳۲۶ ق م تک کے لئے ضرور ہے کہ تقریباً صرف ادبی روایات پر اکتفا کیا جائے جو مختلف زمانوں کی مختلف کتابوں میں منتشر پائے جاتے ہیں۔ اور بسا اوقات متفرق نوشتوں میں اتفاقیہ مل جاتے ہیں۔ خالص ہندی روایات پر یونانی مصنفین کٹیشیس۔ ہیروڈوٹس سکندر کے مورخین۔ مگز ٹھنیز۔ اور دیگر مورخین کے بیانات اضافہ کئے جا سکتے ہیں۔

کشمیر کی تاریخ

کشمیر کی تاریخ بارھویں صدی میں لکھی گئی۔ اور تمام سنسکرت ادبیات میں صرف ایک یہی کتاب ہے جو باقاعدہ تاریخ کے فن میں تحریر ہوی۔ اس میں کثرت سے ایسی بے سر و پا قدیم روایتیں پائی جاتی ہیں جو سخت احتیاط کے بعد کام میں لائے جانے کے قابل ہونگی۔ اس کی قدر و قیمت اسوقت زیادہ ہو جاتی ہے۔ جبکہ مورخ اپنے زمانے کے یا اپنے سے کچھ پہلے کے واقعات کا ذکر کرتا ہے[1]۔

سنسکرت کی رزمیہ نظمیں۔

سنسکرت زبان کی عظیم الشان رزمیہ نظمیں مہابھارت اور رامائن اگرچہ رزمیہ زمانے کی معاشرت اور رسم و رواج پر ضرور روشنی

---

[1] کلہن کی راج ترنگنی کا ترجمہ مع ایک مقدمے اور چند ضمیموں کے ایم۔ اے۔ اسٹین نے کیا ہے (۲ جلد۔ کانسٹیبل سنہ ۱۹۰۰ء)

ڈالتی ہیں مگر تاریخی زمانے کی مختلف سلطنتوں کے سیاسی تعلقات کے متعلق کچھ زیادہ مواد اُن سے نہیں مل سکتا۔

اتفاقیہ اخبارات

زبان کے محققین نے نحویوں اور دوسرے مصنفوں کی کتابوں سے بہت سے ایسے اتفاقیہ بیانات نکالے ہیں جن سے کہ زمانۂ قدیم کی روایات کا پتہ چلے۔ اس قسم کے تمام بیانات سے جو مجھے دستیاب ہو سکے اس کتاب کے لکھنے میں مدد لی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ ان میں سے چند کو میں خود دیکھنا بھول گیا ہوں۔

جین کی مذہبی کتابیں

جین فرقے کی مذہبی کتابیں اب تک قعرِ گمنامی سے باہر نہیں نکلیں۔ ان میں بہت کچھ تاریخی مواد مل سکتا ہے[1]۔

جاتک کی حکایتیں

جاتک یا بدھ کی پیدایش کی حکایات اور بدھ مذہب کی دوسری مذہبی کتابوں میں اس قسم کے اتفاقی بیانات بکثرت ملتے ہیں جن سے پانچویں اور چھٹی صدی قبل مسیح کے ہندوستان کے سیاسی حالات معلوم ہو سکیں۔ اگرچہ یہ کتابیں ہمعصر واقعات بیان نہیں کرتیں مگر پھر بھی اصلی تاریخی روایات کو ہم تک پہنچاتی ہیں[2]۔

---

[1] جین مذہب کی چند مشہور کتابیں پروفیسر ہرمان جکوبی نے ترجمہ کی ہیں (ایس۔ بی۔ ای۔ جلد ۲۲ و ۴۵) جین مذہب پر تمام شائع شدہ کتابوں کے متعلق دیکھو ڈاکٹر گیورنیو کی کتاب "ایسے ڈی ببلیوگریفی جینا" (پیرس سنہ ۱۹۰۶ء صفحہ ۵۶۸) اور اس کا ضمیمہ "نوٹ دی ببلیوگریفی جینا" (جرنل ایشیاٹک۔ جولائی و اگست سنہ ۱۹۰۹) ناظرین بروڈیا کی کتاب "ہسٹری اینڈ لیٹریچر آف جین ازم" بھی دیکھیں۔ (بمبئی سنہ ۱۹۰۹) مسز سنکلیر کی کتاب "نوٹس اون موڈرن جین ازم" (بلیکول اکسفورڈ سنہ ۱۹۱۰)۔ جین مت کی تاریخ کا بہترین مختصر بیان ڈاکٹر ہارنل کے خطبۂ صدارت میں ملیگا جو انھوں نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے سامنے دیا تھا (پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی۔ سنہ ۱۸۹۸ء صفحہ ۳۹ — ۵۳) بیوہلر کا رسالہ "اوبیر دی انڈش سکٹ ڈر جینا" (سنہ ۱۸۸۷ء) کو سنہ ۱۹۰۳ میں برگس نے چھپوایا اور اکثر جگہ سے غلط ترجمہ کیا (زیڈ۔ ڈی۔ ایم۔ جی سنہ ۱۹۰۶ صفحہ ۳۸۴)۔

[2] جاتک کا مکمل ترجمہ جو پروفیسر کاول نے شروع کیا اور ڈاکٹر ڈبلیو۔ ایچ۔ ڈی۔ رؤس اور دوسرے لوگوں نے ختم کیا۔ شایع ہو چکا ہے (کیمبرج سنہ ۱۹۰۵ تا ۱۸۹۵ء انڈکس سنہ ۱۹۱۳ء) جاتک کی تاریخ کے متعلق دیکھو رہس ڈیوڈس کی "بُدھسٹ انڈیا" صفحہ ۲۰۸ - ۱۸۹۔

لنکا کی پالی تاریخیں

لنکا کی پالی زبان کی تاریخوں میں دیپاوَمس جو چوتھی صدی مسیحی میں اور مہاوَمس جو اس کے ڈیڑھ صدی بعد لکھی گئی بہت مشہور ہیں۔ ان میں قدیم ہندوستان اور خصوصاً موریا خاندان کے متعلق بہت سی بے سر و پا اور مختلف روایات ملتی ہیں۔ یہ لنکا کی تاریخیں جن کی بعض اوقات مبالغے سے تعریف کیجاتی ہے۔ اتنی ہی محتاط تنقید کی محتاج ہیں جتنی کہ اور مذہبی اور ادبی کتابیں ہو سکتی ہیں[1]

پران

ہندی تاریخی روایتوں کا سب سے اچھا اور مرتب ذخیرہ پرانوں کے شاہی خاندانوں کی فہرست میں محفوظ ہے۔ ان اٹھارہ پرانوں میں سے پانچ پران یعنے وایو۔ متسیا۔ وشنو۔ برہمانڈ۔ اور بھاگوت میں ایسی فہرستیں پائی جاتی ہیں۔ ان میں متسیا سب سے زیادہ قدیم اور مستند ہے۔ ان کتابوں کے موضوع کے لحاظ سے پران میں مفصلہ ذیل پانچ مضمون ہونا ضروری ہیں۔ ابتدائی پیدائش۔ ثانوی (دوسری) پیدائش جو منو گذر چکے ہیں ان کی پیدایش۔ دیوتاؤں اور خاندانوں کے بزرگوں کے نسبی شجرے۔ حکمرانوں کے حالات۔ اور قدیم شاہی خاندانوں کی تاریخیں۔ ان پانچ مضامین میں سے صرف آخری ہی مورخ کے کام کا ہوتا ہے[2]۔ یورپ کے موجودہ علماء پرانوں کی قدر کو

---

[1] لنکا کی تاریخوں کے تعریفی حالات کے لئے دیکھو رہس ڈیوڈس کی بدھسٹ انڈیا۔ اور دوسرے پہلو کے لئے دیکھو فولکس کی "دسیسیٹوڈس آف دی بدھسٹ لٹریچر آف سیلون" (انڈین انٹی کویری جلد ۱۷ صفحہ ۱۰۰) "بدھا گھوسا" (انڈین۔ انٹی کویری جلد ۱۹ صفحہ ۱۰۵) تا سین۔ کو "کلیانی انس کرپشنز" (انڈین انٹی کویری جلد ۲۲ صفحہ ۱۴)۔ وی۔ اے۔ سمتھ۔ اسوکا دی بدھسٹ امپرر آف انڈیا۔ دوسری ایڈیشن ۱۹۰۹ء۔ مہاوَمس کے تین مختلف نسخے ملتے ہیں۔ مگر ہم نے اس نسخے کا حوالہ دیا ہے جس کا ٹرنر نے ترجمہ کیا ہے۔ اور وجیسمہا نے اس پر نظر ثانی کی ہے۔ سب سے آخری ترجمہ پروفیسر گیگر اور مسز بوڈ کا ہے (پالی ٹکسٹ سوسائٹی ۱۹۱۲ء) مسٹر جان سٹل کا "انڈکس ٹو دی مہاوَمس" بھی مفید کتاب ہے (کولمبو ۱۹۰۷ء) دیپاوَمس کا ترجمہ پروفیسر اولڈنبرگ نے کیا ہے۔ اور دیکھو گیگر کا دیپاوَمس اینڈ مہاوَمس (لیپزگ ۱۹۰۵ء انگریزی ترجمہ انڈین انٹی کویری ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۵۳۔

[2] میکڈانل کی "ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر" صفحہ ۳۰۱۔ وشنو پران کا ترجمہ ایچ۔ ایچ ولسن نے کیا تھا۔ اور ہال نے اسکے ترجمے کی نظر ثانی کی اور اس پر حاشئے ایزاد کئے۔ مختلف پرانوں کی تاریخیں جو بھنڈارکر نے "ارلی ہسٹری آف دی دکن" (بمبی گزیٹیر جلد اول حصہ دوم (۱۸۹۶) میں لکھی ہیں انھیں مسٹر پرگیٹر نے درست کیا ہے دیکھو ضمیمہ الف اس باب کے آخر میں

کم کرنے کی طرف زیادہ میلان رکھتے ہیں۔ لیکن غور و تحقیق سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں بہت کچھ اصلی اور صحیح تاریخی مواد موجود ہے۔

دارا کٹیسیس اور ہیروڈوٹس

ہندوستان کے متعلق بہت قدیم حالات کا ذکر جو غیر ملکوں میں ملتا ہے۔ وہ ان کتبوں میں درج ہے جو دارا گشتاسپ نے اصطخر اور نقش رستم میں کندہ کرائے تھے۔ موخر الذکر کتبہ کم از کم ۴۸۶ ق م کا ہے۔[1] ہیروڈوٹس جس نے اپنی کتاب پانچویں صدی کے آخری حصے میں لکھی ہندوستان اور ایران کی سلطنتوں کے باہمی تعلقات پر بہت کچھ روشنی ڈالتا ہے۔ اور یہ حالات مذکورۂ بالا کتبوں کے مجمل بیانات پر اضافہ کرتے ہیں۔ کینڈوس کے رہنے والے کٹیسیس نے بھی جو اردشیر کے زمانے میں شاہی طبیب تھا مشرقی ممالک کے متعلق مختلف حکایتیں جمع کی تھیں۔ مگر اس کی کوئی تاریخی اہمیت نہیں ہے۔[2]

سکندر کے افسر اور اس کے ایلچی

سکندر کی فوج کشی اور اس کے افسروں کی خبروں کے شایع ہونے کے وقت تک یورپ ہندوستان سے بالکل بے خبر تھا۔ اس کے مرنے کے بیس برس بعد شام اور مصر کے بادشاہوں نے اپنے سفیر موریا شاہنشاہوں کے دربار میں روانہ کئے۔ انھوں نے اس ملک کے حالات نہایت ہی احتیاط کے ساتھ لکھے ہیں۔ یہ حالات مختلف رومی اور یونانی مورخین اور مصنفین کی کتابوں میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ ان میں سے میگستھنیز کی کتاب کے اجزا سب سے زیادہ کارآمد ہیں۔[3]

آرین وغیرہ

آرین نے جو دوسری صدی عیسوی کا ایک یونانی رومی عامل تھا۔ ہندوستان کا نہایت ہی عمدہ حال لکھا ہے جو قابل قدر ہے۔ اس کے علاوہ اس نے، سکندر اعظم کے ہندوستانی حملے کے حالات بھی نہایت ہی تدقیق کے ساتھ جمع کئے ہیں۔ یہ دونوں کتابیں بیگاس کے بیٹے ٹولمی، سکندر کے دوسرے

---

[1] رالنسن۔ ہیرڈوٹس۔ جلد دوم۔ صفحہ ۴۰۳۔ جلد چہارم۔ صفحہ ۲۰۷۔

[2] ایکامیک کرنڈل نے انڈین انٹی کویری جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۶ میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ علیحدہ بھی کلکتہ میں ۱۸۸۲ء میں شایع ہوا ہے۔

[3] اسکوشوبنک نے ۱۸۴۶ء میں صحیح کر کے شایع کرایا اور میک کرنڈل نے ۱۸۷۷ء میں ترجمہ کیا۔

افسروں ۔ اور دوسرے یونانی سفیروں کے حالات پر مبنی ہیں ۔ اس لئے جہاں تک ہندوستان کی چوتھی صدی قبل مسیح کی تاریخ کا تعلق ہے تقریباً ہمعصر تاریخی سند کا حکم رکھتی ہیں ۔ اس کے علاوہ کوینٹس کرٹیس وغیرہ دیگر مصنفین جنھوں نے سکندر کے ہندوستانی حملے کی تاریخ لکھنے کی کوشش کی ایسے مستند نہیں مانے جا سکتے ۔ مگر وہ بھی بجائے خود ایک اچھی چیز ہیں ۔[1]

طوانہ کا اپولونیس

فلاسٹریٹاس نے ۲۱۵-۱۸ء میں ملکہ جیولیا ڈومنا کی فرمائش سے طوانہ کے اپولونیس کی مدح میں ایک فلسفیانہ قصہ لکھا تھا ۔ اس میں اس نے بظاہر ہندوستان کے نہایت ہی مفصل اور دلچسپ حالات جمع کئے تھے جو بقول مصنف ممدوح کے چشم دید ہیں جس نے شمال مغربی ہند کی سیر کی تھی ۔ پروفیسر بیری کی رائے ہے کہ یہ سفر ۴۴-۴۳ء میں کیا گیا تھا ۔ اگر وہ تمام حالات جو اس نے لکھے ہیں مستند ہوتے تو اس کی کتاب نہایت ہی قیمتی ہوتی ۔ مگر کتاب کا ایک بڑا حصہ ایسی کہانیوں سے پر ہے جن کی وجہ سے مصنف کے کسی قول کو بھروسے اور اعتماد کے ساتھ قبول نہیں کیا جا سکتا اصل یہ ہے کہ یہ بھی اب تک پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا کہ اپولونیس کبھی ہندوستان آیا بھی تھا یا نہیں ۔[2]

چینی مورخین

چین کے موجد تاریخ سسوماچین نے ۱۰۰ ق م میں اپنی کتاب کی تکمیل کی ۔ چینی مورخین کے تمام طویل سلسلے میں سے وہ سب سے پہلا شخص ہے جس کی تصنیفات سے ہندوستان قدیم کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے ۔

---

[1] ہندوستان کے متعلق رومی اور یونانی مصنفین کے لکھے ہوئے بیانات کو ایک بڑی تعداد میں ڈاکٹر میک کرنڈل نے چھ کتابوں میں جمع کیا ترجمہ کیا اور ان پر بحث کی ۔ ۱۸۸۲ء اور ۱۹۰۱ء کے درمیان شایع ہوئیں ۔ (۱) کٹیسیس ۔ (۲) مگستھنیز اور آرین کی کتابیں "انڈکا" (۳) "پیریپلس آف دی ایریتھرین سی" (۴) ٹولمی کی جغرافیہ ۔ (۵) "سکندر کا حملہ" (۶) اینشنٹ انڈیا ۔ رومی اور یونانی مورخین کے تاریخوں کے مطابق ۔

[2] اس کتاب کے معتبر ہونیکے متعلق دیکھو "انڈین ٹریولز آف اپولونیس آف طائنفانہ" مصنفہ پریلو ۱۸۷۳ء پروفیسر فلنڈرس پٹری کی کتاب "پرسنل ریلیجن ان ایجپٹ بیفور کرسٹینٹی" ۱۹۰۹ء اور ان کے علاوہ فلاسٹریاس کے کتاب کے دو ترجمے جو پروفیسر فلیمور اور فی سی کونی بیرنے ۱۹۱۳ء میں شایع کئے ہیں ۔

چینی مورخین واقعات کی تاریخ کے تعین میں زیادہ صحت سے کام لیتے ہیں۔ اور اس لئے زیادہ قابل قدر سمجھے جانے چاہئیں[1]۔

فاہیان چینی جاتری چینی جاتریوں کی بھیڑ جو کئی صدیوں تک ہندوستان میں جس کو وہ اپنی "ارض مقدس" سمجھتے تھے آتی رہی۔ فاہیان سے شروع ہوتی ہے۔ اس نے اپنا سفر ۳۹۹ء میں شروع کیا تھا۔ اور پندرہ برس کے بعد چین واپس پہنچا۔ وہ کتاب جس میں اس نے اپنے سفر کے حالات لکھے ہیں۔ تمام و کمال ہم تک پہنچی ہے۔ اور ایک مرتبہ فرانسیسی زبان میں۔ اور چار مرتبہ انگریزی میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ اس میں دریائے گنگا کے متصل صوبوں۔ کے حالات چندر گپت دوم بکرماجیت کی حکمرانی کے زمانے کے نہایت ہی دلچسپ اور قابل قدر ملتے ہیں[2]۔ اس کے علاوہ اور بہت سے جاتریوں نے اپنے سفر نامے لکھے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک ہندوستان کی قدیم تاریخ پر کچھ نہ کچھ روشنی ڈالتا ہے۔ چنانچہ آئندہ ہر ایک کا حوالہ کتاب میں دیا جائے گا۔

ہیون سانگ ان چینیوں میں سب سے بڑا اور مشہور جاتری ہیون سانگ ہے۔ اس کی عالم مذہب و شریعت ہونے کی حیثیت سے اب تک بدھ مذہب کے پیروؤں میں بڑی شہرت ہے۔ اس کے سفر نامے کا نام "مغربی دنیا کے حالات" ہے۔ اور اس کا فرانسیسی۔ انگریزی اور جرمنی زبان میں ترجمہ ہو گیا ہے۔ اسکے سفر کا زمانہ ۶۲۹ء سے لیکر ۶۴۵ء تک ہے۔ اور اسکی سیر و سیاحت کا رقبہ نہایت ہی وسیع ہے۔ اس میں تقریباً تمام ہندوستان سوائے انتہائے جنوب کے شامل ہے۔ اس کی کتاب صحیح حالات کا ایک ایسا قیمتی ذخیرہ ہے۔ جس سے واقف ہونا تاریخ ہند قدیم کے ہر ایک طالب العلم کے لئے ضروری ہے۔ اس کتاب نے آثار قدیمہ

---

[1] ایم۔ چاونیس نے سسو ماچین کی کتاب کی نو جلدوں میں سے پانچ جلدیں شایع کر دی ہیں۔ فرانسیسی چینی علوم کے ماہر خاص طور پر چینی علم ادب میں ہندوستان کی تاریخ معلوم کرنے پر مائل رہے ہیں۔ اور ان کی بہت سے کتابوں کے حوالے اس تاریخ میں دئے جائیں گے۔

[2] ہم نے اس کتاب میں موریا خاندان کے شاہنشاہ کو چندراگپتا اور گپت خاندان کے بادشاہ کو چندر گپت لکھا ہے۔ تاکہ دونوں ناموں میں تفریق رہے اور ان میں ابہام نہ ہونے پائے۔ ۱۲۔

سے بھی کہیں زیادہ گم شدہ تاریخ ہند کی تحریر میں مددی ہے۔ اگرچہ ہیون سانگ کی کتاب کا اصل تاریخی وصف یہ ہے کہ اس سے ہم اُس عہد کے سیاسی۔ مذہبی۔ اور معاشرتی آئین و قوانین کو معلوم کر سکتے ہیں۔ مگر ہم اس کے اور بھی زیادہ اس وجہ سے ممنون ہیں کہ اس نے قدیم روایتوں کو اپنی کتاب میں درج کر کے محفوظ کر دیا ہے۔ ورنہ کوئی شک نہیں کہ اگر وہ نہ ہوتا تو یہ تمام ضرور ضایع ہو جاتیں۔ اس کے دوست ہیوی لی نے اس کی سوانح عمری لکھی۔ اور اس کی کتاب[1] کے حالات پر کچھ اور بڑھایا۔ مگر وہ باتیں اس کی کتاب کی طرح مستند اور معتبر نہیں ہ

البیرونی

مسلمانوں میں شاید فاضل مہندس اور ہیئت داں البیرونی ہی ایک ایسا شخص گذرا ہے جس نے سنسکرت پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کی۔ ورنہ عام طور پر مسلمان اس کو بت پرستوں کی زبان سمجھتے رہے۔ اور اسلئے اسکے نزدیک وہ قابل نفرت ہی رہی۔ البیرونی محمود کی فوج کے ساتھ ہندوستان میں آیا۔ اس کی کتاب تحقیق الہند ۱۰۳۰ء میں تمام ہوی۔ اور ہندی رسم و رواج۔ فنون اور علم ادب کے لئے نہایت ہی قابل قدر ہے۔ مگر اس میں اس قسم کے حالات بہت کم ملتے ہیں جو سیاسی تاریخ کے مرتب کرنے میں مدد دیسکیں[2] ہ

مارکوپولو

وینس کا مشہور سیاح مارکوپولو ۹۴-۱۲۹۵ء میں جنوبی ہند میں آیا۔ اور اس طرح اس کی سیاحت اس تاریخ کے عین خاتمے پر واقع ہوی[3]۔

مسلمان مورخین

مسلمان مورخین اسلامی فتوحات کے بیان کرنے ہی میں کارآمد ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اوائل اسلام کے مسلمان سیاحوں کے سفرناموں سے زمانۂ وسطیٰ کی ہندی سلطنتوں کے حالات معلوم کرنے میں بھی مدد ملتی ہے[4] ہ

---

[1] دیکھو ضمیمہ ج۔ چینی جاتری اس باب کے آخر میں ۱۲۔ ہ

[2] اس کتاب کی زخاؤ نے تصحیح کی اور ترجمہ کیا مصنف کا پورا نام ابوریحان محمد ابن احمد تھا۔ مگر آخر میں وہ استاد ابوریحان کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اور البیرونی اس کا لقب ہو گیا ۱۲۔

[3] ایم کارڈیر نے ۱۹۰۳ء یول کے ترجمے کو نئے سر سے شایع کیا ۱۲۔

[4] مسلمان مورخین اور سیاحوں کی کتابیں پڑھنے کا بہترین ذریعہ ایلیٹ اور ڈوسن کی کتاب ہسٹری آف انڈیا۔

قدیم عمارات کی شہادت۔

علم آثار قدیمہ کا وہ حصہ جو عمارات کے متعلق ہے اگر اس کو ان عمارات کی دیواروں کے کتبوں سے الگ کر کے دیکھیں تو وہ باوجود اس کے کہ سیاسی تاریخ کے لئے زیادہ مواد بہم نہیں پہنچا سکتا۔ مگر پھر بھی اس کی تشریح اور توضیح میں بہت کچھ مدد دیتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ طالب العلم کو گذشتہ شاہی خاندانوں کی عظمت و جبروت کے صحیح اندازہ کرنے میں مدد دیتا ہے؀

کتبے

مگر اس میں کچھ بھی کلام نہیں ہو سکتا کہ قدیم تاریخ ہند کے سب سے زیادہ ضروری اور کثیر التعداد ماخذ کتبے ہیں۔ تاریخ کے گم شدہ حصوں کا صحیح علم جو اب ہم کو حاصل ہو گیا ہے وہ صرف گذشتہ ستّر یا اسّی سال میں ان ہی کتبوں کے پڑھنے اور استقلال کے ساتھ ان کے حل کرنے سے ہی حاصل ہوا ہے۔ یہ کتبے کئی قسم کے ہیں۔ مہاراجہ اشوک کے فرامین یا پند و نصائح جو پتھر پر کندہ ہیں۔ اور تمام کتبوں سے بالکل جدا ہیں۔ کیونکہ اس کے بعد کسی بادشاہ نے اس کی طرح اس قسم کے مواعظ کبھی چٹانوں پر کندہ نہیں کرائے۔ اسی طرح اجمیر میں دو اور دھار کے مقام پر ایک سنسکرت ڈراما کا پتھر پر کندہ پایا جانا بھی اپنی آپ ہی نظیر ہے چتوڑ کے عظیم الشان مینار پر جو کتبہ کندہ ہے وہ در اصل علم تعمیر کی ایک کتاب کا حصہ ہے۔ مگر ان کے علاوہ کتبوں کا بڑا حصہ یا تو بطور یادگار ہے یا بطور نذرانہ اور یا بطور بخشش۔ اول اور دوسری قسم کے کتبوں میں مختلف اقسام کے حالات پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض میں تو صرف کسی جاتری کا نام یا صرف دستخط ہی پایا جاتا ہے۔ اور بعض میں کامل طولانی قصیدے نہایت فصیح و بلیغ سنسکرت میں ملتے ہیں۔ عام طور پر یہ پتھر میں کندہ ہوتے ہیں۔ تیسری قسم کے کتبے یعنے وہ ہیں جن میں انعام یا عطیے کا ذکر ہوتا ہے۔ عموماً تانبے کی لوحوں پر ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہی دھات ہے جس کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ایزٹوولڈ بائی اٹلس اون ہسٹوریننز'' ہے (۸ جلد ۱۸۶۷ء سے ۱۸۷۷ء تک) یہ نہایت قیمتی کتاب ہے اگرچہ غلطیوں سے بالکل پاک نہیں۔ یہ غلطیاں اکثر جگہ ریورٹی نے درست کر دی ہیں۔ بیلی اور ڈومن کی ہسٹری آف گجرات (۱۸۸۶ء) جسکی فقط ایک جلد ہی شایع ہوی ہے بڑی کتاب کا ایک طرح ضمیمہ ہے۔ اس کے علاوہ دیکھو ابو تراب کی تاریخ گجرات مصححہ ڈینی سن راس۔ شایع کردہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال۔ ۱۲ ؀

ذریعے سے غیر منقولہ جائداد کے انتقال کا دائمی ثبوت رکھا جاتا تھا۔

جنوبی ہند کے کتبے

جنوبی ہند میں تقریبًا ہر قسم کے کتبوں کی خاص طور پر کثرت ہے۔ یعنے پتھر اور تانبے دونوں پر کندہ کئے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض بہت طولانی ہوتے ہیں۔ جنوبی ہند کے جو کتبے دریافت ہو چکے ہیں اُن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ اور بہت سے ابھی دریافت نہیں ہوئے۔ مگر یہ کتبے باوجود اپنی کثرت کے اتنے دلچسپ اور مفید نہیں جتنے کہ شمالی حصے کے کمیاب اور نادرالوجود کتبے ہیں۔ کیونکہ وہ نسبتہً زمانۂ حال کے قریب ہیں۔ سن مسیحی سے قبل کا کوئی کتبہ سوائے میسور کے جہاں مہاراجہ اشوک کے مختصر فرامین کی نقل اور بھٹی پرولو کا صندوق ہو۔ جنوبی ہند میں نہیں پائے گئے۔ اصل یہ ہے کہ ساتویں صدی عیسوی سے پہلے کے کتبے کم ہیں۔

بہت قدیم کتبے

ایک زمانے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ شمالی ہند کا سب سے قدیم کتبہ وہ ہے جو پپراوا کے مقام پر بدھ کے تبرکات کے نذرانے کے طور پر لکھا ہوا تھا۔ یہ عام خیال تھا کہ وہ ۴۵۰ ق م کا کندہ کیا ہوا ہے۔ مگر موجودہ تحقیق نے اس خیال کے صحیح ہونے میں شبہ پیدا کر دیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ شمال اور جنوب دونوں حصۂ ملک میں مہاراجہ اشوک کے زمانے یعنے تیسری صدی قبل مسیح سے پہلے کا کوئی ایسا کتبہ دستیاب نہیں ہوا۔ جسے یقین کے ساتھ ان سے زیادہ قدیم کہا جاسکے۔ سن قبل مسیح کے کتبوں کی تعداد شمال میں بہ نسبت جنوب کے کہیں زیادہ ہے۔ تیسری صدی عیسوی کے بعد کے بہت کم کتبے باقی رہ گئے ہیں۔ لیکن اگر کشان بادشاہوں کی تاریخیں جن پر اس کتاب میں عمل کیا گیا ہے۔ درست ہیں، تو دوسری صدی کے کتبے بکثرت دستیاب ہوتے ہیں۔

اس سلسلے کا کام جو باقی رہ گیا ہے

اگرچہ آثار قدیمہ کے سلسلے میں بہت کچھ مفید کام ہو چکا ہے۔ لیکن اب بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہندی کتبوں کا تفحص ختم ہو گیا۔ ابھی بہت کام ہے۔ کام کرنے والوں کی تعداد میں اضافے کی ضرورت ہے۔ یہ لوگ ایسے ہوں جن کو ذاتی شوق ہو۔ کام ہی کو اور معلومات ہی کے حاصل کرنے کو اپنی اجرت قرار دیں۔ اور دنیا کے علم میں

اضافہ کرنے کی کوشش کریں۔[۱]

سکے۔ بہ ہیئت مجموعی سکوں کی شہادت بہ نسبت کتبوں کے زیادہ دستیاب ہوسکتی ہے۔ ہندی سکوں کی اکثر اقسام پر مخصوص کتابوں میں بحث ہو چکی ہے۔ اور ان سے تمام تاریخی مواد اخذ کر لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ پروفیسر ریپسن کی کتاب سے جس میں اس نے تمام سکوں کو ایک جگہ فراہم کر کے اُن پر بحث کی ہے عام ناظرین کو یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ تاریخ کو سکوں کی موجودگی سے کہاں تک مدد ملی۔

سکندر کے حملے کے بعد سے مورخ کو سکوں کے ذریعے سے تاریخ کے ہر زمانے کے متعلق اپنی تحقیقات میں بہت مدد ملتی ہے۔ مزید برآں سلطنتہائے باختر۔ ہندی یونانی۔ اور ہندی پارتھیا کے لئے دراصل صرف یہی ایک قابل اعتبار ماخذ ہوسکتے ہیں۔[۲]

---

[۱] دیکھو ڈاکٹر فلیٹ کا مضمون انڈین اینٹی کویری سنہ ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۔ اور اسی کا لکھا ہوا باب "ایپی گریفی" انڈین گزیٹیر جلد دوم۔ سنہ ۱۹۰۸ء۔ ہندی کتبوں کے متعلق تمام شایع شدہ کتابوں کی فہرست کا درج کرنا بالکل ناممکن ہے۔ مگر اچھے تصحیح کردہ کتبے مفصلہ ذیل کتب میں ملیں گے۔ انڈین انٹی کویری ایپی گریفیا انڈکا۔ ساوتھ انڈین انسکرپشن۔ ان کتب کے علاوہ ہندی آثار قدیم کے محکمے کی تمام رپورٹوں میں کتبوں کا کچھ نہ کچھ اچھا خاصا حال مل جاتا ہے۔ مسٹر کیوس رائس نے "ایپی گریفیا کرناٹیکا" وغیرہ میں ہزارہا کتبوں کا حال لکھا ہے جن کا خلاصہ "میسور اینڈ کرگ فرام انسکرپشنز" میں درج ہے۔ (کانسٹیبل سنہ ۱۹۰۹ء) پروفیسر کیلہارن اور پروفیسر لیوڈر کی "لسٹ"۔ اور ایپی گریفیا انڈکا کے ضمیمہ نمبر ۵ - ۷ - ۸ - ۱۰ ــــ بیش بہا چیزیں ہیں۔

[۲] ہندی سکوں کے متعلق چند جدید کتابیں یہ ہیں۔ ریپسن کی "انڈین کائنز" (سٹرسبرگ سنہ ۱۸۹۸ء) "کیٹلاگ آف دی کائنز آف دی اندھرا ڈائنسٹی ان دی برٹش میوزیم" کننگھیم کی کائنز آف اینشنٹ انڈیا" (سنہ ۱۸۹۱ء) کائنز آف میڈیول انڈیا سنہ ۱۸۹۴ء۔ فان سیلٹ کی کتاب "ڈی منخ فونگر الکزینڈرس دی گراسن ان بکٹرین اینڈ انڈین" (برلن سنہ ۱۸۷۹ء) پی سکارڈنر کی کتاب "دی کائنز آف دی گریک اینڈ سیتھک کنگس آف بکٹریا اینڈ انڈیا ان دی برٹش میوزم (سنہ ۱۸۸۶ء)۔ وی۔ اے سمتھ دی خاندان گپت کے سکوں پر تین مضامین (جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ بی جلد ۵۳ حصہ اول سنہ ۱۸۸۴ء۔

اُسی زمانے کے ادبیات۔

تاریخ قدیم کا چوتھی قسم کا ماخذ اسی زمانے یا تقریباً اُسی زمانے کے ادبیات ہیں۔ مگر ایسی کتابیں بہت ہی کم ہیں جن کو ہم علم تاریخ کی کتابیں کہہ سکیں۔ ان میں کشمیر کی تاریخ (راج ترنگنی) اور آسام اور نیپال کی مقامی تاریخوں کے علاوہ سنسکرت اور پراکرت کی معدود سے چند کتابیں اور تامل زبان کی کچھ نظمیں شامل ہیں۔ ان میں سے کوئی کتاب خالص تاریخ کے فن پر نہیں۔ اور سب کم و بیش حکایات کی قسم کی کتابیں ہیں۔ اس لئے واقعات کو بہت کچھ افراط و تفریط کے ساتھ بیان کرتی ہیں۔

ان میں سب سے مشہور کتاب "ہرش چرت" ہے جسے بان نے ۶۲۰ء میں اپنے بادشاہ اور مربی ہرش شاہ تھانیسر و قنوج کی مدح میں لکھا تھا۔ یہ کتاب باوجود چند ظاہری نقائص کے نہایت ہی کارآمد ہے۔ اس میں قدیم روایتوں کے علاوہ اُس عہد کی تاریخ کا حال بھی پایا جاتا ہے[1]۔ اسی قسم کی ایک اور کتاب "وکرامانک چرت" بھی ہے جو بارھویں صدی عیسوی کے ایک شاعر بلہن کی لکھی ہوی ہے۔ اور دراصل ایک زبردست بادشاہ کی شان میں ایک قصیدہ ہے جو ۱۰۷۶ء اور ۱۱۲۶ء کے درمیان جنوب اور مغرب کے ایک بڑے علاقے پر حکمراں تھا[2]۔ ایک اور قابل قدر نظم "رام چرت" بھی بنگال کے پال خاندان کے متعلق ایک قصیدہ ہے ۱۸۹۷ء میں دریافت ہوی۔ اور ۱۹۱۰ء میں شایع ہوی[3]۔ ان کتابوں کے علاوہ اور کتابیں بھی ہیں جو بلہن کے سوا عموماً اور جین

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ج۔ اے۔ ایس۔ بی۔ جلد ۶۳ حصہ اول ۱۸۹۴ء۔ ج آر۔ اے۔ ایس جنوری ۱۸۹۹ء "اندھرا ہسٹری اینڈ کائنیج" (زیڈ۔ ڈی۔ ایم۔ جی ۱۹۰۲ء۔ ۱۹۰۳ء) کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم جلد اول (۱۹۰۶ء) ایلیٹ کی کتاب کائنز آف سدرن انڈیا انکے علاوہ چھوٹی چھوٹی کتابیں اس قدر ہیں کہ وہ درج نہیں کیجا سکتیں۔ جیمز پرینسپ اور دوسرے لوگوں کی کتابیں اب پرانی ہوکر بیکار ہوگئی ہیں۔

[1] اس کتاب کا پروفیسر کاول اور ٹامس نے ترجمہ کیا ہے (اورینٹل ٹرانسلیشن فنڈ۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۷ء) ۱۲۔

[2] بیوہلر نے ایک انگریزی مقدمے کیساتھ اس کو شایع کیا (بمبئی سنسکرت سیریز۔ نمبر ۱۴۔ ۱۸۷۵ء)۔ اور انڈین انٹی کوری (جلد ۵ صفحہ ۳۲۴ و ۳۱۷۔ ۱۸۷۶ء و جلد ۳۰۔ ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۲) میں اس پر مکمل بحث کی ہے۔

[3] میمائرس۔ اے۔ ایس۔ بی۔ جلد سوم ۱۹۱۰ء صفحہ ۵۶۔ ۱ء

مصنفین کی لکھی ہوئی ہیں۔ ان میں مغربی ہند کے چلوکیا خاندان کے بادشاہوں کی تاریخ ملتی ہے[1]۔ تامل زبان کی نظموں میں قدیم ترین نظم کے متعلق خیال ہے کہ وہ پہلی یا دوسری صدی عیسوی کی لکھی ہوئی ہے۔ ان نظموں میں سے جو عموماً یا تو رزمیہ ہیں یا جنوب کے مشہور بادشاہوں کے متعلق قصائد ہیں بہت کچھ تاریخی مواد حاصل ہوسکتا ہے[2]۔

تعیین تاریخ کی مشکلیں۔

وہ چیز جو اس قدر مدت تک ہندوستان قدیم کی مسلسل تاریخ لکھے جانے میں مزاحم رہی۔ یہ نہ تھی کہ تاریخ کے مواد کی کمی ہو۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ تاریخوں کا صحیح تعیین ناممکن تھا جس کی طرف الفنسٹن اور پروفیسر کاول نے بھی اشارہ کیا ہے۔ مگر غیر مرتب تاریخی مواد کی اس قدر کمی نہیں جتنا کہ فرض کیا جاتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ قدیم اقوام کی تاریخ کے ڈھانچے کو کھڑا کرنے کے لئے مواد ہر جگہ کم ہی ہوتا ہے۔ اور جو کچھ ہوتا بھی ہے وہ ایسے بے سروپا اور لایعنی بیانات پر مبنی ہوتا ہے جو آخر میں عوام کے دماغ میں خرافات اور قصص اصنام کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ہندوستان قدیم کے مورخ کے پاس ان روایات۔ فہرس۔ اور قصص اصنام کی کمی نہیں۔ صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ موجودہ زمانے کے ان تنقیدی اصولوں کو ان پر استعمال کیا جائے جو مشرق و مغرب کی قدیم تاریخوں کے لکھنے میں کام آتے ہیں۔ تاریخ ہند کے متعلق ان اصول کا استعمال کسی طرح بھی اس سے زیادہ مشکل نہیں جتنا کہ بابل۔ مصر۔ یونان اور روم کی تاریخ کے متعلق ہوسکتا ہے۔ حقیقی مشکل یہ ہے کہ تاریخوں کے تعین کا ابھی تک فیصلہ نہیں ہوا۔ تاریخ کے لئے ضروری ہے کہ اس کے واقعات کی تاریخوں کا تعین یقین اور وثوق کے ساتھ ہوسکے۔ اور بغیر اس کے تاریخ کا لکھا جانا ناممکن ہے۔

بیشمار سنین کا رواج

ہندوستان کی مختلف اقوام نے اپنی تاریخ کو اگر محفوظ رکھنے کی

---

[1] پروسیڈنگس۔ اے۔ ایس۔ بی۔ سنہ ۱۹۰۱ء صفحہ ۲۶ و جی۔ ایچ اوجھا کی کتاب "ارلی ہسٹری آف دی سولنکیز" حصہ اول صفحہ ۲۔ اجمیر سنہ ۱۹۰۷ء۔ یہ کتاب ہندی میں ہے۔

[2] مسٹر وی کے۔ پلے نے اس پر انڈین انٹی کویری جلد ۱۸ صفحہ ۲۵۹۔ و جلد ۱۹ صفحہ ۳۲۹۔ و جلد ۲۲ صفحہ ۱۴۱ میں بحث کی ہے۔ اسکے علاوہ دیکھو "دی تامل ایٹین ہنڈرڈ ییرس ایگو" مدراس سنہ ۱۹۰۴ء۔

کوشش بھی کی تو اس کے طریقے نرالے اختیار کیے جن کا اب سمجھ میں آنا مشکل ہے۔ اور چند سال پہلے بالکل ناممکن تھا۔ جن سنین کا انھوں نے اپنے تاریخی واقعات کے تعین کے لئے اختراع کیا ہے وہ نہ صرف دنیا بھر کی قوموں کے سنین سے مختلف ہیں۔ بلکہ تعداد میں بیشمار اور اپنی ابتداء اور استعمال کے لحاظ سے بالکل پوشیدہ اور نامعلوم ہیں۔ کننگھم نے اپنی کتاب "سنین ہند" میں بیس سے زیادہ سنین گنوائے ہیں جو ہندوستان کے مختلف حصوں اور اس کی تاریخ کے مختلف زمانوں میں جاری رہے ہیں۔ اس پر بھی اس کی فہرست کامل نہیں کہی جاسکتی۔ علماء نے یکے بعد دیگرے اپنی زندگی ہندوستان کے مختلف مقامی سنین کے تفحص اور ان کے ذریعے سے بھولی ہوئی تاریخ کے دریافت کرنے کے لئے وقف کردی ہے۔ ان کی بے لوث کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر ان سنین کا علم جو کتبوں وغیرہ میں استعمال ہوئے ہیں بالکل کامل اور صحیح ہوگیا ہے[1]۔ ان تمام نتائج کو کام میں لاکر اب یہ ممکن ہوگیا ہے کہ ہند قدیم کا مورخ ہر ایک واقعے کے تعین تاریخ اور سن کے لحاظ سے تاریخ کو مسلسل صورت میں مرتب کرلے۔ آج سے اسّی تو کیا چالیس برس پہلے بھی یہ بات ناممکن تھی؛

یونانی ہم زمانہ تاریخیں۔

ایک زمانے تک ہندوستان قدیم کی تمام تاریخ میں وہ واقعہ جسکی تاریخ تقریباً بالکل صحت کے ساتھ متعین ہوی تھی صرف **چندرا گپتا موریا** کی تخت نشینی کا واقعہ تھا۔ اس کا تعین اس وجہ سے ممکن ہوگیا تھا کہ یونانی مورخوں نے "سنڈرا کوٹس" ایک ہندی بادشاہ کو سیلوکس نیکیٹر کا ہمعصر بتلایا ہے۔ اور یہ مان لیا گیا تھا کہ سنڈرا کوٹس سے چندرا گپتا موریا ہی مراد ہے۔ اس کے بعد ۱۸۳۸ء میں چندرا گپتا کے پوتے راجہ اشوک کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ وہ سیلوکس کے پوتے **انٹیاکس تھیوس** اور دوسرے چار یونانی

---

[1] پروفیسر کیلہارن۔ پروفیسر جیکوبی۔ مسٹر آر سیول اور ڈاکٹر جے۔ ایف فلیٹ نے سنین کے متعلق سب سے زیادہ اہم کام انجام دیا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر حضرات بھی اس طرف متوجہ اور ہمارے علم میں ایزاد کرنے میں کامیاب ہوے ہیں۔ ہندوستانیوں میں سب سے زیادہ قابل قدر کام دیوان ایل۔ ڈی سوامی کنو پلے نے کیا ہے۔ ۱۲؎

بادشاہوں کا ہم عصر تھا۔ اس طرح موریا خاندان کے بادشاہوں کے سنین کا پوری صحت کے ساتھ تعین ہو گیا اور اب اس میں کسی قسم کا شک باقی نہیں رہا۔

ان دو متعینہ تاریخوں اور ساتویں صدی عیسوی کے بعض واقعات کے سنین کے سوا جن کا تعین چینی جاتری ہیون سانگ کے سفرنامے سے ہو گیا تھا۔ تاریخ ہند کے تمام سنین کا تقرر نہ ہو سکا تھا اور ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق ان کو ہیر پھیر سکتا تھا۔

خاندان گپت کا مروجہ سن۔

جب ڈاکٹر فلیٹ نے خاندان گپت کے سن کا تعین کر دیا جو اب تک محض وہم و خیال کا تختۂ مشق رہا تھا۔ تو تاریخ ہند کے سنین کے باب میں بہت کچھ ترقی ہوئی۔ اس فیصلے سے کہ خاندان گپت کا سن ۳۱۹ء یا ۳۲۰ء سے شروع ہوتا ہے ہندوستان قدیم کے ایک مشہور خاندان کے سنین کا تعین ہو گیا اور جس پر اس سے پہلے حرف تاریکی چھائی ہوئی تھی اب وہ روز روشن کی طرح نمایاں ہو گیا۔ اسی سے پانچویں صدی عیسوی کا فاہیان کا لکھا ہوا بیان اپنی اصلی جگہ پر قائم ہو گیا۔ اور یہ معلوم ہوا کہ اس کا سفرنامہ ہندوستان کے سب سے نامی بادشاہ چندر گپت ثانی یا بکرماجیت کی سلطنت کا گویا ایک مرقع ہے۔ اس اہم دریافت کے بعد جس کو ڈاکٹر فلیٹ نے ۱۸۸۷ء میں شایع کیا۔ خاندان گپت کے سنین کے متعلق اور تمام باقی ماندہ مشکلات کا فیصلہ اس وقت ہو گیا جب ایم۔ سلوین لیوی نے اس بات کا تعین کیا کہ سمندر گپت اور میگھ ورن شاہ لنکا دونوں ہمعصر تھے۔ (تقریباً ۳۵۲ء سے لیکر ۳۷۹ء تک زمانہ)۔

اندھر خاندان کی ہم زمانہ تاریخیں۔

اسی طرح اندھر خاندان کی ایک مسلسل فی الجملہ ناکامل تاریخ کا لکھا جانا اس طرح ممکن ہو گیا ہے جبکہ اندھر خاندان کے بادشاہ اور مغربی ایرانی ستراپ ہمعصر ثابت ہوئے۔

شمالی ہند کی تمام تاریخیں سوائے کشان خاندان کے سب متعین ہو چکی ہیں

مختصر یہ ہے کہ متعدد علماء کی محنتوں کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہ شمالی ہند کی قدیم تاریخ کا ایک ڈھانچہ قائم کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ یہ وہ تاریخی زمانہ ہے جو عہد قدیم سے شروع ہو کر اسلامی فتوحات پر ختم ہوتا ہے۔ مگر اس میں بھی کشان یا ہندی سیتھیا خاندان کا

زمانہ اب تک زیر بحث ہے۔ کشان خاندان کے وہ سنین جو اس کتاب میں استعمال کئے گئے ہیں ایسے ہیں جن کے لئے مزید غور کی ضرورت ہے۔ مگر وہ بالفعل کام چلانے کے لئے کافی ہیں۔ اگر بالآخر ان کو بھی مان لیا گیا تو شمالی ہند کی تاریخ بالکل کامل ہوجائیگی۔ اگرچہ پھر بھی بہت سی تفصیلی باتیں باقی رہ جائینگی؛

جنوبی ہند کی تاریخیں۔

جنوبی ہند کے خاندانوں کے متعلق بھی بہت سی تاریخوں کا فیصلہ ہوگیا ہے۔ یہاں تک کہ پلوا خاندان کی تاریخیں بھی جس کے نام سے بھی ۱۸۴۰ء سے پہلے یوروپ کے لوگ بالکل ناواقف تھے۔ بہت کامیابی کے ساتھ حل ہوچکی ہیں؛

مسلسل تاریخ کے لکھے جانے کا امکان۔

تمام مذکورہ بیان کے پڑھنے سے میرے نزدیک ناظرین کے ذہن نشین ہوگیا ہوگا کہ اب اس قدر مواد موجود ہے اور سنین کا تعین اس حد تک ہوچکا ہے کہ فتوحات اسلامی سے قبل کی تاریخ ہند ایک مسلسل اور مرتب صورت میں دنیا کے سامنے پیش کردیجائے؛

ضمیمۂ الف

پران کا زمانۂ تصنیف

اسکی تاریخ کے متعلق ایچ۔ ایچ ولسن کا غلط خیال۔

ایچ۔ایچ ولسن نے پرانوں کی چند عبارتوں کا یہ غلط مطلب سمجھ لیا کہ ان میں مسلمانوں کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اور اسی بنا پر اس نے یہ رائے ظاہر کی کہ وشنو پران ۱۰۴۵ء میں تصنیف ہوی۔ یہ غلطی ولسن کے زمانے میں قابل معافی تھی۔ مگر افسوس یہ ہے باوجود اس کے کہ چند سال پیشتر کے واقعات سے اس کی تردید بھی ہوچکی ہے۔ لیکن پھر بھی اب تک یہ خیال برابر دُہرایا جاتا ہے۔ اس اعادے کی

وجہ سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعے پر چند ایسے عام فہم اور قطعی ثبوت بیان کر دیئے جائیں۔ جن سے یہ ثابت ہو جائے کہ پران اصل میں اس سے کہیں زیادہ قدیم ہیں۔ جیسا کہ ولسن کا خیال تھا[1]

البیرونی کی شہادت البیرونی جس نے کہ ہندوستان کے حالات میں اپنی کتاب سنہ ۱۰۳۰ء میں لکھی۔ اٹھارہ پرانوں کی فہرست نقل کرتا ہے جن کو "نام نہاد رشیوں" نے لکھا تھا۔ ان میں سے تین پران خود اس نے اپنی آنکھ سے دیکھے تھے۔ یعنے منسیا۔ آدیتیا اور وایو پرانوں کے حصے۔ اس کے علاوہ وہ پرانوں کی اٹھارہ کتابوں کے مختلف نام بھی جو وشنو پران میں پائے جاتے ہیں دیتا ہے۔ اس لئے اب یہ ظاہر ہے کہ آجکل کی طرح سنہ ۱۰۳۰ء میں بھی پران تعداد میں اٹھارہ ہی تھے اور سمجھا جاتا تھا کہ عہد قدیم سے اسی طرح چلے آتے ہیں اور قدیم رشی جن کا ذکر محض افسانہ ہے اس کے مصنف تھے۔

باناکی شہادت ہرش بادشاہ کے قصیدے "ہرش چرت" کا مصنف جو سنہ ۶۲۰ء میں زندہ تھا۔ پران کی قدامت کو اور چار صدی پیشتر لیجاتا ہے۔ جب وہ اپنے گاؤں کو گیا جو دریائے سون پر واقع تھا جسے آج کل ضلع شاہ آباد کہتے ہیں تو اس نے سدر شستی کو وایو پران گاتے ہوئے سنا۔ ڈاکٹر فیوہرر کو یقین تھا کہ یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ زبان نے اگنی بھگوت اور مارکندیا اور ان کے علاوہ وایو پران سے خود استفادہ کیا تھا[2]

بنگال کا قدیم نسخہ سکند پران کے اُسی عہد میں موجود ہونے کا مستقل ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ اس وقت کا قلمی نسخہ اسی کتاب کا خاندان گپت کے زمانے کے خط میں لکھا ہوا دستیاب ہوا ہے "جس کے متعلق خط کی قدامت کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ ساتویں صدی کا لکھا ہوا ہے"[3]

کتاب سوالات ملندا کسی نہ کسی صورت میں کتاب "سوالات ملندا" کا مصنف بھی

---

(۱) کاول اور ٹامس کا ترجمہ صفحہ ۷۲ ۱۲

(۲) نورتھ اورنٹیل کانگریس کی روئداد۔ جلد ۳۔ صفحہ ۲۵ ۱۲

(۳) جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۰۳ صفحہ ۱۹۳ ۱۲

پرانوں سے واقف تھا۔ جو اس زمانے میں ویدوں اور رزمیہ نظموں کے ساتھ قدیم مذہبی کتابوں میں شمار ہوتی تھیں۔ اس کتاب کا پہلا باب جس میں کہ پرانوں کا ذکر آتا ہے بلا شبہ اصلی اور حقیقی کتاب کا جزو ہے۔ اور اس میں کوئی بھی شک نہیں کہ وہ ۳۰۰ء کے قبل لکھا گیا تھا[۵۱]

گپتا خاندان

اس کے علاوہ بیوہلر نے پرانوں کی بہت سی عبارتیں اور دوسرے حوالے جمع کئے ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ "وایو پران۔ وشنو پران۔ متسیا پران۔ اور برہمانڈ پران میں زمانۂ مستقبل کے بادشاہوں کا تذکرہ گپت اور اس کے ہمعصر خاندانوں پر آکر ختم ہوتا معلوم ہوتا ہے[۵۲]"۔ بیوہلر نے زمانۂ آیندہ کے بادشاہوں کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ پرانوں میں تمام تاریخی واقعات پیشین گوئی کی صورت میں بیان کئے گئے ہیں۔ تاکہ ان کے بے انتہا قدیم ہونے کی صورت قائم رہے۔ اور اس میں شک بھی نہیں کہ وہ اپنی اصلی اور پرانی شکل میں بہت قدیم ضرور ہیں۔

مسٹر پارگیٹر کی تحقیقات کے نتائج۔

مسٹر پرگیٹر اپنی مفید کتاب "دی ڈائنسٹیز آف دی کالی ایج" (کلیرنڈن پریس۔ آکسفورڈ۔ ۱۹۱۳ء) میں اس کے متعلق اور زیادہ کامل ثبوت بہم پہنچانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ انھوں نے یہ ثابت کیا ہے "بھاویش پران" اپنی قدیم تر شکل ہیں دراصل متسیا اور وایو پرانوں کے شاہی خاندانوں کی فہرستوں کا حقیقی ماخذ تھا۔ ان تمام فہرستوں کا حال جو متسیا۔ وایو۔ برہمانڈ پرانوں میں موجود ہے۔ "اور ان کا درحقیقت ایک اور صرف ایک ہی ماخذ ہو سکتا ہے"۔ مگر متسیا پران کی فہرست ان سب میں قدیم اور بہتر ہے۔ وشنو اور بھگوت پران اسی کی مختصر فہرستیں ہیں۔ اور بھاوشیا پران اپنی موجودہ شکل میں تاریخی لحاظ سے بالکل بیکار کتاب ہے۔ کیونکہ ان میں بہت کچھ اضافہ ہوا ہے۔ تاریخ کے لئے صرف متسیا۔ وایو اور برہمانڈ پران ہی کارآمد ہو سکتی ہیں۔ ان میں

---

۵۱ ایس۔ بی۔ ای۔ جلد ۳۵۔ صفحہ ۶ و صفحہ ۲۴۷ء

۵۲ انڈین انٹی کویری جلد ۲۵ (۱۸۹۶ء) صفحہ ۳۲۳ تا ۱۲ء

بعض باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شاہی خاندانوں کا سنسکرت زبان میں لکھا ہوا حال جیسا کہ آجکل ان کتابوں میں پایا جاتا ہے دراصل پراکرت کی نظموں سے ماخوذ ہے۔ اور اس کے باور کرنے کی بھی وجہ موجود ہے کہ یہ کتابیں سب سے قدیم زمانے میں کروشٹی خط میں لکھی ہوئی تھیں۔

مسٹر پرگیٹر کی رائے ہے کہ تاریخی مواد کی سنسکرت زبان میں ترتیب اندھر خاندان کے بادشاہ یجنسری کے عہد یعنے دوسری صدی عیسوی میں شروع ہوئی۔ اور یہ ترتیب سنہ ۲۶۰ء میں بھاوشیا پران میں داخل کر کے اس پر اور اضافہ کر دیا گیا۔ سنہ ۳۱۵-۲۰ء کے درمیان بھاوشیا پران پر نظر ثانی ہوئی اور وہ وایو پران کے نسخے میں شامل کر دی گئی۔ اور پھر سنہ ۳۲۰-۲۵ء کے درمیان اس پر مکرر نظر ثانی ہوئی۔ اور وایو کے دوسرے نسخے اور برہمانڈ میں شامل کی گئی۔ اور اس وقت سے پرانوں میں بھاوشیا کی تاریخی روایتیں محفوظ ہوگئیں۔ متسیا پران سے معلوم ہوتا ہے کہ بھاوشیا پران کی فہرستیں کسی قدر قدیم صورت میں محفوظ ہیں۔ جن کی تاریخ شاید تیسری صدی عیسوی کا آخری حصہ ہو۔

مسٹر پرگیٹر کی کتاب چھتیس مختلف نسخوں کے مطالعے پر مبنی ہے۔ اور اس وجہ سے اس قابل ہے کہ اس پر غور و فکر کیا جائے۔ انھوں نے بکثرت حوالے بھی دیئے ہیں۔

پران چوتھی صدی قبل مسیح میں۔

اس تمام بیان پر میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ کسی نہ کسی صورت میں پران چوتھی صدی قبل مسیح ہی میں مستند سمجھی جاتی تھیں۔ ارتھ شاستر کا مصنف اتھروید اور اتہاس کو چوتھی اور پانچویں وید مانتا ہے۔ (باب اول فصل ۳) اور بادشاہ کو صلاح دیتا ہے کہ تیسرے پہر کو اتہاس کا مطالعہ کیا کرے۔ اس میں چھ چیزیں شامل ہیں۔ (۱) پران۔ (۲) ایتیورت (تاریخ)۔ (۳) آکھیائک (حکایات)۔ (۴) اُداہرن (تمثیلات) (۵) دہرم شاستر اور (۶) ارتھ شاستر (باب اول فصل ۵)

ضمیمہ ب

چینی جاتری

*

چینی نام: فاہیان

چند در چند وجوہ سے چینی ناموں کے لکھنے میں اس قدر دقّت واقع ہوتی ہے۔ کہ ان کو مختلف ہجّوں سے لکھا جاتا ہے سب سے پہلے جاتری کا نام فاہین (لیگ)۔ ف۔ ہیان۔ (لیڈلے اور بیل) ف۔ ہسین (گائل اور ویٹرس) لکھا جاتا ہے۔ فاہیان کی کتاب "فو۔ کو۔ کی" یعنے "بدھ مذہب کی سلطنتوں کے حالات" میں ۳۹۹ء سے لیکر ۴۱۴ء تک کے حالات ملتے ہیں[1]

فرانسیسی ترجمہ

فاہیان کی کتاب کا فرانسیسی ترجمہ ریموسٹ۔ کلپرو۔ اور لینڈرس نے ۱۸۳۶ء میں شایع کیا تھا۔ اور ۱۸۴۸ء میں اس ترجمے سے جے۔ ڈبلیو۔ لیڈلے نے انگریزی میں ترجمہ کر کے کلکتہ میں بغیر اپنا نام ظاہر کئے شایع کیا۔ اور بہت سے حاشیے اس پر زیادہ کئے۔ یہ اس وقت بھی اس قابل ہے کہ اس سے استفادہ کیا جائے؛

بیل کا انگریزی ترجمہ۔

بیل نے ۱۸۶۹ء میں "بدھسٹ پلگرمز" کے نام سے ایک بالکل نیا ترجمہ شائع کیا۔ مگر اس میں بیشمار غلطیاں تھیں۔ یہی ترجمہ ترمیم کے بعد "بدھسٹ ریکارڈ آف دی ویسٹرن ورلڈ" کی پہلی جلد میں شایع ہوا (ٹریو نبر۔ اورنٹیل سیریز ۱۸۸۵ء) مگر گذشتہ اڈیشن کے تمام حاشئے اس میں نقل نہیں کئے گئے تھے؛

گائل کا ترجمہ

گائل کا انگریزی ترجمہ ۱۸۷۷ء میں لندن اور شنگھائی سے بیل کے دونوں ترجموں کے درمیان کے زمانے میں شایع ہوا۔ حاشیوں میں زیادہ تر بیل کے ترجمے پر سخت تنقیدیں ہیں۔ اور ان میں ایسی باتیں کم ملتی ہیں جن سے جاتری کے بیانات سے ہندوستان کے حالات کے اخذ کرنے میں مدد مل سکے۔ مگر مسٹر گائل کا

[1] ایم۔ چاوینز اس بات میں ونٹیرز اور لیگ سے متفق ہے کہ فاہیان نے اپنا سفر ۳۹۹ء میں شروع کیا تھا؛ ۱۲۔

اب نایاب۔ ترجمہ اس سبب سے ضرور قابل قدر ہے کہ وہ ایک نہایت لائق زباندان کا بالکل اچھوتا ترجمہ ہے۔ اس کی بعض غلطیوں کو ویٹرس نے اپنے مضامین "فہ ہسین اور اس کا انگریز مترجم" میں درست کر دیا ہے (چائنا ریویو۔ جلد ۸)۔

لیگ کا ترجمہ

ڈاکٹر لیگ کا نیا ترجمہ (آکسفورڈ کلیرنڈن پریس ۱۸۸۶ء) بہیئت مجموعی سب سے زیادہ کارآمد ہے۔ کیونکہ مصنف کو گذشتہ مترجمین کی کتابوں سے بھی مدد لینے کا موقع ملا ہے۔ مگر حاشیوں میں کچھ اور بڑھانے کی ضرورت باقی ہے۔ فاہیان کے سفر نامے کا آخری ترجمہ جس میں ایسی شرح بھی شامل ہو۔ جو ہندوستان اور چین دونوں کی تاریخی ضرورتوں کو پورا کر سکے ابھی تک نہیں ہوا۔ اور اصل یہ ہے کہ ایسے ترجمے کا صرف ایک شخص کی ہمت سے انجام پانا تقریباً محال ہے۔

ہیون سانگ کا نام

ہیون سانگ کے صحیح ہجے کے متعلق تمام معاملہ زیر بحث رہا ہے۔ اور کسی زمانے کا کیا ذکر اب تک اس میں اختلاف باقی ہے [1]

مگر اب مسئلے کو پروفیسر چاؤنیز کی رائے کے مطابق بالکل طے شدہ امر قرار دے لینا چاہیئے۔ اس کا خیال ہے کہ اس نام کا تلفظ درحقیقت ہیون سانگ ہی ہے۔ اور پروفیسر ڈی لاکوپرے بھی اس سے متفق ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کتاب میں یہی نام استعمال ہوا ہے۔ مسٹر بیل کا مستعملہ نام ہیون سیانگ جس سے تمام انگریزی داں واقف ہو گئے تقریباً یہی ہے۔

جولین اور بیل کے ترجمے۔

ایم۔ جولین کی عظیم الشان کتاب جس میں ہیون سانگ کی سوانح عمری اور سفر نامے کا فرانسیسی ترجمہ شامل تھا۔ اب تک بجائے خود لاجواب ہے۔ اگرچہ اب وہ بہت نادر الوجود ہو گئی ہے اور اس کا دستیاب ہونا مشکل ہے۔ (پیرس ۱۸۵۳-۵۸ء) مسٹر بیل کا کیا ہوا سفر نامے کا انگریزی ترجمہ

---

[1] ہیون سانگ کے نام کے اختلاف حسب ذیل ہیں:۔
ہیوون تسانگ۔ (جولین اور وید) ہیون چانگ (میرس) یون چانگ (ویلی) ہیون سیانگ (بیل) یہون چانگ (لیگ) ہہیون کانگ (بجیو) یان چانگ (رہس ڈیوڈس)۔ یہ فہرست کامل نہیں ہے۔ J. R. A. S. - 1892.

۱۸۸۵ء میں اُن جلدوں میں شایع ہوا جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ۱۸۸۸ء میں اس کا سوانح عمری کا ترجمہ بھی شایع ہوا۔ اس پر حاشیہ زیادہ تر ڈاکٹر برگس کا لکھا ہوا ہے۔ تاریخ ہند کا لکھنے والا بعض دفعہ مجبور ہو جاتا ہے کہ انگریزی اور فرانسیسی دونوں ترجمونکو کام میں لائے۔ دونوں ترجموں کی شرحیں اب پرانی ہو چکی ہیں۔ مگر یہ نقصان ایک حد تک مسٹر ڈیٹرس کی کتاب نے پورا کر دئے ہیں۔ یہ کتاب "آن یون چانگس ٹریولز اِن انڈیا" دو جلدوں میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی نے ۱۹۰۴ء میں شایع کی۔ ہیون سانگ کی سوانح عمری اور سفر نامے کے قابل اعتبار مشرح ترجمے کے لئے علما کی ایک جماعت کی ضرورت ہے جو ملکر کام کریں۔ اور اس فرض کو انجام دیں۔ اس کی کتاب "ٹاٹانگ۔ ہسی۔ یو۔ چی" یعنے "ٹانگ زمانے میں مغربی ممالک کے حالات" اپنی ابتدائی صورت میں ۶۴۶ء میں شاہنشاہ چین کے سامنے پیش کی گئی۔ مگر موجودہ کتاب ۶۴۸ء سے قبل اُس کی تکمیل نہیں ہوی تھی۔ غالباً مصنف کی زندگی ہی میں یا اس کے کچھ بعد اس کے قلمی نسخے ابتدائی صورت ہی میں نقل ہوے اور لوگوں میں پھیل گئے۔ آج کل اس کی مختلف اڈیشن ملتی ہیں۔ جن میں نہ صرف متن میں بلکہ حاشیوں۔ شرحوں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ "ہن سشن" کی تالیف ہی شاید اب تک یورپ میں پہنچی ہے۔ اور یہ منگ زمانے کی مطبوعہ کتاب معلوم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ویٹرس نے تین اور اڈیشنوں کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ اور زیادہ اہم اختلاف کو ظاہر کیا ہے (آن یون چانگ۔ باب اول) جاتری کے راستے کا پتہ ان نقشوں سے لگ سکتا ہے جو اس تاریخ کے مصنف نے ویٹرس کی کتاب کی دوسری جلد میں زیادہ کئے ہیں ؛

باب ۱۰-۱۲ کی بے وقعتی۔ ناظرین کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہیون سانگ کے سفر نامے کے باب ۱۰-۱۱- اور ۱۲- شروع کے ابواب سے کہیں کم مستند ہیں۔ اس کے متعلق مسٹر ویٹرس کے خیال حسب ذیل ہیں:-

"حالات" کے بیان کے مطابق جاتری ملکوت سے سنگ کا یو یعنے لنکا کی طرف روانہ ہوا۔ مگر سوانح عمری سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ان ملکوں کے صرف نام اور حالات سنے تھے۔ اگر ہمارے پاس "حالات" کے سوا اور کوئی کتاب موجود نہ ہوتی تو ہم بڑے

شوق سے یہ ماننے کے لئے تیار ہو جاتے کہ وہ لنکا بھی گیا تھا۔ اور وہاں سے دراود واپس آیا تھا۔ مگر شاید یہ خیال زیادہ قرین قیاس ہے کہ اس نے ملکوت اور لنکا کے حالات دراود میں سنے تھے یا کتابوں میں پڑھے تھے۔ دسویں اور گیارھویں باب میں بہت کچھ ایسی باتیں ہیں جو اصلی نہیں معلوم ہوتیں۔ اور یہاں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ بعد کے قدیم نسخوں مثلاً سی (C) میں ان دو بابوں کا تالیف کرنے والا بین۔ چی کو نہیں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ دو باب معہ بارھویں باب کے "ڈی" کے لفظ سے ممیز کر دئے گئے ہیں۔ جس سے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشتبہ ہیں۔ اس لئے یہ ضروری نہیں معلوم ہوتا کہ سفر نامے کے اس حصے کی کہانیوں اور حکایتوں پر زیادہ محنت کی جائے" (جلد۔ دوم صفحہ ۲۳۳)

سنگ یون اور یوکنگ۔ سنگ یون اور یوکنگ کی چھٹی صدی کے ابتدائی حصے کی سفارت کے مختصر حال کا ترجمہ مسٹر بیل نے "ریکارڈس" کی پہلی جلد میں شایع کر دیا ہے۔ اس کے بعد ایم۔ چاؤنیز نے ایک ترمیم شدہ فرانسیسی ترجمہ معہ حاشیے کے شایع کیا ہے[1]

اوُکنگ کے سفرنامے کا جو آٹھویں صدی میں جاترا کے لئے آیا سلوین لیوی اور ایم۔ چاؤنیز نے فرانسیسی میں ترجمہ کیا ہے[2]۔

ساتویں صدی کے ساٹھ چینی جاتری ایم چاؤنیز نے یی سنگ کی کتاب کا ترجمہ بھی شایع کیا ہے۔ (پیرس ۱۸۹۴ء) اس سے بدھ مذہب کے ساٹھ جاتریوں کا حال معلوم ہوتا ہے جو ساتویں صدی کے نصف آخر میں ہندوستان آئے۔

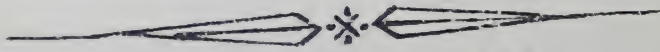
یی سنگ یی سنگ جو ۷۱۳ء میں اناسی برس کی عمر میں فوت ہوا خود بھی ایک مشہور جاتری تھا۔ "یہ عظیم الشان راہب جو چین میں

---

[1] دائجنرڈی سنگ یون دینٹس لی اودیانا ایٹ لاگندھارا۔ (ہنوئی ۱۹۰۳ء) اس قابل قدر کتاب میں اور بھی قدیم جاتریوں کے حالات ملتے ہیں۔ جن میں چی۔ منگ (یعنی جو ۴۰۴ء میں فاہیان سے صرف پانچ سال بعد چین سے روانہ ہوا) اور فائینگ (جو ۴۲۰ء میں روانہ ہوا) کے نام بھی شامل ہیں ص ۱۳ ۔

[2] جرنل ایشیاٹک ۱۸۹۵ء ۶-۱۲ ۔

اتنا ہی مشہور ہے جتنا کہ ہیون سانگ۔ دراصل ایک عالم اوران تمام چینی جاتریوں میں جن سے کہ ہم واقف ہیں ہیں۔ سنسکرت داں شخص تھا۔ وہ سماٹرا میں ہندو مدرسوں میں ایک مدت تک رہا۔ اس کے بعد دس برس تک وہ نلندا کی مشہور ومعروف جامعہ میں مقیم رہا۔ جہاں اس کو اس زمانے کے بہترین استاد ملے۔ اسی وجہ سے وہ سنسکرت کے پڑھانے اور اس زبان کے پورے تعلیمی نصاب سے جو اُس زمانے میں مروج تھا کامل طور سے واقف تھا۔ اور اسی لئے وہ اس کو نہایت صحت کے ساتھ بیان کرنے میں کامیاب ہوا۔ یہ عجیب وغریب بیان اس کی کتاب "بدھ مذہب کی رسوم و رواج ہندوستان میں" کے پینتیسویں باب پر مشتمل ہے[a]" اس کی دلچسپ کتاب کا ترجمہ ڈاکٹر جے تکاکسو نے نہایت عمدگی سے کیا ہے۔ (آکسفورڈ۔ کلیرنڈن پریس ۱۸۹۶ء) یہ کتاب اگرچہ بدھ مذہب کی تاریخ اور سنسکرت کے علم ادب کے لئے بہت کافی ہوسکتی ہے مگر سیاسی تاریخ کیلئے بہت ہی کم مواد اس میں سے ملتا ہے"۔



باب دوم

سکندر سے قبل کے خاندان

از ۶۰۰ قبل مسیح تا ۳۲۶ قبل مسیح

تاریخ سنین کے علم کے ساتھ محدود ہے۔ ایک راسخ الاعتقاد ہندو کے لئے ہندوستان کی سیاسی تاریخ تین ہزار برس قبل مسیح سے اس وقت شروع ہوتی ہے جبکہ دریائے جمنا کے کنارے پر

[a] جے۔ اینڈ۔ پروسیڈنگز اے۔ ایس۔ بی۔ ۱۹۱۱ء صفحہ ۳۰۹-۱۲۔

کورو اور پانڈو کے درمیان مہا بھارت کی مشہور و معروف جنگ ہوئی[۵۱]۔ مگر موجودہ زمانے کے ایک نقاد مورخ کو ان نظموں میں کہیں صحیح معنوں میں تاریخ کا نام و نشان نہیں ملتا۔ اور اس کو مجبور ہونا پڑتا ہے کہ ایک طولانی زمانے کو نظر انداز کر دے۔ اور آخر میں اس زمانے میں پہنچے جب اس کو اصلی اور تحقیقی واقعات تاریخ کا پتہ لگ سکے۔ تاریخی مقاصد کو پورا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ واقعات ایسے ہوں جن کو سنین کے سلسلے میں لاسکیں۔ اور اگر پوری صحت کے ساتھ ان کی تاریخوں کا تعین نہ ہوسکے تو کم از کم ایسا تو ہو کہ وہ صحت کے نزدیک تر ہو جائیں۔ ایسے واقعات جن کی تاریخ نہ معلوم ہوسکے علم زبان۔ علم نسل اور دیگر علوم و فنون کے لئے شاید کار آمد ہو سکیں۔ مگر مورخ کے لئے کبھی مفید نہیں ہوسکتے۔ جدید تحقیقات نے ہندوستان کے زمانۂ قبل تاریخ کے متعلق بہت سی نہایت ہی کار آمد اور مفید باتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ مگر از بسکہ ان تمام باتوں کے سنین کا تعین یقین کے ساتھ نہیں ہوسکتا اس لئے مورخ کو مجبوراً انھیں پس پشت ڈال دینا پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ کسی حالت میں بھی اس حد سے باہر نہیں جا سکتا جو سنین معینہ اور غیر معینہ کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔

تاریخی زمانے کا آغاز

ہندوستان کی تاریخ اس حد بندی کے لحاظ سے اگر اسکے قدیم ترین زمانے کو لیا جائے تو ساتویں صدی قبل مسیح کے نصف سے ہوتی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں کہ بحری تجارت کو ترقی ہوئی۔ اور جس میں غالباً رسم تحریر عام ہو گیا۔ اس وقت تک ہندوستان کے سب سے شائستہ باشندے بھی رسم تحریر سے بالکل ناآشنا معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان میں علم کے حاصل کرنے اور باقی رکھنے کا صرف یہی ذریعہ تھا کہ اپنی یادداشت پر بھروسہ کریں[۵۲]۔

---

[۵۱] کلجگ کا زمانہ ۳۱۰۲ق م سے شروع ہوتا ہے۔ اور یدھشٹر کے سن اور مہا بھارت کی جنگ کا ایک ہی زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ مگر بعض ہیئت داں اس جنگ سے چھ صدی بعد کا واقعہ قرار دیتے ہیں۔ (کننگھیم "انڈین ایراس" صفحہ ۱۳–۶)۔ دیکھو فلیٹ کا مضمون جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۱۱ء صفحہ ۶۷۵ اور آر۔ شام شاستری "گوام آیانا" (میسور ۱۹۰۸ء) ۱۲–

[۵۲] جے۔ کینڈی کا مضمون "دی ارلی کامرس آف انڈیا ودھ بیبلونا" ۸۰۰ ق م سے ۳۰۰ ق م۔

شمالی ہند کی سولہ سلطنتیں۔

اس زمانے میں ملک کے بہت بڑے بڑے حصوں میں گنجان جنگل تھے۔ جن میں یا تو وحشی جانور رہتے تھے۔ اور یا کہیں کہیں جنگلی آدمیوں کی بستیاں دکھائی دیتی تھیں۔ مگر اس وقت بھی شمالی ہند کے وسیع قطعات میں بے شمار صدیوں سے ایسی قومیں آباد تھیں جو کم و بیش شائستہ تھیں۔ اور زمانۂ قبل تاریخ میں شمال مغربی سرحد کے پہاڑوں کو عبور کر کے ہندوستان میں داخل ہوئی تھیں۔ دراور قومیں جو غالباً ان قوموں کے مثل ہی متمدن تھیں۔ کب۔ کہاں سے اور کس طرح ہندوستان میں داخل ہوئیں۔ اور کس طرح بتدریج تمام دکن اور جنوبی ہند میں پھیل گئیں۔ ان تمام باتوں کا علم ہم کو بالکل نہیں۔ ہمارا تمام مبلغ علم اس قوی اور مضبوط قوم کی تاریخ تک محدود ہے۔ جو ایک آریہ زبان بولتی ہوئی کوہ ہندوکش اور پامیر کی سطح مرتفع کے راستے سے ہندوستان میں داخل ہوئی۔ اور پنجاب اور دریائے گنگا کے بالائی میدانوں کو ایک مضبوط اور قوی دماغ کی نسل سے معمور کر دیا۔ جو بلاشک و شبہ ملک کے اصلی باشندوں پر کہیں فوق رکھتے تھے۔ کوہ ہمالیہ سے لیکر دریائے نربدا تک کا تمام علاقہ متعدد خود مختار ریاستوں میں منقسم تھا۔ جن میں سے بعض تو بادشاہ کے ماتحت تھیں اور بعض میں جمہوری حکومت قائم تھی۔ یہ تمام سلطنتیں کسی بڑے شہنشاہ کے زیر اثر نہ تھیں۔ دنیا سے بالکل جدا تھیں۔ اور اپنی مرضی سے آپس میں آزادانہ جنگ و جدال میں مشغول ہو سکتی تھیں سب سے قدیم ادبی روایتیں جو غالباً چوتھی یا پانچویں صدی قبل مسیح میں جمع کی گئیں اور ان میں اس سے بہت قدیم زمانے کے حالات موجود ہیں۔ اس قسم کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۹ء صفحہ ۲۸۸ ۔ ۲۳۱)۔ بیوہلر۔ انڈ۔ انٹی۔ جلد ۳۳ سنہ ۱۹۰۴ء ضمیمہ "آن دی اوریجن آف دی براہم اینڈ کھروشتی الفابیٹ" بارتل۔ این اپی گرفیکل نوٹ آن پام لیف پیپر اینڈ برچ بارک (جے۔ اے۔ ایس۔ بی جلد ۶۹ حصہ اول۔ سنہ ۱۹۰۰ء)۔ طرز تحریر ممکن ہے کہ آٹھویں صدی قبل مسیح میں یا اس سے بھی پہلے سوداگروں نے مغربی جنوبی ساحل پر لاکر پھیلایا ہو۔ وہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ شمالی ہند میں پھیلا جہاں یہ غالباً ساتویں صدی قبل مسیح میں عام طور پر مروج ہو گیا۔ مگر بہر حال صحیح سنین قائم کرنے کے لئے کوئی مواد موجود نہیں۔ مگر اتنی بات بالکل صاف ہے کہ تیسری صدی قبل مسیح کے کتبوں کے لکھے جانے سے پہلے رسم تحریر ضرور عام ہو گیا ہوگا۔ ۱۲۔

سولہ مختلف سلطنتوں کے حالات بیان کرتی ہیں جو پنجاب کے انتہائے شمال مشرقی علاقے گندھارسے لیکر جو آجکل پشاور۔ اور راولپنڈی کے اضلاع شامل ہیں۔ اونتی یا مالوا تک جس کا دارالسلطنت اُجین تھا۔ اور وہی پرانا نام اب تک قایم ہے۔ پھیلی ہوئی تھیں[۱]۔

مذہب اور تاریخ۔ قدیم ہندی مصنفین کی وہ کتابیں جن سے ہم اپنی تاریخ کا تمام مواد اخذ کرتے ہیں دراصل حقیقی معنوں میں تاریخ کے فن کی کتابیں نہیں بلکہ مذہبی مضامین پر لکھی گئی ہیں۔ ان میں مذہبی عنصر ہر حالت میں زیادہ ہوتا ہے اور دنیاوی معاملات پر کم توجہ کی جاتی ہے۔ سیاسی تاریخ کے وہ واقعات جن کا ضمناً ان کتابوں میں ذکر آجاتا ہے۔ صرف ان ملکوں کے متعلق ہوتے ہیں جن میں ہندوستان کے مذاہب نے نشو ونما پائی ہو۔

جین مت اور بدھ مت۔ وہ مذاہب جو آجکل جین مت اور بدھ مت کے نام سے مشہور ہیں دراصل زمانۂ قبل تاریخ کے فلسفیوں کی فراموشش شدہ موشگافیوں سے پیدا ہوئے تھے۔ لیکن جس صورت میں کہ وہ ہمارے سامنے آئے ان کے بانی وردھمان مہاویرا اور گوتم بدھ تھے۔ یہ دونوں فلسفی جو ایک مدت تک ہمعصر بھی رہے ہیں سلطنت مگدھ یا موجودہ جنوبی بہار کے علاقے میں یا اس کے قریب پیدا ہوئے۔ وہیں زندگی بسر کی اور وہیں مر گئے۔ مہاویر ویسالی کے جو دریائے گنگا کے شمال میں ایک مشہور شہر تھا ایک امیر کا بیٹا تھا۔ اور سلطنت مگدھ کے شاہی خاندان کا قریبی رشتہ دار تھا وہ موجودہ ضلع پٹنہ کے قریب پادا مقام پر اسی سلطنت کے حدود میں فوت ہوا۔

گوتم بدھ اگرچہ انتہائے شمال میں نیپال[۲] کی پہاڑیوں کے دامن میں

---

[۱] ان کی مفصل فہرست کے لئے دیکھو رہس ڈیوڈس کی کتاب "بدھسٹ انڈیا" صفحہ ۲۳۔ اس کتاب کے پہلے دو باب میں پالی زبان کی کتابوں کے کامل حوالے ملتے ہیں۔ جن سے پانچویں اور چھٹی صدی قبل مسیح کی سلطنتوں اور قبائل کا حال معلوم ہوتا ہے۔ پروفیسر رہس ڈیوڈس ان پالی کتابوں کو دوسرے علما کی رائے کے برخلاف زیادہ قدیم تبلاتے ہیں۔ ۱۲۔

[۲] ساکیا سلطنت جو موجودہ بستی اور گورکھپور کے اضلاع کے شمال میں واقع تھی اور کوسل

ساکیا ریاست کے حدود کے اندر پیدا ہوا۔ مگر اس نے مگدھ کے علاقے کے اندر گیا مقام پر اپنی تمام ابتدائی اور قابل یاد ریاضتوں کو پورا کیا۔ اور اُس کے مذہب کی تبلیغ کا ایک زمانہ اسی سلطنت میں گزرا۔ اس لئے بدھ اور جین مذہبوں کی کتابیں ورجی اتحاد پر جس کا دارالسلطنت ویسالی[۱] تھا اور مگدھ اور اس کی ماتحت سلطنت انگ (بھاگلپور) کے واقعات پر کچھ روشنی ڈالتی ہیں۔

کوسل اور کاسی کوسل کی ہمسایہ سلطنت۔ یعنے موجودہ اودھ کا صوبہ بہت سے تعلقات کی وجہ سے مگدھ کے ساتھ وابستہ تھا۔ اس کا دارالسلطنت سراوستی جو دریائے راپتی کے کنارے پر شمال میں پہاڑوں کے دامن میں واقع تھا۔ بدھ کی بہت سی وعظوں اور کتھاؤں کے لئے مشہور ہے[۲]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ سلطنت کی ماتحت تھی "وہ مبارک ذات کوسلا کی رہنے والی تھی" (راکہل کی کتاب "لایف آف بدھ" صفحہ ۱۱۴) دیکھو جاتک نمبر ۴۶۵ (کیمبرج کا ترجمہ جلد ۴ صفحہ ۹۲-۱۲)۔

۱؎ بساڑھ۔ اور بکھیرا کا قریب کا موقع جو ضلع مظفر پور میں پٹنہ کے (۲۷) میل شمالی مغرب میں واقع ہے بلاشبہ وہ مقام ہے جہاں قدیم ویسالی کا شہر آباد تھا۔ (وی۔ اے۔ سمتھ "ویسالی" جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۶۷ سے صفحہ ۲۸۰ تک)۔ دیکھو ڈاکٹر بلاک کا مضمون "اکسکویشنز ایٹ بسار" آرکی آلوجی کل اسروے رپورٹ سنہ ۱۹۰۳-۱۹۰۴ء صفحہ ۱۲۲-۸۱-۱۲۔

۲؎ لیکن اس بات کا نہ ماننا ذرا مشکل ہے کہ شمالی اودھ میں اضلاع گونڈا اور بہرائچ کی سرحد پر سہیٹھ مہیٹھ کے مقام پر جو کھنڈر پائے جاتے ہیں وہ دراصل قدیم سراوستی ہی کے ہیں۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۶۸-۱۰۶۶) یہ بات اب بھی باقی رہجاتی ہے کہ یہ جائے وقوع فاہیان اور ہیون سانگ کے سفرناموں کے مطابق نہیں۔ کیونکہ وہ اس کا موقعہ دریائے راپتی کے کنارے پر نیپال کی سرزمین میں بتاتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ سنہ ۱۸۹۸ء صفحہ ۳۱-۵۰۲ میں دکھایا ہے۔ اور نقشہ دیا ہے۔ (ایضاً سنہ ۱۹۰۰ء صفحہ ۲۴-۱) میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ بغیر کسی عذر کے یہ نہیں مان سکتا کہ دونوں جاتریوں نے غلطی کی۔ اس بیان میں سراوستی کے قریب جن چار قصبوں کا ذکر ہے ویسے ہی چار قصبے سہیٹھ مہیٹھ کے قریب بھی پائے جاتے ہیں۔ زیادہ قابل ثبوت ہے۔ ۱۲۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چھٹی قبل مسیح میں کوسل کی سلطنت کی وہی قدر و منزلت تھی جو آخر میں مگدھ کو حاصل ہو گئی۔ اور وہ شمالی ہند کی سب سے عظیم سلطنت شمار ہوتی تھی۔ اور اسی وجہ سے حریف سلطنت کے پہلو بہ پہلو اس کا ذکر بھی آتا ہے۔ ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی زمانے کے شروع ہی میں کاسی یا بنارس کی چھوٹی سلطنت کی خود مختاری سلب ہو چکی تھی۔ اور وہ کوسل کے ساتھ اس طرح ملحق ہو چکی تھی کہ اب اس کے تمام تعلقات اسی کے ساتھ وابستہ ہو گئے تھے۔ یہ مختصر سی سلطنت صرف اسی وجہ سے مشہور نہیں کہ کوسل کی عظیم الشان ہمسایہ سلطنت سے اس کا تعلق تھا۔ بلکہ اس سبب سے بھی مشہور ہے بدھ مذہب کی تاریخ میں وہ ایک سب سے پاک مقام ہے۔ اور وہ جگہ ہے جہاں بدھ نے اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی اور "دھرم کے پہیے کو گھمایا"۔

سلطنت مگدھ کے بادشاہ۔ مگدھ کی سلطنت میں بنارس اور گیا کی جو شہرت راسخ الاعتقاد ہندوؤں میں ہے اس کی وجہ سے حاصل شدہ تاریخی مواد میں کچھ بہت زیادتی نہیں ہوتی۔ یہ تمام مواد جین اور بدھ مذہب کی کتابوں سے حاصل ہوتا ہے۔ جن کو قدیم دیوتاؤں کے پوجنے والے کافر سمجھتے تھے۔ مگر پرانوں میں جو صدیوں بعد ان ہی دیوتاؤں[1] کی مدح میں تالیف ہوئیں خوش قسمتی سے مگدھ سلطنت کے جو ان کی تالیف کے زمانے کے قبل ہی سے ہندوستان کا سیاسی اور مذہبی مرکز ہو گیا تھا۔ بدھ مذہب کے اور اور بادشاہوں کی فہرست محفوظ رہ گئی ہے۔ اس طرح جین۔ بدھ اور برہمنوں کے مذہب کی یہ سب کتابیں ملکے ہم کو مگدھ۔ انگا۔ کوسل۔ کاسی اور ویسالی کی تاریخ کے بہت سے حالات سے آگاہ کرتی ہیں۔ مگر ان کے علاوہ ملک کے اور سب حصوں کے حالات بالکل تاریکی میں رہ جاتے ہیں۔

سیس ناگ خاندان پرانوں کی ان فہرستوں میں سب سے قدیم خاندان جو تاریخی

---

[1] متسیا جو سب سے قدیم پران ہے موجودہ شکل میں غالباً تیسری صدی بعد مسیح کی تالیف ہے۔ اور وایو پران چوتھی صدی کے نصف اول کی۔ ۱۲

حیثیت رکھتا ہے۔ اپنے بانی خاندان سیسناگ کے نام پر سیسناگ کے خاندان کے نام سے مشہور ہے جو

تقریباً ۶۰۰ ق م

بظاہر وہ ایک چھوٹی سی ریاست کا راجہ یا بادشاہ تھا جسمیں موجودہ زمانے کے اضلاع پٹنہ اور گیا شامل تھے۔ اس کا دارالسلطنت گیا کی پہاڑیوں کے قریب راج گیر (راج گریہ) کے مقام پر تھا۔ اس کے عہد کی تاریخ کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ سوائے اس کے کہ اس نے اپنے بیٹے کو بنارس میں چھوڑا اور راج گیر کے قریب گیر یوراج میں رہنے لگا۔ اس کے بعد کے دوسرے۔ تیسرے۔ اور چوتھے بادشاہوں کے بھی سوائے نام کے اور کچھ معلوم نہیں ہے

بم بسار تقریباً ۵۲۰ ق م

سب سے پہلا بادشاہ جس کے کچھ حالات واقعی طور سے معلوم ہیں بم بسار یا سرنیک تھا۔ اور وہ اپنے خاندان کا پانچواں بادشاہ تھا۔ اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے نیا راج گریہ قدیم قلعے کی پہاڑیوں کے سلسلے کے باہر شمال کی طرف تعمیر کرایا۔ علاوہ بریں اس نے انگا کی چھوٹی سلطنت کو جو مشرق میں آجکل کے ضلع بھاگل پور کے مقام پر واقع تھی۔ اور جس میں ضلع مونگھیر[۱] شامل تھا اپنی سلطنت کے ساتھ ملحق کر لیا۔ انگا کی سرزمین کا قبضہ مگدھ سلطنت کی اُس عظمت و شان کا جو اسے آئندہ صدی میں حاصل ہوئی پیش خیمہ تھا۔ اس طرح بم بسار کو ہم حقیقۃً مگدھ سلطنت کی عظمت کا حقیقی بانی سمجھ سکتے ہیں۔ اس نے ہمسایہ سلطنتوں کے خاندانوں میں

---

[۱] جیکوبی - انٹروڈکشن - جلد ۲۲ - ایس - بی - ای - راج گیر گیا سے شمال مشرق اور پٹنہ سے جنوب جنوب مشرق میں واقع ہے۔ ان پہاڑیوں کے دائرے کے اندر کا نہایت ہی قدیم شہر روایت کے مطابق راجہ جراسندھ نے آباد کیا تھا۔ اور کوساگار پور کے نام سے مشہور تھا۔ اس وسیع جگہ کا بہترین حال مارشل نے اینوئل رپورٹ آرکی آلوجیکل سروے آف انڈیا ۶-۱۹۰۵ء میں لکھا ہے۔ اس میں اس نے گزشتہ مطبوعات کا حوالہ بھی دیا ہے۔ اور ایک عمدہ نقشہ بھی ساتھ لگایا ہے۔ مگر اس دلچسپ جگہ پر اب تک جتنی کچھ کہ تحقیقات ہوئی ہے برائے نام ہی ہے۔ پوری کھدائی کا کام شاید کئی برس میں ختم ہوگا۔ ہندوستان کے قدیم شہروں کے مخفی رازوں کو کھولنے کی ابھی بہت کم کوشش کی گئی ہے۔ ۱۲

شادی کرکے اس نے اور بھی اپنی قوت میں اضافہ کیا۔ ایک شادی اس نے کوسل کے شاہی خاندان میں کی اور دوسری ویسالی[۱] کی زبردست لکھوی خاندان میں اس موخر الذکر شاہزادی کا بیٹا اجاتستر تھا جو کُونِک یا کونیہ بھی کہلاتا ہے۔ یہی آخر میں بم بسار کا ولی عہد مقرر ہوا۔ اگر ہمارے اسناد قابل اعتبار سمجھے جائیں تو بم بسار نے اٹھائیس برس حکومت کی۔ اور روایت ہے کہ اپنی حکومت کے آخر میں اس نے تمام شاہی طاقت کی باگ اپنے چاہیتے بیٹے کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ اور خود سلطنت سے دست کش ہوگیا۔ مگر نوجوان شہزادہ اپنے باپ کی موت کے لئے بےچین تھا۔ اور اتنا طویل انتظار نہ کرنا چاہتا تھا کہ فطرت اپنا کام آہستہ آہستہ کرے۔ نہایت قابل اطمینان شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پدرکشی کا مجرم تھا۔ اور یہ کہ اس نے اپنے باپ کو فاقہ دے کے ہلاک کرڈالا۔[۲]

دیودت

بدھ مذہب کے راسخ الاعتقاد پیروؤں کی روایات کے مطابق بدھ کے چچازاد بھائی دیودت نے اس قبیح جرم پر اجاتستر کو اکسایا تھا۔ دیودت ایک بد اندیش منتفنی اور شریر تفرقہ انداز ہونے کی وجہ سے مشہور ہے[۲]۔ مگر اس الزام کے لگانے میں یہ بھی ممکن ہے کہ مقتدایان مذہب بھی شریک ہوں۔ دیودت نے یقیناً گوتم بدھ کی تعلیمات ماننے سے انکار کردیا تھا۔ اور گزشتہ بدھوں کی تعلیمات کو مرجح سمجھکر خود ایک مذہبی فرقے کا بانی ہوگیا تھا جو ساتویں صدی عیسوی تک باقی رہا۔[۳]

---

[۱] لکھوی قوم بدھ مذہب کی کتابوں میں بہت مشہور ہے۔ جین اسکا قوم کو چھکی کہتے ہیں (جیکوبی ایس۔ بی۔ ای۔ جلد ۲۲ صفحہ ۲۶۶۔ تبتی تلفظ کے متعلق دیکھو انڈ انٹی۔ سنہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۳۳-۱۲۔

[۲] رہس ڈیوڈس کی "بدھسٹ انڈیا" صفحہ ۱۴۔ راکہل کی "لائف آف بدھ" صفحہ ۹۰ وصفحہ ۹۴-۱۲۔

[۳] فاہیان نے ان منکروں کو سنہ ۴۰۵ء میں سراوستی کے مقام پر دیکھا تھا۔ وہ کہتا ہے "دیودت کے پیروؤں کی ایک تعداد اب تک موجود ہے۔ وہ باقاعدہ طور پر گزشتہ تین بدھوں کے نام پر قربانی چڑھاتے ہیں۔ اور ساکیامنی کے نام پر نہیں چڑھاتے" (لیگ کا ترجمہ۔ سفرنامہ۔ باب ۲۲۔ اس واقعے کے متعلق تمام تراجم متفق ہیں) ساتویں صدی عیسوی میں ہیون سانگ نے

راسخ الاعتقاد لوگوں کے خیال کے مطابق فرقہ بندی بدترین گناہوں میں شمار ہوتی ہے۔ اور ہر زمانے میں مذہب کا وہ منکر جو اپنے حریف کے مقابلے میں ناکامیاب رہا ہو۔ فاتح فریق کی نگاہ میں بدترین خلایق ہو جایا کرتا ہے۔ غالبًا دیودت کے بہت سے فتنہ وفساد کی حکایتوں کی اصلی غایت یہی امر ہو۔ اور اس کے ساتھ ممکن ہے کہ اپنے مربی کو اس کے باپ کے قتل کے لئے اشتعالک دینا بھی اسی قسم کی حکایتوں میں شامل ہو۔

اس میں بظاہر کوئی شک نہیں معلوم ہوتا کہ جین مت کا بانی وردھمان مہابیر اور آخری بدھ۔ گوتم۔ جو بدھ مت کا بانی ہوا بم بسار ہی کے عہد حکومت میں مگدھ کی سلطنت میں اپنے مذاہب کی تبلیغ کر رہے تھے۔ مگر ان روایات کے سنین کو واقعات سے مطابقت دینی مشکل ہے۔[1]

مہابیر اور بدھ کی موت۔

جین مت کا بانی جو اجاتستر کی ماں کا قریبی رشتہ دار تھا غالبًا بم بسار کے عہد حکومت کے آخری زمانے میں فوت ہوا۔ اور گوتم بدھ کی موت اجاتستر کی سلطنت کے آغاز میں مہابیر کی موت کے تھوڑی مدت بعد ہی واقع ہوئی۔ یہ باور کرنے کی وجہ موجود ہے کہ بدھ کی تاریخ وفات ۴۸۷ء قم یا اس کے قریب ہے۔[1]

بدھ اور اجاتستر کی ملاقات۔

جس وقت کہ اجاتستر یا بقول جین کونک مگدھ کے تخت پر ۵۰۲ء ق م یا ۵۰۰ء ق م مسیح میں بیٹھا بدھ بلاشک وشبہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: کرسنورن۔ بنگال۔ جین۔ دیودت کے پیرووُں کی تین خانقاہیں دیکھی تھیں۔ (بیل کی ریکارڈ۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۰۱۔ لائف صفحہ ۱۳۱) دیودت کے متعلق مفصل حالات راک ہل کی لائیف آف بدھ میں ملیں گے۔ اور اسی کتاب میں اس کے فرقے کے ریاضت کے طریقے صفحہ ۸۸ میں درج ہیں۔ اشوک نے کنکمنی کے سٹوپ کی دو دفعہ مرمت کرائی اس سے یہ معلوم ہوتا ہے بدھ مذہب کو اختیار کرنے سے ان لوگوں کی کم عزت نہیں کیجاتی تھی۔ ان گذشتہ بدھوں کی تعلیمات کے متعلق کچھ زیادہ معلوم نہیں۔ ان میں سے تین دراصل آسانی تھے۔ یعنے کرکچند۔ کنکمنی اور کاسیپ۔ ۱۲ ت

[1] اختلاف سن کے متعلق دیکھو اس باب کے آخر میں ضمیمہ ج۔ ۱۲ ت

عمر رسیدہ ہو چکا تھا۔ اجاتشتر نے کم از کم ایک مرتبہ ضرور اس سے ملاقات کی۔

بدھ مذہب کی ایک قدیم کتاب میں بدھ کی اجاتشتر سے ایک ملاقات کا نہایت ہی مفصل حال محفوظ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اجاتشتر نے اپنے گناہ پر افسوس اور ندامت کا اظہار کیا۔ بدھ کو مانا اور اس نے اس کے گناہ کا کفارہ قبول کیا۔ اس حکایت کا آخری حصہ یہاں اس وجہ سے نقل کیا جاتا ہے کہ اس بدھ مذہب کے خیال کے مطابق حکومت اور مذہب کا آپس میں تعلق معلوم ہوتا ہے۔

"اور جب یہ سب کچھ وہ کہہ چکا تو راجہ اجاتشتر نے مقدس بزرگ سے کہا:" اے بزرگ آپ کا یہ ارشاد بہت بجا ہے۔ بعینہ اسی طرح جس طرح کوئی شخص گری ہوئی چیز کو پھر اس کی جگہ پر رکھ دے۔ یا پوشیدہ راز کو ظاہر کر دے۔ یا راہ گم کردہ شخص کو سیدھے راستے پر لگا دے۔ یا اندھیرے میں چراغ لے آئے تا کہ آنکھوں والے گرد و پیش کی چیزوں کو دیکھ سکیں۔ بعینہ اسی طرح اے بزرگ مقدس بزرگ نے راستی کو کئی شکلوں میں میرے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اب اے بزرگ میں مقدس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تا کہ اس کے دامن میں پناہ لوں اور سچائی اور سچے مذہب سے ہم آغوش ہو جاؤں۔ دعا ہے کہ وہ بزرگ مجھکو اپنا چیلا بنا لیں۔ ایسا چیلا جو آج کے دن سے لیکر تمام بقیہ زندگی ان ہی چیزوں کی پناہ میں گذارنا چاہتا ہے۔ اے بزرگ گناہ مجھ پر غالب آ گیا۔ چونکہ میں کمزور بے عقل اور غلط کار تھا۔ میں نے بادشاہت کیلئے اپنے پارسا باپ اور بادشاہ کو قتل کر دیا۔ دعا ہے کہ وہ مقدس بزرگ میرے اقرار جرم کو قبول فرمالیں گے۔ مجھے اپنے گناہ کا اعتراف ہے تا کہ میں آئندہ اپنے نفس کو قابو میں رکھ سکوں۔"

"اے راجہ بیشک اس کام میں گناہ تم پر غالب آ گیا۔ مگر اس لئے کہ اب تم خود اس کو گناہ سمجھتے ہو۔ اور سچائی سے گناہ کا اعتراف کرتے ہو۔ ہم اسکے متعلق تمھارے اعتراف کو قبول کرتے ہیں۔"

"کیونکہ اے بادشاہ۔ شرفا کی ریاضت کے متعلق یہ دستور ہے۔ کہ ان میں سے جو اپنے قصور کو قصور سمجھ لے اور پھر راستبازی سے اس کا اعتراف کر لے۔ وہ زمانۂ مستقبل میں اپنے نفس کو قابو میں رکھنے کے قابل ہوتا ہے۔"

"جب وہ یہ سب کچھ کہہ چکا تو اجاتستر نے کہا کہ " اے بزرگ اب میں جانے کی اجازت چاہتا ہوں۔ کیونکہ میں بہت مصروف ہوں۔ اور کام بہت زیادہ ہے۔"

" اے راجہ جو تمہارے خیال میں اچھی بات ہے کرو۔"

" تب راجہ اجاتستر مقدس بزرگ کی گفتگو سے خوش وخرم ہوکر اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور مقدس بزرگ کو سلام کر کے اس کے دست راست کی طرف سے گذرتا ہوا باہر چلا گیا۔"

" اب مقدس بزرگ نے راجہ اجاتستر کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی بھائیوں کو مخاطب کیا اور کہا کہ " اے بھائیو یہ راجہ سخت متاثر ہوا ہے۔ اور بہت غمگین تھا۔ اگر راجہ اس پارسا انسان اور پرہیزگار بادشاہ یعنے اپنے باپ کو ہلاک نہ کرتا تو اس کی راستی کی صاف شفاف آنکھ ضرور یہیں بیٹھے بیٹھے کھل جاتی۔"

" یہ تھا جو مقدس بزرگ نے کہا۔ تمام لوگ اس کی باتوں سے خوش وخرم ہو گئے۔"

اس واقعے پر رائے

مگر بھائیوں کی اس خوشی وخرمی میں شریک ہونا ذرا مشکل ہے۔ بدھ کی گفتگو میں ایسے بدترین گناہ کی ملامت کے لئے وہ زوردار اور خوفناک الفاظ نہیں ملتے جن کی اخلاق کے معلم سے امید ہونی چاہئے۔ اور ایک درباری کے طریق سے وہ بات پوری نہیں ہوتی۔ بہرحال تائب بادشاہ کی صدق دلی اور اس کے معترف ہونے کے متعلق ناظرین کا خواہ کچھ ہی خیال ہو۔ مگر بدھ مذہب کی روایتوں کے متفق ہونے سے یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ اس جرم کا ارتکاب ضرور ہوا۔ اور واقعی اجاتستر نے تخت حاصل کرنے کے لئے اپنے باپ کو قتل کیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی جب لنکا کی تاریخیں ہمیں یہ بتلائیں کہ اس کے بعد بھی اور چار پدرکش بادشاہ ایک دوسرے کے بعد تخت پر بیٹھے اور آخر میں

۱۵؎ رہیس ڈیوڈس نے سامنا پھالا سُترا سے ترجمہ کیا۔ (ڈائیلوگس آف بدھ ۱۸۹۹ء صفحہ ۹۴) اسی سُترا کا تبتی ترجمے کا راک ہل نے ترجمہ کیا ہے۔ (لائف صفحہ ۹۵)۔ یہ ملاقات بھرہت کے ستوپ پر منقش بھی ہے۔ (دیکھو کننگھم کی " سٹوپا آف بھرہت" صفحہ ۱۶۔ اور رہیس ڈیوڈس کی "بدھسٹ انڈیا" صفحہ ۱۳۔ تمثیل ۲) - ۱۲ ؞

چوتھے کو اس کے وزیر نے خود اس کے رعایا کی مرضی کے موافق تخت سے اُتار دیا۔ تو ان واقعات کا ماننا باوجود اسکے کہ بعینہ اس قسم کے واقعات پارتھیا کی تاریخ میں ملتے ہیں۔ بالکل ناممکن ہو جاتا ہے[1]۔

کوسل کے ساتھ جنگ۔ وہ جرم جس سے کہ اس نے تخت حاصل کیا۔ قدرتی طور پر کوسل کے راجہ کے ساتھ ایک جنگ کا سبب ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اس راجہ کی بہن یعنے بم بسار کی ملکہ نے اپنے شوہر کے غم میں جان دے دی۔ جنگ میں قسمت نے کبھی ایک فریق کا ساتھ دیا اور کبھی دوسرے فریق کا۔ اور ایک موقع پر کہا جاتا ہے کہ اجاتستر قید ہو کر اپنے دشمن کے دار السلطنت میں بھیج دیا گیا تھا۔ آخر میں صلح ہو گئی۔ اور کوسل کی ایک شہزادی مگدھ کے راجہ سے بیاہی گئی۔ اس جنگ کے تمام واقعات تاریکی میں ہیں۔ کیونکہ وہ مختلف حکایتوں میں اس طرح پوشیدہ ہیں کہ ان سے ان کا نکالنا بالکل ناممکن ہے۔ مگر غالباً اجاتستر نے کوسل کے بادشاہ پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ بہرحال یہ یقینی ہے کہ اس کے بعد کوسل کی خود مختار سلطنت کا پھر کبھی ذکر نہیں آتا۔ اور چوتھی صدی قبل مسیح میں وہ صریحاً مگدھ کی سلطنت کا ایک جزو قرار پا جاتی ہے۔

ویسالی کی فتح۔ کوسل کی ذلت سے اس کی فتوحات کی حرص پوری نہ ہوئی اور اب اجاتستر نے دریائے گنگا کے شمالی حصے کو جسے آجکل ترہٹ کہتے ہیں۔ فتح کرنے پر کمر باندھی۔ اس میں اس وقت لکھوی قوم آباد تھی جو بدھ مذہب کی روایتوں میں بہت مشہور رہی ہے۔ اور جو غالباً تبتی نسل سے ہے۔ اسی قوم کا اس علاقے میں دور دورہ تھا۔ یہ حملہ بالکل کامیاب ثابت ہوا۔ لکھوی قوم کا پائے تخت

---

[1] مہاوس۔ باب چہارم۔ پارتھیا کے بادشاہوں کے نام حسب ذیل ہیں۔ اور وڈ جیس۔ فرائیٹس چہارم۔ فرائیٹس پنجم۔ جنوبی بہار کی مقامی جین روایات اس کو پدر کشی کا مرتکب نہیں سمجھتیں۔ اور اس کی عہد حکومت کے متعلق کہتی ہیں کہ "اس نے ملک پر اسّی سال اپنے باپ کے قوانین کے مطابق حکومت کی" جو جین مذہب کا تھا۔ اور بھاگلپور وغیرہ میں بہت سی عمارتوں کا بانی ہوا ہے۔ انڈین انٹی کویری جلد ۳۱ (۱۹۰۲) صفحہ ۷۱۔

فتح ہوگیا۔ اور اس طرح اجاتشترا اپنے نانا کی سلطنت کا مالک ہوگیا[۹۱]۔ یہ فرض کیا جا
ہے کہ اس فتح کے بعد بھی فاتح نے دم نہیں لیا بلکہ پہاڑوں کے دامن تک کا تمام
زیر کرلیا۔ اور یہ کہ اس وقت سے دریائے گنگا اور ہمالیہ کے درمیان کا تمام علا
مگدھ سلطنت کے ماتحت ہوگیا؛

پاٹلی پتر کی بنا۔ فاتح نے پاٹلی گاؤں کے مقام پر دریائے سون اور گنگا
سنگم پر اپنی حریف لکھوی قوم کو قابو میں رکھنے کے
ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ اسی قلعے کے زیر پناہ ایک شہر کی بنیاد اس کے پوتے اُدّ
نے ڈالی۔ اس طرح جو شہر آباد ہوا تھا مع دوسری بستیوں کے جو مختلف زمانوں میں
اس کے قریب پیدا ہوگئیں کسمپور۔ پشپپور یا پاٹلی پتر کے ناموں سے مشہور ہو
اور اس نے بتدریج شان و شوکت اور وسعت میں اس قدر ترقی کی کہ موریا خاندا
کے زمانے میں وہ نہ صرف مگدھ بلکہ تمام ہندوستان کا دارالسلطنت بن گیا[۹۲]؛

ساکیا کا قتل عام پہلے بیان ہوچکا ہے کہ بدھ جاتشتر کے عہد حکومت میں
فوت ہوا۔ اور بقول جہاوِمس کے جو اور تفصیلوں کے

[۹۱] جین روایتوں کے مطابق اجاتشتر کی ماں چلنا نامی۔ ویسالی کے راجہ چیتک کی بیٹی تھی۔ (د
جیکوبی انٹروڈکشن۔ ایس۔ بی۔ ای جلد ۲۲) تبتی کتاب دُلو کے مطابق اس کی ماں کا نام واسوی تھ
اور وہ گوپالی کی بھتیجی تھی۔ (راک ہل۔ لائف آف دی بدھ صفحہ ۶۳) - ۱۲؛

[۹۲] کسمپور اور پشپپور دونوں نام مترادف ہیں۔ یعنے "گلزار شہر"۔ پاٹلی کے معنے ایک قسم کے پھول
ہیں۔ اس قلعے کا تمام حال بدھ مذہب کی کتاب "آزار عظیم" (مہاپارستان) میں درج ہے
جس کے تبتی ترجمے کا خلاصہ راک ہل نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔ (صفحہ ۱۲۷) اُدّیا
شہر تعمیر کرنے کا حوالہ وایو پران میں ملتا ہے۔ اشوک نے پاٹلی پتر کو باقاعدہ پائے تخ
مقرر کرلیا۔ مگر اس کے دادا چندرا گپت کے زمانے میں ہی جب مگستھنیز اس کے در
میں آیا اس کو بادشاہ کی سکونت کا شرف حاصل ہوچکا تھا۔) ہیون سانگ۔ بیل
ریکارڈ۔ جلد دوم۔ صفحہ ۸۵)۔ مختلف بادشاہوں کے پائے تخت غالباً ایک ہی جگ
واقع نہ تھے۔ ۱۲؛

قابل اعتبار نہیں۔ یہ واقعہ اس کی حکومت کے آٹھویں سال میں واقع ہوا[۹۱]۔ اس کی موت کے کچھ عرصے قبل اس کے وطن کپل وستو کو کوسل کے راجہ ورُودھک نے فتح کیا اور روایت کے مطابق بدھ کی قوم ساکیا کا نہایت بے دردی سے قتل عام کرایا۔ اور یہ تمام واقعات اس قدر خوارق عادات کی حکایتوں سے بھرے ہوئے ہیں کہ اسکی تفصیل پورے یقین کے ساتھ معلوم نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ تمام رنگ آمیزی ضرور ہے کہ واقعات ہی پر ہوئی ہو۔ اور ہم یہ مان سکتے ہیں کہ واقعی ساکیا کی قوم نے ورُودھک کے ہاتھوں بہت مصیبت اُٹھائی تھی[۹۲]۔

ایرانی فتوحات

اگر سنین و تواریخ کا وہ سلسلہ جو اس کتاب میں استعمال کیا گیا ہے تقریباً صحیح ہو تو بھی بم بسار اور اجاتشتر دارا گشتاسپ شاہ ایران کے (جس نے ۵۲۱ق م سے ۴۸۵ق م تک حکومت کی) ہمعصر سمجھے جا سکتے ہیں۔ دارا ایک نہایت ہی لایق بادشاہ تھا۔ اور اس نے اپنے افسروں کو مختلف مہموں پر روانہ کر کے ایشیا کے ایک بڑے حصے کو چھان ڈالا۔

تقریباً ۵۰۰ق م

ان ہی میں سے ایک مہم ۵۱۶ق م کے بعد روانہ کی گئی تا کہ دریائے سندھ کے دہانے اور ایران کے درمیان بحری راستہ دریافت کرے۔ اس کے امیر البحر سکایلکس نے جو کیریا کے ایک

۹۱۔ تبتی کتابوں کے مطابق بدھ اجاتشتر کی جس نے ۳۲ سال حکومت کی۔ حکومت کے پانچویں سال فوت ہوا۔ (راک ہل۔ لائف آف دی بدھ۔ صفحہ ۹۱ و صفحہ ۲۳۳)۔ مگر یہ تمام بیانات خواہ سیلون کی کتابوں میں پائے جائیں۔ اور یا دوسری کتابوں میں قابل اعتبار نہیں ہو سکتے۔ ۱۲۔

۹۲۔ یہ حکایت بدھ مذہب کی ہر ایک کتاب میں پائی جاتی ہے۔ رہس ڈیوڈس (بدھسٹ انڈیا صفحہ ۱۱) نے پالی کتابوں کے حوالے دئے ہیں۔ کپل وستو کے جائے وقوع۔ اور کھنڈرات کے متعلق دیکھو مکرجی اور وی۔ اے سمتھ کی کتاب "انٹی کوئیٹیز ان دی ترائی۔ نیپال" (کلکتہ سنہ ۱۹۰۱ء) یہ دراصل آرکی آلوجیکل سروے۔ رپورٹ۔ امپیریل سیریز کی جلد ۲۶ کا حصہ اول ہے۔ اور ہیسٹنگس کی انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس۔ ۱۲۔

قصبۂ کرینڈا کا رہنے والا تھا۔ گندھار کے علاقے میں پنجاب کے دریاؤں پر جہازوں کا ایک بیڑا تیار کرایا۔ اور وہاں سے بحر ہند کو عبور کرتا ہوا۔ تیسویں مہینے میں بحیرۂ قلزم میں داخل ہوا۔ اس عجیب و غریب سفر کے تمام حالات بالکل ضائع ہو گئے ہیں۔ مگر یہ معلوم ہے کہ اس امیرالبحر نے جو خبریں اثنائے سفر میں جمع کیں وہ ایسی تھیں جن پر عمل کرکے دارا نے دریائے سندھ کے میدانوں پر قبضہ کر لیا۔ اور اپنے جہاز بحر ہند تک پہنچا دیئے۔ چنانچہ دارا کی فوج میں ہندی تیر اندازوں کا دستہ سب سے زیادہ قابل سمجھا جاتا تھا۔ اور وہ پلاٹیا کے مقام پر مارڈونیس کی شکست میں شریک تھا۔ (۴۷۹ ق م)۔

ہندی ستراپی ہندوستان کا مفتوحہ حصہ ایک علیحدہ بیسویں ستراپی (یا صوبہ) بنایا گیا۔ اور وہ تمام ایرانی سلطنت میں سب سے زیادہ دولتمند اور آباد صوبہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کا خراج ۳۶۰ تیلنٹ سونا۔ یا ۱۰۸۵ ہنڈرڈ ویٹ تھا۔ جو انگریزی سکے کے ایک ملین کے برابر ہوتا ہے۔ یہ خراج ایرانی سلطنت کے تمام ایشیائی صوبوں کے خراج کا ایک تہائی حصہ تھا۔ اگرچہ اس وقت اس صوبے کے صحیح حدود کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ مگر ہم کو یہ معلوم ہے کہ وہ ایریا (ہرات) اراکوسیا (قندھار) اور گندھیر یا (شمالی مغربی پنجاب) کے علاقے نہ تھے۔ اور اس لئے وہ دریائے سندھ کے گرد کا علاقہ ہوگا۔ یعنے کالاباغ سے سمندر تک کی تمام زمین جس میں تمام سندھ اور شاید دریائے سندھ کے مشرق میں پنجاب کا ایک بڑا حصہ تھا۔ لیکن اس زمانے کے دو سو برس بعد جب سکندر نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ تو دریائے سندھ ہندوستان اور سلطنت ایران کے درمیان حد فاصل تھا۔ اور سندھ اور پنجاب پر بیشمار ہندی راجہ حکمران تھے[1]

[1] سکائلکس کا بحری سفر (ہیرو ڈوٹس جلد چہارم۔ صفحہ ۴۴)۔ کتاب "پیریپلس" جو سکائلکس کے نام پر منسوب ہے اگرچہ حقیقت میں ۳۳۸ اور ۳۳۵ ق م میں لکھی گئی لیکن اس میں ہندوستان کا ذکر نہیں۔ (دیکھو میلر کی جغرافیہ یونان جلد اول۔ صفحہ ۱۱۔ اور صفحہ ۹۔ ۱۵۶)۔ پکٹین کے ملک کے شہر کس پے ٹائی روس کو جہاں سے سکائلکس نے اپنا سفر شروع کیا۔ ہیکاٹائس نے

زمانۂ قدیم میں دریاؤں کے راستے آج کل کے راستوں سے بالکل مختلف تھے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- ملک گندھر کاکس پے پیروس بیان کیا ہے۔ اس شہر کا موقعہ معلوم نہیں ہو سکتا اور اس وجہ سے یہ کہنا مشکل ہے کہ شہر کا اصلی نام کیا ہے۔ گندھر موجودہ ضلع پشاور اور گرد و نواح کے تھوڑے سے علاقے کا نام تھا۔ کس پے ٹائی روس یا کس پے پی روس کا کشمیر سے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کوئی تعلق نہیں۔ (دیکھو سٹائن کی راج ترنگنی۔ ترجمہ جلد دوم صفحہ ۳۵۳) ستر پیوں کے متعلق دیکھو ہیرو ڈوٹس جلد سوم صفحہ ۱۰۶ — ۸۸ خصوصاً صفحہ ۹۴۔ ایوبک تیلنت کا وزن ۵۷٫۶ پاؤنڈ ہوتا تھا۔ اس طرح ۳۶۰ تیلنت = ۲۰٫۷۳ پاؤنڈ۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ایک آؤنس چاندی کی قیمت ۵ شلنگ (یعنے ایک ساورن کا چوتھائی حصہ) یا چار ساورن فی پاؤنڈ ہو گی۔ اور چاندی اور سونے میں ۱۳ : ۱ کی نسبت ہو گی تو ۳۶۰ تیلنت ۱٫۰۷۸٫۲۷۲ ساورن ہونے چاہئیں۔ اور ایوبک تیلنت کا وزن بجائے ۷٫۸ کے ۷۰ منی قرار دیا جائے تو وہ ہیرو ڈوٹس کے بیان کے مساوی نکلے گا۔ ۳۶۰ سونے کے تیلنت ۴۶۸۰ چاندی کے تیلنت کے برابر ہونگے۔ تمام ایشیائی صوبوں کا خراج بھی شامل تھا جس میں افریقہ کا چھوٹا سا صوبہ لیبیا۔ چاندی کے وزن میں ۷٫۶۰۵۴ ا تیلنت تھا۔ (دیکھو کننگھم کی کتاب ہندوستان قدیم کے سکہ جات صفحہ ۱۲ — ۱۴ — ۲۶ — ۳۰ ½

۵۱۶؁ ق م کے بہستان کے کتبے میں ہندوستان ایرانی سلطنت کے صوبوں میں شامل نہیں۔ مگر اصطخر اور نقش رستم کے کتبوں کی فہرستوں میں شامل ہے۔ موخر الذکر کتبہ جو دارا کی قبر پر کندہ ہے سب سے زیادہ مفصل ہے۔ (دیکھو رالنسن کی کتاب ہیرو ڈوٹس جلد دوم صفحہ ۴۰۳۔ حاشیہ۔ اور جلد چہارم صفحہ ۲۰۷ و ۱۷۷)۔

دارا کی فوج میں ہندوستانی دستے کے حال کے لئے جو روئی کے کپڑے پہنے تھا اور بید کی کمانوں اور بید ہی کے تیر جن میں لوہے کے پیکان تھے مسلح تھا دیکھو ہیرو ڈوٹس جلد ہفتم صفحہ ۶۵۔ ہندوستانی سپاہیوں میں لوہے کا ۴۸۰؁ ق م میں استعمال قابل ذکر ہے۔

اور پنجاب اور سندھ کے وہ وسیع قطعے جو آج کل ویران اور غیر آباد پڑے ہیں کسی زمانے میں سرسبز و شاداب تھے[1] یہی بات اس خراج کی عظیم تعداد کو سمجھانے کے لیئے کافی ہے جو سلطنت ایران کو اپنے بیسویں صوبے سے وصول ہوتا تھا۔

تقریباً ۴۷۵ق م درسک۔

جب اجالتستر کی خونخوار زندگی ختم ہوگئی تو پرانوں کے بیان کے مطابق اس کا بیٹا درسک نامی اس کا جانشین ہوا۔ اور اس کے بعد اس کا بیٹا اُودَیا[2] تخت پر بیٹھا۔ بدھ مذہب کی کتابیں غلطی سے درسک کے درمیانی نام کو حذف کر جاتی ہیں۔ اُودَیا کو اجالتستر کا جانشین اور بیٹا بتلاتی ہیں۔ مگر درسک کے وجود اور اس کے راجہ مگدھ ہونے کا ثبوت بھاس کے ڈراما واسودت کے دریافت سے ملتا ہے جو شاید تیسری صدی بعد مسیح میں لکھا گیا۔ اور جس میں درسک کا ذکر ہے کہ وہ وتس کے راجہ اُدیان۔ اور اونتی کا اجین کے راجہ مہاسین کا ہمعصر تھا۔[3]

---

[1] دیکھو ریورٹی کا مضمون سندھ کا دریائے مہران اور اُس کے معادن۔ (ج۔ اے۔ ایس۔ بی۔ ۱۸۹۲ء حصہ اول خصوصاً صفحہ ۳۰۱۔ ۳۱۱۔ ۳۴۰۔ ۳۶۱۔ ۳۷۵۔ ۳۷۷۔ ۴۳۵۔ ۴۸۹) ۱۲۔

[2] اُودیا کا نام پرانوں میں مختلف طرز پر لکھا ہے۔ مثلاً اُدین۔ اُدیاسو۔ وغیرہ۔ بدھ مذہب والے اسے اُدَمی بھدّا (اُدیسی بھدّرکُ) کہتے ہیں۔ اور اسے اجالتستر کا بیٹا بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ پرانوں کے مطابق وہ اجالتستر کا پوتا تھا۔ (دیکھو مہاونس باب ۴۔ ڈبلو۔ راک ہل کی کتب سوانح بدھ صفحہ ۹۱۔ اور رہس ڈیوڈس کی کتاب مکالمات (۱۸۹۹ء صفحہ ۶۸) وایو پران میں اُدَیا کا پاٹلی پترا "اپنی سن جلوس کے چوتھے سال میں کسم پور کے دریائے گنگا کے جنوبی کنارے پر آباد" کرنے کا ذکر ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کسم بہت پرانا شہر یعنے کسمپور دریائے گنگا کے کنارے پر واقع تھا۔ اور زمانہ مابعد کے دارالسلطنت پاٹلی پتر سے بہت دور تھا۔ جو سون کے کنارے پر واقع تھا۔ ۱۲۔

[3] مہاسین کی بیٹی راجہ اُدیان کی ملکہ تھی۔ جس کی سلطنت بعینہ کوسامبی کا علاقہ تھی۔ راجہ درسک کی بہن پدماوتی تھی۔ اور اونتی کے راجہ پرادیوت مہاسین کے بیٹے کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے بیٹے کے لیئے اس کی خواہش کی تھی (جیکوبی۔ ترجمہ واسودت

اُدیا وغیرہ تقریباً سنہ ۵۰۰ قم

اُدیا کی حکومت قیاساً سنہ ۵۰۰ قم میں شروع ہوئی۔ اسکے متعلق صرف یہی روایت ہے کہ اس نے پاٹلی پتر یا زیادہ صحیح طور پر کسمپور کو تعمیر کرایا۔

۴۔ ۴۱۷ قم

پرانوں کی فہرستوں کے مطابق اس کے جانشین نندِ وردھن اور مہانندن ہوئے۔ ان کے صرف نام ہی نام معلوم ہیں۔ اور کچھ اور حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ ان کا طولانی عہد حکومت۔ یعنی نندِ وردھن کی چالیس یا بیالیس سال اور مہانندن کے تینتالیس سال۔ جو مجموعاً تراسی یا پچاسی برس کی مدت ہے۔ بظاہر غلط نہیں ہوسکتی۔ خاندان کے آخری بادشاہ مہانندن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک شودر یا پنچ ذات کی عورت سے اس کا ایک بیٹا مہاپدم نند نامی تھا۔ اس نے تخت کو غصب کر لیا اور اس طرح نند خاندان کا بانی ہوا۔

سنہ ۳۷۲ قم

یہ واقعہ غالباً سنہ ۳۷۲ قم ہو سکتا ہے۔

نند خاندان۔

اس مقام پر پہنچ کے ہماری تمام سندیں فہم اور اعتبار کے قابل نہیں رہتیں۔ پرانوں کے مطابق نند خاندان نے صرف دو پشت حکومت کی جس میں ایک مہاپدم تھا جو اٹھاسی برس حکمراں رہا۔ اور اس کے بعد اس کے آٹھ بیٹے جنھوں نے مجموعی طور پر صرف بارہ سال حکومت کی۔ اور جن میں سے پہلے کا نام سُکلپ تھا۔ جس کا نام مختلف طور پر لکھا جاتا ہے[۱]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- جو علوم کے بین الاقوامی ماہواری رسالے میں شایع ہوا ہے۔ مارچ سنہ ۱۹۱۳ء) اس بات سے یہ پتہ لگتا ہے پران کی فہرستیں مہاوَمس کے پراگندہ اور پریشان بیانات سے کہیں زیادہ وقعت رکھتی ہیں۔ مگر پروفیسر جیکوبی مہاوَمس کو "بلا کم و کاست ترجیح دینے میں بالکل تامل نہیں کرتے"۔ فاضل پروفیسر کہتے ہیں "پرانوں میں اجاتستر اور اُدیاں کے درمیان ایک بادشاہ درسک وغیرہ کا نام مذکور ہے۔ اور یہ ایک صریح غلطی ہے۔ پالی کتاب میں صاف طور پر بیان کیا گیا ہے اُدیبی بھدر اجاتستر کا بیٹا اور غالباً اس کا جانشین بھی تھا۔ (ترجمہ مہاوَمس سنہ ۱۹۱۲ صفحہ klii اور XIV) مگر بدقسمتی سے یہ صاف بیانی اکثر جگہ غلط ہے "۔ ۱۲

[۱] پرانوں کے بعض قلمی نسخے مہاپدم کی حکومت کو صرف اٹھائیس سال بتاتے ہیں۔ مگر بظاہر

اس طرح یہ فرض کیا جاتا ہے کہ ان دو پشتوں نے سو برس حکومت کی جین مذہب والے اور بھی زیادہ عقل سے بے بہرہ معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس خاندان کا زمانۂ حکومت ۱۵۵ برس بتلاتے ہیں۔ ان کے بعد بدھ مذہب والوں کی کتابیں مہاونس۔ دیپاونس۔ اور اسوکا ودان ایسی متضاد اور پریشان حکائتیں بیان کرتی ہیں جن کا ذکر تک کرنا بالکل بیکار ہے۔ اس سے تمام حالات پر اور زیادہ تاریکی چھا جاتی ہے۔ "نوننددن" کی تاریخ کو اس طرح تمام روایات میں خراب کرنے کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔ مگر اس وقت اس وجہ کے متعلق کسی قسم کا خیال ظاہر کرنا بھی مشکل ہے۔

یونانی بیانات یونانی اور رومی مورخین نے ہندوستان کے متعلق تمام معلومات مگزتھنیز یا سکندر کے ساتھیوں سے حاصل کیئے تھے۔ اور اس طرح ہم ان کو ایسی ہمعصر شہادت مان سکتے ہیں جنھوں نے دوسرے کی باتیں بیان کی ہوں۔ یہ لوگ حقیقی تاریخ پر تھوڑی بہت روشنی ڈالتے ہیں جب سکندر دریائے ہائے فے سس پر آکر ۳۲۶ ق م میں رک گیا ہے تو ایک ہندی راجہ بھگل یا بھگیل نے اسے بتایا اور پورس نے اس کی تصدیق کی گنگیردی اور پارسی قوم کا بادشاہ جو دریائے گنگا کے کنارے پر حکمراں تھا۔ اور اس کا نام جہاں تک کہ یونانی ان غیر مانوس الفاظ کو ادا کر سکتے تھے زندرامس یا اگرامیس تھا۔ اس راجہ کے متعلق مشہور تھا کہ اس کی فوج میں (۲۰۰۰۰) سوار (۲۰۰۰۰۰) پیادے (۲۰۰۰) رتھیں (۳۰۰۰) یا (۴۰۰۰) ہاتھی شامل تھے۔ کیونکہ بلاشک وشبہ پارسی قوم کا پائے تخت پاٹلی پتر میں تھا۔ اس لیئے یہ تمام خبریں جو سکندر کو دی گئیں صرف مگدھ کے راجہ کے متعلق ہوسکتی ہیں۔ اور مگدھ کا یہ بادشاہ ضرور دیسی روایتوں کے مطابق نند خاندان کا کوئی نہ کوئی راجہ ہوگا[۱]۔ اس بیان کے مطابق راجہ اپنے مظالم اور اپنے کمینہ پن کیوجہ سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ اس بات پر سب متفق ہیں کہ خاندان نے کل سو برس حکومت کی ۔۱۲۔

[۱] کرٹیس۔ باب نہم فصل دوم۔ اصلی کتاب کے نام پھگیلس کو بھگل سلوین لیوی کے بیان کے مطابق پڑھا گیا ہے (جرنل ایشیاٹک ۱۸۹۰ء صفحہ ۲۳۹) شمالی ہند میں بھگیلو نام اب بھی سننے میں آتا ہے۔ گنگرڈی اور پارسی اقوام کے نام بعض نسخوں میں بہت بگڑ گئے ہیں۔ (میک کرنڈل۔ اسکندر۔ حاشیہ Dd و Le) ۔۱۲۔

بہت ہی بدنام تھا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ ایک حجام کا بیٹا ہے۔ جس نے شاہی خاندان کے آخری بادشاہ کی ملکہ کے ساتھ تعلق پیدا کیا تھا۔ اور بالآخر بادشاہ کو قتل کر کے۔ اسکے بیٹوں کا سرپرست بننے کے بہانے سے ان پر قبضہ کیا اور آخر تمام شاہی خاندان کے افراد کو قتل کر کے تخت حاصل کر لیا۔ اس کے بعد اس کا ایک بیٹا پیدا ہوا جو سکندر کے حملے کے وقت برسر حکومت تھا۔ اور "اپنے باپ کے آبائی پیشے سے زیادہ مناسبت رکھنے کی وجہ سے اپنی رعایا میں نہایت حقیر و ذلیل تھا"[1]

ہندی روایات

یہ حکایت پرانوں کے اس بیان کی تصدیق کرتی ہے کہ نند خاندان کی ابتدا مشتبہ تھی۔ اور اس کی صرف دو پشتوں نے حکومت کی۔ سب سے قدیم پران میں نند خاندان کے پہلے بادشاہ مہاپدم کا ذکر اس طرح کیا جاتا ہے کہ "قسمت نے اس کی یاوری کی۔ اور اس کے حکمراں ہونے سے چھتری یعنے اعلیٰ ذات کے بادشاہوں کی حکومت ختم ہوگئی۔ اور نیچ ذات یعنے شودروں کی سلطنت کا آغاز ہوا" کتاب مہاونس جس میں نند خاندان کے آخری بادشاہ کو "دھن" یعنے "دولت" کا خطاب دیا ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پہلے نند کو حریص اور لالچی ہونے کا الزام لگا رہی ہے۔ چینی جاتری ہیون سانگ بھی نند خاندان کے راجہ کو بہت دولتمند بیان کرتا ہے[2]

---

[1] اگرانیس (کرٹیس باب نہم فصل دوم) نزدرامس ڈائوڈورس باب ۱۷ فصل ۹۳) اس حکایت کے متعلق تمام ہندی اور یونانی روایتوں کو ایچ۔ایچ ولسن نے مدراراکشس کے دیباچے میں جمع کر دیا ہے۔ (تھیئٹر آف دی ہندوز۔ جلد دوم صفحہ ۱۵۰-۱۱۹) ورہت کتھا۔ اور مکنزی کے قلمی نسخے کی حکایتیں۔ محض کہاوتیں ہیں۔ ۱۲۔

[2] پاٹلی پترا کے پانچ ستوپ جو اشوک کے نام سے منسوب ہیں ایک اور روایت کے مطابق نند خاندان کے راجہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اسکے خزانے سمجھے جاتے ہیں۔ (بیل۔ جلد دوم صفحہ ۹۴) مدراراکشس ایکٹ اول میں چانکیا نند کی "حریص روح" کا نہایت حقارت سے ذکر کرتا ہے۔ ۱۲۔

خلاصہ

تمام حالات کو خیال میں رکھ کے ہم تقریباً پوری صحت کے ساتھ یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ نند خاندان کی ابتدا واقعی پنچ ذات سے ہوتی ہے۔ کہ اس نے اصلی بادشاہ کو قتل کر کے سلطنت حاصل کی۔ اور صرف دو پشتوں تک اس پر قابض رہے۔ ان غاصبوں کی فوجی قوت کی عظمت جس کا ثبوت یونانی شہادت سے ملتا ہے۔ دراصل بم بسار۔ اور اجا تستر کی فتوحات کا نتیجہ تھی۔ جس کو ان کے جانشینوں نے بھی بظاہر جاری رکھا۔ مگر نند خاندان کی سلطنت کی حدود کا صحیح اندازہ نہیں لگ سکتا۔ اور نہ ان کے سنین کا تعین صحت اور یقین کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ یہ یقینی ہے کہ دو پشتیں ایکسو پچاس برس تک قائم نہیں رہیں۔ اور قرینہ ہے کہ وہ سو برس تک بھی نہ رہی ہونگی۔ بہر حال ان کی صحیح مدت کا تعین ناممکن ہے[۱]۔ پچاس برس کا زمانہ زیادہ قرین قیاس سمجھ کے اُس کو سنین کے سلسلے میں جگہ دیگئی ہے۔ کیونکہ سو برس کی مدت کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

چندر اگپت موریا کا عروج۔

"نو نند" خواہ وہ کوئی رمز ہو۔ اگر تعداد ان کی بلاشبہ نو تھی تو اس میں شک نہیں کہ ان کے آخری بادشاہ کو۔ چندراگپتا موریا نے جو اس خاندان کا شاہزادہ ناجائز تعلق سے تھا تخت سے اُتار کے قتل کیا[۲]۔ اس روایت کا ماننا کسی طرح دشوار نہیں کہ اس انقلاب میں معزول بادشاہ کے

---

[۱] بادشاہوں کے دو پشتوں کا طویل ترین زمانے کا ذکر اڑیسہ کی تاریخ میں پایا جاتا ہے۔ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے کہ چوڑ گنگ نے سک سن کے ۹۹۸ سے ۱۰۶۹ تک حکومت کی تھی۔ جو تقریباً ۱۰۷۶ء سے ۱۱۴۷ء تک کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس کے چار بیٹوں نے جو یکے بعد دیگرے اس کے جانشین ہوئے ۱۱۹۸ء تک حکومت کی۔ ان پانچ بادشاہوں اور دو پشتوں کی حکومت کا زمانہ (۱۲۲) برس ہوتا ہے (دیکھو ایم۔ ایم۔ چکراورتی "سنین مشرقی گنگ شاہان اڑیسہ" جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ حصۂ اول۔ جلد ۲۔ ۱۹۰۳ء)

[۲] کالنگا کے جین بادشاہ سری کھارویل مہامیگھ واہن کے ادیا گری کے کتبے میں نند راجہ کا دو دفعہ ذکر آتا ہے۔ یہ کتبہ جو بدقسمتی سے بہت ناقص ہے اس بادشاہ کے عہد حکومت کی تاریخ ہے۔ جس نے اپنے جلوس کے دوسرے سال ساتاکنی (اندھر بادشاہ) کے علی الرغم مغرب کی طرف ایک فوج

تمام عزیز تہ تیغ کیے گئے۔ کیونکہ مشرق میں ایسے انقلاب بغیر بے انتہا خونریزی کے نہیں ہوتے۔ علاوہ بریں یہ بیان بھی ناقابل اعتبار نہیں کہ غاصب پر تمام شمالی قوتوں نے جن میں کشمیر بھی شامل تھا۔ متحد ہو کر حملہ کیا تھا۔ اور یہ حملہ چندرا گپتا کے میکولی قسم کے وزیر کی سازشوں کی وجہ سے بالکل ناکام رہا۔ اس وزیر کا نام مختلف طور پر چانکیا۔ کوٹلیا۔ یا وشنو گپتا بیان کیا جاتا ہے۔ مگر تفصیل کے متعلق ہم کو اپنی صرف واحد سند پر اعتماد کرنا مناسب نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ ڈراما واقعات مذکورہ سے صدیوں بعد کا لکھا ہوا ہے۔ اسی طرح ان عجیب و غریب حکایتوں کا اعادہ بالکل فضول ہوگا جو زیادہ تر دنیا کی عام کہاوتوں میں شامل ہیں۔ اور مختلف کتابوں میں ہو بہو مذکور ہیں۔ اور اُن میں یہ بیان ہے کہ ہندوستان کے پہلے شاہنشاہ چندرا گپتا کی پیدائش اور جوانی کے زمانے میں بہت سے خوارق عادات ظہور میں آئے ہیں[۵۱]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ روانہ کی۔ اور پانچویں سال میں پانی کے اُس راستے کی مرمت کی جو نند راجہ یا راجاؤں کے وقت سے (۱۰۳) برس سے بالکل استعمال نہ ہوا تھا۔ نند راجہ کے متعلق دوسرا حوالہ ذرا مجمل سا ہے۔ (۱۰۳) برس کا ذکر ہی سنین کے متعلق بڑا اہم امر ہے۔ اس کے سوا اس کتبے میں اور کوئی تاریخ نہیں پائی جاتی۔ اس کتبے کا نہایت ہی قابل اطمینان بیان پروفیسر لیوڈرس نے ایپی گریفیکا انڈیکا جلد دہم ضمیمہ صفحہ ۱۶۶ میں " فہرست کتبہائے براہمی " کے مقام پر کیا ہے۔ اس نے گذشتہ شرحوں اور ترجموں کا بھی حوالہ دیا ہے۔ اگر ہم ۳۲۲ سنہ ق م نند خاندان کی آخری تاریخ فرض کر لیں تو کھارویل کا پانچواں سن جلوس (۱۰۳) برس بعد یعنے ۲۱۹ سنہ ق م میں ہوگا اور اس کی تخت نشینی کی تاریخ ۲۲۳ سنہ ق م قرار پائیگی۔ اس طرح ساتاکنی اس وقت برسر حکومت ہوگا؛

سر جی۔ گیر رسن سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ نند خاندان کے راجہ برہمنوں کے سخت دشمن مشہور تھے۔ اور اسی وجہ سے سنین کے شمار میں بارھویں صدی عیسوی میں چاند شاعر نے ان کی مدت حکومت کو سنین کے شمار میں داخل نہیں کیا۔ اس نے "اننند" (یعنے بغیر نند) بکرم سنین کا استعمال کیا جو معمولی حساب سے نوے۔ یا اکانوے سال کم ہوتا ہے۔ نند کا لفظ معلوم ہوتا ہے کہ "نو" کے مرادف کے طور پر استعمال ہوا تھا۔ (۹۰ ۔ ۱۰۰ ۔ ۹۱) ۔ ۱۲ ۔

[۵۱] مدرا راکشس کے ڈرامے میں اس انقلاب کا نہایت ہی مفصل اور دلچسپ حال موجود ہے۔ علماء کا خیال تھا کہ یہ ڈراما ساتویں صدی عیسوی کا ہے (ریپسن ۔ جے ۔ آر ۔ اے ۔ ایس۔ سنہ ۱۹۰۰ء۔

چندر اگپت کی تخت نشینی

مگدھ کے تخت پر اس کا سن جلوس بالکل صحت کے ساتھ ۳۲۲ سنہ ق م قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس زمانے میں مگدھ کے راجہ کی سلطنت وسیع تھی۔ اور یقینی طور پر اس میں ان قوموں کے علاقے شامل تھے جنھیں یونانیوں نے پارسی۔ گنگریڈی لکھا ہے۔ اور غالباً کوسل۔ ترہوت یا شمالی بہار۔ اور بنارس کی سلطنتیں بھی اس کے ساتھ ملحق تھیں۔ پاٹلی پتر کے اس انقلاب سے تین یا چار برس پہلے سکندر اعظم طوفان برق و باد کی طرح پنجاب اور سندھ میں سے گزرا تھا۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت چندراگپتا جو بالکل جوان تھا عظیم الشان مقدونی سے ملا تھا[۱]۔ بہر حال یہ حکایت خواہ صحیح ہو یا غلط۔ اور میرے نزدیک اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اتنا یقینی ہے کہ ۳۲۳ سنہ ق م میں سکندر کی وفات کے بعد جو فتنہ و فساد برپا ہوا اس نے نوجوان چندراگپتا کو اپنے لیئے ہاتھ پیر مارنے کا موقع دیا۔ وہ پردیسیوں کے برخلاف دیسی بغاوت کا سرغنہ ہو گیا۔ اور بہت سی مقدونی افواج کو برباد کیا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ صفحہ ۵۴) جیکوبی نے یہ دیکھکر کہ بعض قلمی نسخوں میں چندراگپتا کے بجائے اونتی ورمن شاہ کشمیر کا نام مندرج ہے یہ خیال ظاہر کیا تھا۔ یہ اسی بادشاہ کے سامنے ۲۔ دسمبر سنہ ۸۶۰ء کو دکھایا گیا تھا۔ (وائنا اورنٹیل جرنل۔ جلد دوم سنہ ۱۸۹۸ء صفحہ ۲۱۲) مگر ہلبرنٹ۔ سپیر۔ اور ٹانی اس کو بہت قدیم مانتے ہیں۔ اور ان کا یقینی خیال ہے پنچ تنتر کے قدیم ترین نسخے اور بھرتری ہری سے جو ۶۵۱ سنہ ء میں فوت ہوا۔ یہ کتاب زیادہ قدیم ہے۔ یہ رائے ظاہر کی گئی ہے کہ ممکن ہے کہ ڈراما چندرگپت ثانی کے زمانے میں ۴۰۰ سنہ ء کے لگ بھگ لکھا گیا ہو۔ میں پروفیسر ہلبرنٹ سے متفق ہوں کہ مصنف نے "اپنے ڈرامے کو بہت کچھ صحیح اور اصلی درباری روایتوں پر مبنی کیا ہے"۔ ٹانی کے بیان کے متعلق دیکھو جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ سنہ ۱۹۰۸ء صفحہ ۹۱۰-۱۲۔

[۱] پلوٹارک۔ سوانح سکندر باب (۶۲)۔ پلوٹارک کے الفاظ یہ ہیں:۔ اندراکوٹس جو اس وقت بالکل جوان تھا۔ خود سکندر سے ملا۔ اور بعد میں کہا کرتا تھا کہ سکندر بڑی آسانی سے تمام ملک پر قبضہ کر سکتا تھا۔ کیونکہ راجہ کی رعایا اسکی فطرتی ظلم و جور اور اسکی کمینہ اصل کی وجہ سے اس سے متنفر تھی۔ اور اسے حقیر سمجھتی تھی۔ (ملک کرنڈل۔ ترجمہ)۔ ۱۲۔

ہماری سندوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاہی نند خاندان کی بربادی دریائے سندھ کی پرولیوں کے علاقے کے حملے سے پہلے واقع ہوئی۔ یہ انقلاب ایک لمحے میں کامل نہیں ہوا۔ کیونکہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تمام منزلیں اور مرحلے طے کرنے میں کم سے کم ایک سال گذرا ہوگا۔ جب تمام مخالفت کا بزور شمشیر یا دھوکہ اور فریب سے خاتمہ ہوگیا۔ تو چندرا گپتا عین ایام شباب میں تمام شمالی ہند کا بادشاہ بن کر نمودار ہوا۔ مگر قبل اس کے کہ ہم چندرا گپتا اور اس کے ان جانشینوں کے حالات بیان کریں جو مگدھ کے تخت پر بیٹھے۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم "فلپ کے جنگجو بیٹے" کے ہندی حملے کی تاریخ بیان کردیں ﴿

ضمیمہ ت

سنین خاندانہائے سیس ناگ و نند

امور متعینہ اگرچہ ممکن الحصول مگر متفرق روائتی مواد سے سیس ناگ اور نند خاندانوں کے سنین کا تعین صحت کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ مگر پھر بھی میں یہ خیال کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ یہ ممکن ہے کہ صحت کے قریب تر درجہ حاصل کرلیا جائے۔ وہ متعینہ امر جس سے کہ گذشتہ زمانے کا حساب لگایا جاسکتا ہے چندرا گپتا موریا کا سن جلوس یعنے ۳۲۲ء ق م ہے جو یقیناً بالکل درست ہے۔ یا غلطی کا امکان صرف تین سال کے اندر محدود ہے۔ دوسرا امر متعینہ سیس ناگ کے دس بادشاہوں کی فہرست ہے جو پرانوں یعنے متسیا اور وایو کے قدیم ترین تاریخی سندوں میں ملتی ہے۔ ان کی صحت کا ثبوت چند اور شہادتوں سے بھی ہوتا ہے۔ تیسرا امر بدھ کا اغلب ترین سن وفات ہے ﴿

عہد حکومت کی مدت۔ اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ سیس ناگ کے خاندان میں دس بادشاہ ہوئے۔ لیکن پرانوں نے اس خاندان کے عہد حکومت کی بہ حیثیت مجموعی یا انفرادی طور سے جو مدت قرار دی ہے وہ

وہ ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ تجربے سے ثابت ہوتا ہے کہ طولانی سلسلے میں ایک پشت کے لئے پچیس سالہ اوسط شاذونادر ہی حاصل ہوتی ہے۔ یہ اوسط اور بھی زیادہ اس وقت شاذ ہو جاتی ہے جب کہ ہم ایک پشت کی جگہ مختلف عہود حکومت پر نظر رکھیں۔

تاریخ انگلستان میں دس بادشاہوں یعنے چارلس ثانی سے لیکر ملکہ وکٹوریہ تک کا عہد حکومت اگر چارلس ثانی کو ہم اس کے باپ کی موت ہی سے بادشاہ قرار دے لیں تو ۱۶۴۹ء سے ۱۹۰۱ء تک صرف ۲۵۲ برس کا ہوتا ہے۔ اِس میں ملکہ وکٹوریہ اور جارج ثالث کی طولانی حکومتیں بھی شامل تھیں۔ اس لئے ۲۵۲ برس کی اوسط کو بڑی سے بڑی مقدار قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور آگے جو سیس ناگ کے خاندان کا عرصۂ حکومت زیادہ سے زیادہ ۲۵۲ برس ہی ہو سکتا ہے۔ پرانوں کی تعداد یعنے (۳۲۱) (متسیا کی) اور (۳۳۲) (دایو کی) جو مختلف بادشاہوں کے عہد حکومت کو جمع کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس قابل ہے کہ اسکو بلا تامل ناممکن قرار دے کر رد کر دیا جائے۔ متسیا کا بیان ان الفاظ پر ختم ہوتا ہے۔ "یہ دس سیس ناگ (خاندان) کے بادشاہ ہوں گے بیس (۳۶۰) برس تک جاری رہیں گے اور چھتریوں کے بادشاہ رہیں گے"۔ مسٹر پر گیٹر تجویز کرتے ہیں کہ (۳۶۰) کے بجائے (۱۶۳) پڑھا جائے۔ اگر یہ تاویل قبول کر لی جائے تو ہر ایک بادشاہ کی حکومت کا اوسط ۱۶٫۳ پڑتی ہے۔ اس حالت میں بدھ کو (سن وفات تقریباً ۴۸۷ء ق م) بمبسار اور اجاتسترو کا ہمعصر ثابت کرنا ناممکن ہوگا۔ مگر بہرحال یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ یہ خاندان دو صدیوں سے زیادہ قائم رہا۔

سن کی پیشیر حدود جیسا کہ نفس کتاب میں بیان ہوا ہے نند خاندان کی دو پشتوں کے لئے (۱۰۰) یا (۱۵۵) برس کی مدت جو روایتاً مذکور ہے۔ قابل تسلیم نہیں۔ دفع الوقتی کے لئے پچاس برس قرین عقل مدت قرار دیجا سکتی ہے۔ اس طرح سیس ناگ اور نند خاندانوں کے لئے مجموعاً (۳۰۲) (۵۰+۲۵۲) برس کی مدت قرار پاتی ہے۔ اور سن متعینہ (۳۲۲ء ق م) سے پیچھے کی طرف شمار کرنے سے ۶۲۴ء ق م کا سن پہلے بادشاہ سیس ناگ کے لئے سب سے قدیم تاریخ تسلیم کیجاتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اصلی تاریخ شاید یا ضرور اس کے کچھ بعد ہوگی۔

کیونکہ یہ بالکل خلاف قیاس ہے کہ بارہ حکومتوں (یعنے دس سیس ناگ اور دو نندوں) کی اوسط (۱۶ یا ۲۵) برس ہو۔

قرین قیاس اصلی عہود حکومت۔

پانچویں اور چھٹے بادشاہ بم بسار یا سرینک۔ اور اجاتستر یا کونک کی عہد حکومت اس وجہ سے اچھی طرح یاد رہیں کہ ان میں تاریخ مذہب کے متعلق محاربے اور معرکے پیش آئے۔
اس لیئے ہم فرض کر سکتے ہیں کہ ان حکومتوں کے زمانے کی تعداد کم و بیش صحت کے ساتھ یاد رہی ہو گی۔ اور اس طرح ہم وایو اور متسیا کی اس شہادت کو قبول کرنے میں حق پر ہیں کہ بم بسار نے اٹھائیس برس حکومت کی تھی۔
اجاتستر کا عہد حکومت مختلف پرانوں میں پچیس یا ستائیس سال اور تبت اور لنکا کی بدھ مذہب کی روایتوں میں بیس برس بتایا گیا ہے۔ میں سب سے قدیم پران یعنے متسیا کی فہرست کی صحت کو مان کر اس کی مدت حکومت کو ستائیس سال قرار دیتا ہوں۔ درسک کا اصلی وجود (جس کو متسیا نے غلطی سے وَنشَسک لکھا ہے) بھاس کے ڈرامے "واس وَدَت" سے ثابت ہو چکا ہے۔ متسیا کی فہرست کے مطابق اس کا عہد چوبیس سال کا قرار دیا جا سکتا ہے۔ اودیا جس کا ذکر بدھ مذہب کی کتابوں میں آتا ہے۔ اور جس کے متعلق روایت ہے کہ اس نے پاٹلی پتر کو تعمیر کیا پرانوں میں اس کا عہد حکومت بتیس برس کا قرار دیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے۔
وایو اور متسیا نویں اور دسویں بادشاہوں کے لیئے ایک دوسرے کے بعد پچاسی اور تراسی برس کا عرصہ قرار دیتی ہیں۔ مگر یہ اعداد خلاف قیاس ہیں۔ اور یہ بھی خلاف قیاس ہے کہ ان دو حکومتوں نے پچاس برس سے زیادہ کا زمانہ لیا ہو۔ اس لیئے (۴۹) کے عدد کو صحیح تسلیم کیا گیا ہے۔
جہاں تک شہادت سے ثبوت ملتا ہے۔ اور در اصل یہ ثبوت کچھ قوی نہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آخری حکومتوں کی مدت طبعی عدد سے بہت زیادہ تھی۔ اس لیئے ہم فرض کر سکتے ہیں کہ شروع کی چار حکومتیں جن کے متعلق ہم کو کچھ علم نہیں متقابلتہ قلیل مدت کی تھیں۔ اور مجموعی طور پر ستّر یا اسّی برس سے زیادہ نہ ہونگی۔

اگر فرض کر لیں کہ یہ حکومتیں بھی طولانی تھیں تو خاندان کی مجموعی مدت جس کے آغاز کا سن سنہ ۶۰۰ ق م یا اس سے ذرا قبل تھا بے طرح زیادہ ہو جاتی ہے۔

مہاویرا اور گوتم کی روائتی سنین۔

بہت سی مفصل روایتوں کے موجود ہونے سے جو محض لاتینی حکایتیں ہی نہیں۔ یہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ مہابیر۔ جین مت کا بانی اور گوتم بدھ ایک بہت زمانے تک ایک دوسرے کے ہمعصر رہے تھے۔ اور بمبسار اور اجاتستر کے معاصر تھے۔[۱]

روایتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مہابیر بدھ سے پہلے فوت ہوا تھا۔ ان دونوں بانیان مذہب کی موت ہندوستان کی تاریخ مذاہب کے نہایت ہی روشن زمانوں کا آغاز ہے۔ اور مذہبی مصنفین سنین کے ظاہر کرنے کے لئے انکے برابر حوالے دیتے ہیں۔ اس لئے یہ امید کی جاسکتی تھی کہ ان دونوں واقعات کے روایتی سنین فوراً خاندانی سنین کا پتہ اور سراغ دیں گے۔ مگر متضاد روایتوں پر غور کرنے سے مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ مہابیر کی وفات کا سب سے زیادہ مشہور سن یعنی ۵۲۷ سنہ (۵۲۶-۵۲۷ سنہ) ق م۔ محض بہت سے روایتی سنین میں سے ایک ہے۔[۲]

---

[۱] جیکوبی۔ مقدمہ ایس۔بی۔ای۔ جلد ۲۲-۴۵۔ کونیا (اجاتستر کی ملاقات کا ذکر جین کتاب "اُواسگ دَسَاؤ" صفحہ ۹ میں (ببلوتھیکا انڈکا مصححہ و مترجمۂ ہارنل)۔ اور بدھ مذہب کی کتاب ڈلوبیں (راگ ہل۔ سوانح بدھ صفحہ ۱۰۴) میں پایا جاتا ہے۔ یہ حوالے ڈاکٹر ہارنل نے براہ عنایت مجھے بتلائے ہیں۔ ۱۲۔

[۲] برگیس۔ انڈین انٹی کویری۔ جلد دوم صفحہ ۱۳۹۔ ہارنل (انڈ۔ انٹی۔ جلد ۲۰۔ صفحہ ۳۶۰) جین کی متضاد سنین پر بحث کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ اگرچہ ڈگمبر اور سوتیامبر دونوں فرقے مہاویر کی موت کے واقعے کو ۶۰۵ سنہ قبل بکرمی کے بتلاتے ہیں۔ جس کا سن ۵۸ سنہ ق م میں شروع ہوا۔ مگر فرقہ ڈگمبر بکرم کی پیدائش سے اور سوتیامبر اس کے سن جلوس سے اپنی تاریخوں کا شمار شروع کرتے ہیں۔ کتابوں میں معلوم ہوتا ہے کہ ۵۵۱ سنہ یا ۵۴۳ سنہ یا ۵۲۷ سنہ ق م۔ روایتی تاریخ مانی جاسکتی ہے۔ جین کے سنین کے متعلق دیکھو۔ انڈ۔ انٹی۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۶۳ + جلد ۹۔ صفحہ ۱۵۸ + جلد ۱۱ صفحہ ۲۴۵ + جلد ۱۳ صفحہ ۲۷۹ + جلد ۲۱ صفحہ ۵۷ + جلد ۲۳۔ صفحہ ۱۶۹۔ خاص طور پر اس

اور یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ جین روایات کو آپس میں یا چندر اگپتا کی تقرری کی صحت کے ساتھ دریافت شدہ تاریخ کو کسی طرح مطابقت دیجا سکے۔

سن وفات۔ بدھ ۴۸۷ء۔

بدھ کی وفات[1] کے واقعے کی تاریخ کا اختلاف اس قدر ہے کہ وہ شمار نہیں ہو سکتا۔ مگر تین بالکل مستقل دلیلوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تقریباً صحیح تاریخ ۴۸۷ء یا ۴۸۶ء قم ہے:

(۱) نقطوں سے شمار کا دفتر جو کینٹن میں ۴۸۹ء تک رکھا گیا ہے۔ اس سن تک (۹۷۵) نقطے ظاہر ہوتے ہیں۔ یعنی ۴۸۹ - ۹۷۵ = ۴۸۶ کے (ٹکلس۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ ۱۹۰۵ء صفحہ ۵۱)

(۲) سوانح وسُبندھ کے مصنف پرمارتھ نے ورش گن۔ اور وندھیا واسس دو مبلغوں کا موجود ہونا۔ جو دراصل پانچویں صدی عیسوی میں زندہ کے۔ نروان کے دس صدی بعد بتلایا ہے۔ (۴۸۷+۴۱۳ = ۹۰۰)+

(۳) ختن کی روایت کی ایک صورت دھرم اسوک کا بدھ کے نروان کے ۲۵۰ برس بعد واقع ہونا بیان کرتی ہے۔ اور اس کو چینی شاہنشاہ شی۔ ہانگ۔ ٹی۔ سدِ چین (جس کو دیوار قہقہہ کہتے ہیں) کے بانی کا ہمعصر بتلاتی ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ بیان پر غور کرو کہ سَنبھو تبجدر مہاویر نویں جانشین مہاویر کے ۲۱۵ یا ۲۱۹ برس بعد اس سن میں فوت ہوا جس سال کہ چندر اگپتا نے نند کے آخری بادشاہ کو قتل کیا۔ (انڈ۔ انٹی۔ جلد ۱۱ صفحہ ۲۴۶) میرتُنگ نے پشیامتر کو جو تقریباً ۱۸۵ء قم میں تخت پر بیٹھا مہاویر کے بعد ۳۲۳ سے ۳۵۳ء تک حکمران بتلایا ہے۔ (دیکھو ویبر کی سیکرڈ لٹریچر آف دی جینز صفحہ ۱۳۳-۱۲۰)۔

[1] بدھ کی وفات کے مختلف سنین جو چینی جاتریوں اور دیگر اسناد سے نقل ہوئے ہیں۔ اسقدر بیشمار اور عام ہیں کہ ان کا اعادہ فضول ہے۔ ڈاکٹر فلیٹ ایک زمانے میں ۴۸۲ء ق م کے متعلق یہ سمجھتے تھے (۱) کہ یہ تاریخ جہاں تک کہ ہم اس کو حاصل کرتے ہیں سب سے زیادہ قرین قیاس اور تشفی کے قابل ہے۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۶ء صفحہ ۶۶۷) اب بظاہر ہر ایک اس بات پر متفق ہو گیا ہے کہ یہ واقعہ ۴۸۷ء اور ۴۸۶ء ق م میں ہوا۔ اس کے برخلاف۔ لنکا کی روائتی تاریخ یعنی ۵۴۴ء یا ۵۴۳ء ق م کو اب کوئی

یہ شاہنشاہ ۲۳۶ قم میں تخت پر بیٹھا۔ ۲۳۱ قم "بادشاہ عالم" ہوگیا۔ ۲۱۰ قم تک حکومت کی۔ (سرت چندرا داس۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ حصۂ اول ۱۸۸۶ء صفحہ ۳۰۲ ۔ ۱۹۳) [1]

امور جو اس طرح حاصل ہوئے۔

اگر یہ فرض کر لیں کہ بدھ ۴۸۷ قم کے قریب مرا ہے تو اس کا لابدی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اجاتشترو نے اس سال سے قبل حکومت کرنی شروع کی۔ اور اس طرح سیس ناگ کے خاندان کے سنین کے لئے ٹھیک اور معینہ مواد مل جاتا ہے۔

پروفیسر گیگر کے خیالات۔

میں نے پروفیسر گیگر کے مہاومس کے ترجمے کے مقدمے کو نہایت غور سے پڑھا ہے۔ مگر مجھے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ میں معاملات زیر بحث کے متعلق اپنی رائے کو بدلوں۔ درسک حالات سے مہاومس کے قدیم ہندی راجوں کی فہرست کا مقابلہ پرانوں کی فہرستوں سے کم حیثیت ہونا ظاہر ہو گیا ہے۔ میں اب بھی کالاسوک کو باور نہیں کرتا۔ وہ روایات جو مگدھ کے علاقے میں محفوظ رہیں ہر حال میں ان روایات سے زیادہ قابل اعتبار ہیں جو ایک مدت بعد دور و دراز کے ملک لنکا میں چند راہبوں نے جمع کی ہوں۔

موریا کے قبل کے بادشاہوں کے سنین کا صحت کے ساتھ تعین ناممکن ہے۔ مندرجۂ ذیل نقشہ میں ان کے نام اور سلسلے کو جیسا کہ متسیا اور وایو قدیم پرانوں کی فہرستوں میں پایا جاتا ہے صحیح تسلیم کر لیا گیا ہے۔ مگر ان کی حکومت کی مدت پر کسی قسم کا اعتماد نہ کرنا چاہیئے۔ ان میں بعض ممکن ہے کہ صحیح ہوں۔ مگر چند کے متعلق یقین ہے کہ وہ غلط ہیں۔



تقبیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: تسلیم نہیں کرتا۔ ۴۸۳ قم کو اب ڈاکٹر فلیٹ اور پروفیسر گیگر ترجیح دیتے ہیں۔ ۱۲۔

[1] تبتی روایات کی دوسری صورتیں سرت چندرا داس اور راک ہل (سوانح بدھ صفحہ ۲۳۳ یا صفحہ ۲۳۷) نے بیان کی ہیں۔ ۱۲۔

سنین۔ (قرین قیاس) خاندان ہائے سیس ناگ و نند

نمبر شمار	اسماء بادشاہاں (متسیا پران)	مدت حکومت (متسیا پران)	قرین قیاس سن جلوس	کیفیت
	خاندان سیس ناگ		ق۔م	
۱	سیس ناگ	۴۰ } ۱۲۶	۶۰۲ ؁	
۲	کاک ورن	۲۶	--	ان کے متعلق کچھ حال معلوم نہیں۔
۳	کشیمہ دھرمن	۳۶	--	
۴	کشیمجت (یا کشتراجس)	۲۴	--	
۵	بمبسار	۲۸	تقریباً ۵۳۰ ؁	نیا راج گرہ تعمیر کرایا انگا پر قبضہ کیا۔ مہاویر اور بدھ کا ہمعصر تھا۔
۶	اجاتشتر	۲۷	،، ۵۰۲ ؁	پدر کش۔ بدھ کی وفات ۴۸۷ ؁ ق م پاٹلی پترا کا قلعہ تعمیر کیا۔ کوسل اور ویسالی سے جنگ۔
۷	درشک	۲۴	،، ۴۷۵ ؁ ق م	دیکھو بھاس کا "واسودتا"
۸	اُداسن یا اُدے یا	۳۳	،، ۴۵۱ ؁	کسمپور کو شہر پاٹلی پتر کے قریب آباد کیا۔
۹	نندی وردھن	۴۰ } ۸۳	۴۱۸ ؁ (؟)	ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ مدت حکومت غالباً کم تھی۔ ۶۴ برس لگائے گئے ہیں۔
۱۰	مہانندن	۴۳		
	میزان	۳۲۱	تقریباً ۲۳۰	
	اوسط	۳۲٫۱	۲۳٫۰	متسیا۔ ۳۶۰ یا ۳۶۲ برس (؟) (برگیٹر صفحہ ۶۹) اس خاندان کے لئے مقرر کرتا ہے۔
	خاندان نند:۔			
۱۱ ۱۲	مہاپدم وغیرہ تعداد نو + دو پشت	۱۰۰	[illegible] ؁ ق م	۵۰ برس اندازہ۔
	موریا خاندان			
۱۳	چندرا گپتا	۲۴	۳۲۲ ؁ ق م	

باب سوم

سکندر کی ہندوستان پر فوجکشی، پیش قدمی

سکندر اعظم نے باختر کو زیر نگیں کرنے کے بعد کارناموں میں ڈائیو منی ساس۔ ہرکلیس۔ اور سیمیرس کے ساتھ ہمسری کرنے بلکہ ان سے سبقت لے جانے کے دلی مقصد کو ہندوستان پر حملہ کرکے پورا کرنا چاہا۔ ۳۲۷ ق م کے موسم بہار کے آخر میں جب آفتاب کی تمازت نے برف کو کافی طور پر پگھلا دیا تھا تو سکندر نے اپنی فوج کے ساتھ جس میں شائد ۵۰ یا ۶۰ ہزار یوروپین سپاہی تھے۔ کوہ ہندوکش یا ہندی کوہقاف کے دہنوں خاوک اور کوشاں کو قطع کیا۔ اور دس روز کے سخت تکلیف دہ کوہستانی سفر کے بعد وہ اس سرسبز میدان میں نمودار ہوا جو اب کوہ دامن کے نام سے مشہور ہے[1]۔

یہاں پر اس سے دو سال قبل باختر پر فوجکشی کے وقت۔ اس نے ایک شہر کی بنا ڈالی تھی۔ اور حسب معمول اس کا نام اسکندریہ رکھا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مجوزہ حملے کے وقت وہ فوجی چوکی کا کام دے سکے۔ اس شہر کا عامل جس کی حکومت ناکام ثابت ہوئی تھی برطرف کیا گیا۔ اور نکنور جو بادشاہ کے ندیم پارمے نین کا بیٹا تھا اس کی جگہ مقرر ہوا۔ گرد و نواح کے اضلاع سے اور لوگوں کو جمع کرکے

---

[1] ایرین کے قول کے مطابق یہ اپریل کے آخر یا مئی کے اوائل کا زمانہ تھا۔ دروں کی شناخت کیلئے دیکھو ہولڈچ کی "رپورٹ آف پامیر باؤنڈری کمیشن" صفحہ ۳ و ۲۹ + انڈیا آفس کے نقشۂ ہندوستان کے مطابق درۂ خاوک کی بلندی ۱۳۲۰۰ فٹ ہے۔ اس فوج کی تعداد جس کے ساتھ سکندر نے ہندوکش کو قطع کیا۔ معلوم نہیں۔ پلوٹارک کا بیان ہے (اسکندر۔ باب ۶۶) کہ وہ (۱۲۰۰۰) پیادے اور (۱۵۰۰۰) سواروں کے ساتھ داخل ہوا۔ ممکن ہے کہ درست ہو اور ممکن ہے کہ غلط ہو۔ بہرحال اس میں تاویل کی گنجایش ہے۔ ۱۲۔

آبادی بڑھائی گئی۔ شہر کی مقیم فوج میں ان سپاہیوں کو شامل کر کے اس کو اور مضبوط کیا گیا۔ جن کا آیندہ حملے میں ساتھ لے جانا بالکل بیکار معلوم ہوا[۱]

نیکیا

اس طرح حسب معمول احتیاط کے ساتھ اسکندریہ کی اہم جگہ کو جو تینوں کوہستانی راستوں کی نگہبانی کے لیئے کافی تھی قابو میں لانے کے بعد ان دروں اور دریاے کوفین یا کابل کے درمیانی علاقے کے انتظام کیلئے ٹائی ریسپیز کو صوبہ دار مقرر کیا۔ اس طرح جب سکندر کو اطمینان ہو گیا کہ اس کا آمد و رفت کا راستہ بالکل محفوظ ہو گیا ہے تو وہ اپنی فوج کے ساتھ نیکیا نامی شہر کی طرف بڑھا۔ جو کابل سے ہندوستان کے راستے پر موجودہ جلال آباد کے مغرب میں واقع تھا[۲]

جون یا جولائی ۳۲۷ ق م ہے فی اسٹئان اور پرڈکس

یہاں پر بادشاہ نے اپنی فوج کی تقسیم کی ۔ ہے فی اسٹئان اور پرڈکس دو جنرلوں کو حکم دیا گیا۔ کہ وہ تین پیادہ دستوں۔ آدھے رسالے اور جملہ تنخواہ دار سپاہیوں کو لے کر سیدھے ہندوستان کی طرف روانہ ہو جائیں۔ اون کو حکم تھا کہ دریاے سندھ کا راستہ لیں اور پیوکیلوٹس پر قبضہ کر لیں جو اس علاقے میں واقع ہے جس پر آجکل یوسف زئی کا قبضہ ہے۔ قیاس غالب یہ ہے کہ وہ

---

[۱] اس کو اسکندریہ "زیر کوہ قاف" "پروپنی سڈیٹی" کہتے ہیں۔ تاکہ اس کو اس نام کے اور شہروں سے تمیز کیا جا سکے۔ اس کا اصلی موقعہ معلوم نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ ممکن ہے کابل کے شمال میں تیس میل پرے اسکے موقعہ پر آجکل اوپین یا ہوپین کے کھنڈر چار کر پر ہوں پہلے اس کو بامیان سمجھے تھے وہ غلط ہے۔ (میک کرنڈل۔ انویشن آف انڈیا بائی اسکندر دی گریٹ۔ دوسری ایڈیشن صفحہ ۵۸۔ اور نوٹ A۔ کننگھم اینشنٹ جیاگرفی آف انڈیا صفحہ ۲۶-۲۱۔ خان شوارز نے اس اسکندریہ کو کابل سمجھا ہے۔ (سکندر دس گراسن فلڈ زوگ ان ترکستان صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۱ و ۹۴) ۱۲۔

[۲] میک کرنڈل نے نیکیا کے موقعے کے متعلق تمام مخالف رایوں کو جمع کر دیا ہے (دیکھو کتاب مذکورہ حاشیہ گزشتہ۔ نوٹ بی) میں یہاں جنرل ایبٹ کی راے کو مانتا ہوں۔ کیونکہ وہ بالکل صحیح لکھتا ہے کہ جلال آباد ہی وہ مقام ہے جہاں قدرتی طور سے فوج کی تقسیم ہو سکتی ہے بعض مقامی امیر مثلاً سلاطین خرخ اپنے آپکو سکندر کی اولاد میں ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں۔ (ریورٹی۔ نوٹس آن افغانستان صفحہ ۵۱-۴۸) ۱۲۔

بجائے درۂ خیبر کے دریائے کابل کی وادی میں ہو کے گذرے ہونگے[1]۔

اگست ۳۲۷ ق م دیسی حکمرانوں کا طریق عمل۔

بہت سے قبائل کے سرداروں نے اطاعت قبول کرنا پسند کیا۔ مگر ایک ہستی نام سردار نے مقابلے کی جرأت کی۔ اس کا قلعہ جس نے تیس روز تک دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ مفتوح ہونے کے بعد برباد کر ڈالا گیا۔ مشرق کی طرف سفر کے اثناء میں ہے فی استئان اور پرڈکس کے ہمراہ دریائے سندھ کے پار کے عظیم الشان شہر ٹکسلا کا راجہ بھی تھا جس نے فوراً سکندر کی دعوت کو قبول کیا۔ اور حملہ آور کے سامنے اپنی تمام امدادی قوت پیش کردی۔ دریائے سندھ کی مغربی جانب کے سرداروں نے بھی یہی طریق عمل اختیار کیا۔ اور ان مقامی سرداروں کی مدد سے مقدونی جنرل اس قابل ہو گئے کہ دریائے سندھ پر پل باندھنے کا کام جو بادشاہ نے ان کے سپرد کیا تھا جلد ختم کرلیں۔

اگست ستمبر ۳۲۷ ق م سکندر کا یکطرفہ کوچ۔

سکندر نے فوج کے دوسرے حصے کی کمان خود اپنے ہاتھ میں لی جس میں پیادہ جو ہائی پس پسٹ کے نام سے مشہور تھا۔ پیادہ سپاہی اگرینین یا تھریسین ہلکے ہتھیاروں سے مسلح پیادہ فوج۔ تیر انداز۔ سوار۔ اور تمام خلاصے کی سوار فوج شامل تھی۔ اس فوج کے ساتھ اس نے دریائے کابل کے شمال کی دشوار گذار پہاڑیوں میں سے ایک ایک جانب محفوظ رکھنے کے لئے کوچ کا کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ تاکہ وہ اس علاقے کی ان وحشی قوموں کو جو اُس زمانے میں اور اب بھی وہاں آباد ہیں محکوم کرلے۔ اور اس طرح آمد و رفت کے ذرائع بھی محفوظ ہو جائیں۔ اور فوج کے

---

[1] قدیم راستہ درۂ خیبر میں سے نہ گذرتا تھا (دیکھو ہولڈچ کی انڈین بارڈر لینڈ سنہ ۱۹۰۱ء صفحہ ۳۸)۔ فوشے کے "قدیم گندھرا کی جغرافیہ پر نوٹ" (ہنوئی سنہ ۱۹۰۲ء۔ رسالہ انجمن فرانسیسی برائے زبانہائے مشرق بعید) درۂ خیبر کا راستہ غالباً ایک دفعہ محمود اور یقیناً چند مرتبہ بابر اور ہمایوں کام میں لائے۔ اٹھارھویں صدی میں نادر شاہ۔ احمد شاہ ابدالی۔ اور اس کا پوتا شاہ زماں سب درۂ خیبر سے گذر کر ہندوستان میں داخل ہوئے (ریورٹی کی نوٹس آن افغانستان صفحہ ۳۷ و ۳۸) ۱۲۔

پہلو اور پشت کی طرف سے حملے کا خطرہ بھی نہ رہے۔ اس تمام کام کی مشکلیں جو ملک کی ناہمواری۔ موسم گرما کی سخت گرمی۔ موسم سرما کی برف باری اور خود ان قبائل کی جنگجوئی سے پیدا ہوتی تھیں۔ بہت سخت تھیں۔ مگر ہر مشکل سکندر کی ہمت اور اُسکی قابلیت کے مقابلے میں ہیچ تھی۔[1]

اس کے راستے کی تفصیل معلوم نہیں

اگرچہ اس کی تمام نقل و حرکت کا صحت کے ساتھ پتہ لگانا۔ یا ان قبیلوں کا نام قرین قیاس صحت کے ساتھ بتلانا جن سے کہ اس کا مقابلہ ہوا۔ یا ان قلعوں کے نام گنوانا جن کو اس نے اپنے پانچ ماہ کوچ کے زمانے میں فتح اور برباد کیا قطعی ناممکن ہے۔ مگر یہ یقینی ہے کہ اس نے دریائے کونر یا چترال کے کنارے ایک بڑے فاصلے تک سفر کیا تھا۔ ان ہی پہاڑیوں میں ایک گمنام شہر کے مقام پر اس کے شانے میں برچھے سے زخم آیا۔ اور اس واقعے نے اس کے سپاہیوں کو ایسا برافروختہ کردیا کہ انھوں نے تمام قیدیوں کا قتل عام کیا اور شہر کو مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا۔[2]

---

[1] اس تمام احتیاط کی جنوبی راستے کے لئے ضرورت نہ تھی کیونکہ وہاں پہاڑیاں "ایسی نہیں کہ جنگ جو جتھوں کی گنجایش ہو" (ہولڈچ۔ دی گیٹس آف انڈیا صفحہ ۹۵)۔ ۱۲۔

[2] قیاسی شناخت شدہ قوموں اور جگہوں کے ناموں کی ایک فہرست بیلو کی کتاب "ایتھنوگرافی آف افغانستان" صفحہ ۶۷ - ۶۴ (ووکنگ سنہ ۱۸۹۱) میں ملیگی۔ کننگھم اور دوسرے مصنفوں کے خیالات بھی بالکل تشفی بخش نہیں ہوتے۔ میں مسٹر ینگوٹ سے اس بات میں متفق نہیں کہ شمال میں سکندر چترال تک پہنچا ہوگا (جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۸۹۴ صفحہ ۶۸۱) مگر بالفعل یہ ناممکن ہے کہ اُس جگہ کا صحیح پتہ لگایا جائے جہاں سے وہ مشرق کی طرف پھرا اور پہاڑوں کے پار باجور میں داخل ہوا۔ بہر حال یہ یقینی ہے کہ اس نے دروں کی راہ اختیار کی تھی۔ جن میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوتا اور انھیں میں سے ہو کے باجور کے علاقے میں داخل ہو سکتے ہیں۔ ریورٹی دیسی خبروں کی بنا پر باجور میں داخل ہونیکے دو راستے بیان کرتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ سکندر باجور میں مشرقی راستے سے ہو کر داخل ہوا ہو جس پر کہ کوز دھانی گاؤں آباد ہے۔ اور جہاں سے دو راستے ہو جاتے ہیں۔ ایک چترال کو جاتا ہے اور دوسرا باجور کے پایۂ تخت شہر کو (ریورٹی کی کتاب کے نوٹ صفحہ ۱۱۸ - ۱۱۲)۔ ۱۲۔

فوج کی دوسری تقسیم۔

اس افسوس ناک واقعے کے بعد سکندر نے اپنی فوج کو پھر تقسیم کیا۔ اور کریٹروس کو جو اس کا سب سے زیادہ وفادار ملازم تھا۔ اور جسے وہ اپنے مثل ہی سمجھا کرتا تھا۔ پیچھے چھوڑا کہ دریائے کونر کے میدان کے قبائل کو مطیع کرے۔ اور خود بادشاہ چیدہ سپاہ لے کر اسپیسین قوم کے مقابلے کو روانہ ہوا۔ جنکو خونریز جنگ کے بعد اس نے شکست دی[1]

باجور میں داخلہ

اس کے بعد پہاڑوں کو قطع کرتا ہوا وہ اُس میدان میں داخل ہوا جس کو آجکل باجور کہتے ہیں۔ جہاں اسے ایک شہر آیر یگیان ملا جس کو اس کے باشندوں نے جلا کر ویران چھوڑ دیا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ شہر باجور کے موجودہ صدر مقام نواگئی کے قریب واقع ہو[2]۔ کریٹروس دریائے کونر کے میدان میں اپنا کام پورا کرنے کے بعد پھر اپنے آقا سے آملا۔ اب ایسی تدابیر و تجاویز اختیار کی گئیں جن سے اقصائے مشرق کے اقوام کو زیر فرمان کیا جاسکے۔ کیونکہ ان کا مطیع ہونا پہلے ہی ضرور تھا۔ تاکہ کامل اطمینان کے ساتھ ہندوستان پر فوج کشی کی جاسکے[1]

اسپیسین لوگوں کی آخری شکست

بالآخر اسپیسین لوگوں نے ایک دوسری بڑی جنگ میں شکست فاش کھائی جس میں کہا جاتا ہے انھوں نے چالیس ہزار قیدیوں اور دو لاکھ تیس ہزار بیلوں کا نقصان اُٹھایا۔ سکندر کے اپنے یورپی مقبوضات کے سلسلۂ آمد و رفت کے انتظام کی تکمیل کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس شکست کے بعد اس نے بہت سے عمدہ اور خوبصورت بیل چھانٹ کے مقدونیہ روانہ کر دیئے تاکہ وہاں زراعت میں کام آسکیں[1]

نیسا

یونانی حکایات کو نیسا اور ڈیونی ساس سے ایک خیالی تعلق کیوجہ سے یونانیوں کو پہاڑی ریاست نیسا کے ساتھ ایک خاص دلچسپی پیدا ہوگئی

---

[1] ایرین - انبس - باب ۷ فصل ۱۲ -

[2] ہولڈچ - دی گیٹس آف انڈیا - ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۰۳ -

اور اس وجہ سے اُنھوں نے اور شکھوں کے ساتھ اب اس پر حملہ کیا[1]۔ دریا کے عمق کی وجہ سے وہ یورش کر کے اس قلعے کو فتح کرنے میں ناکامیاب ہوئے اس لئے سکندر نے اس کے محاصرہ کرنے کی تیاری شروع کی ہی تھی کہ اس اثنا میں وہاں کے باشندوں نے خود بخود اُس کی اطاعت قبول کرلی اور اس کی طرف سے مزید کوشش کی ضرورت نہ رہی۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اس بنا پر رحم کی درخواست کی کہ ڈیونی ساس اور یونانیوں کے وہ قریبی عزیز ہیں۔ کیونکہ انگور اور ایک خاص قسم کی بیل ان کے ہاں بھی پائی جاتی ہے۔ اور وہ تکونا پہاڑ جو شہر کے سرے پر واقع تھا۔ در اصل کوہ میراس ہی تھا۔ سکندر نے جو اس قسم کے تمام خیالات کو اپنے اُداس سپاہیوں کی طبیعتوں کو متحرک کرنے کا اچھا ذریعہ خیال کرتا تھا۔ اس ڈیونی ساس کی قرابت کے سلسلے کی بہت کچھ زیادہ تحقیق نہ کی۔ بلکہ نیسا کے باشندوں کی درخواست کو منظور کیا اور ان کے ساتھ رحم اور آشتی کا برتاؤ کیا۔

جشن

خود اپنے تجسس و تفحص کے خیالات کو پورا کرنے اور دوسرے اپنی بہترین فوج کو دم لینے کا وقت دینے کے لئے سکندر اس پہاڑ پر گیا جسے آجکل غالباً کوہ مُور کہتے ہیں۔ اور سوار اور پیادوں کی ایک جماعت اس کے ہمرکاب تھی۔ موجودہ زمانے کے کافرونکے ان آباؤ و اجداد کا رقص و سرود یونانیوں کی مینوشی کے جلسوں سے اس قدر مشابہ تھا کہ اس سے ان لوگوں کے یونانیوں کے قرابتی ہونے کی پوری پوری تصدیق ہوتی تھی جو نیسا کے باشندوں کے دعوے کا بین ثبوت تھا اور یہ بات فوج کے سپاہیوں کے دل میں یہ خیال پیدا کرنے کے لئے کافی تھی کہ وہ اپنے وطن سے اس دور و دراز مقام میں بھی ایسے لوگوں میں بیٹھے ہیں جو ان کے ہم مذہب ہیں۔ اور جن کے متعلق یہ خیال ہو سکتا تھا کہ وہ ان کے قریبی عزیز بھی ہیں۔ سکندر نے بھی اس مناسب وقت فریب کو نہ کھولا اور فوج کو رخصت دی کہ اپنے دیس کے دوستوں کے ساتھ ملکر دس دن جنگلوں میں خوشی و خرمی سے گذاریں۔ نیسا کے لوگوں نے اپنی طرف سے اس کے رحم کے شکریہ کا اظہار اس طرح کیا کہ تین سو سوار سکندر کو مستعار دیئے جو تمام فوجکشی کے زمانے میں اس کے

---

[1] کرٹیس (باب ہشتم فصل ۱۰) نے نیسا کی فتح کو مَسّکا کے محاصرے سے پہلے کا واقعہ قرار دیا ہے۔ ۱۲

ساتھ رہے اور اکتوبر ۳۲۶ ق م کے قبل جبکہ دریاؤں کے راستے سے بحری سفر کی تیاری ہو رہی تھی وطن کو واپس نہ بھیجے گئے ہوں[۵]

[۵] ایرین انبس باب ۵ فصل ۱۔ باب ۶ فصل ۲ کرٹیس باب ۸ فصل ۱۰ جسٹن باب ۱۲۔ فصل ۷ پلوٹارک۔ سکندر باب ۵۸ سٹریبو۔ باب ۱۵۔ فصل ۹۔ یہ وہ قیاسات جو میک کرنڈل نے اپنے ضمیمہ (جی) میں نیسا کے موقعے کے متعلق جمع کئے ہیں۔ ان سے تشفی نہیں ہوتی۔ سر ایچ۔ ٹی۔ ہولڈرچ۔ سرحدی معاملات میں جس کی مہارت سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ کرنڈل سے زیادہ اس معاملے میں کامیاب ہوا ہے۔ اور نیسا کے موقعے کو تقریباً صحت کے ساتھ پیدا کر دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے "کسی اور جگہ پر (جیاگریفیکل جرنل۔ جنوری ۱۸۹۶ء) میں نے وہ تمام وجوہات بیان کئے ہیں جن کے سبب سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ کامدیش کے کافر جنھوں نے غلام قبیلہ کے اسکی فوج میں یرغمال بھیجے تھے ان نیسا کے لوگوں کی اولاد سے ہیں جنھوں نے سکندر کو اپنا ہم مذہب اور ہم وطن ظاہر کیا تھا۔ اور اسی وجہ سے سکندر نے ان کے ساتھ رحم کا سلوک کیا تھا وہ کوہ مور (یونانی کوہ میراس) کے دامن میں سوات کے میدان میں اس قدر قدیم زمانے سے آباد تھے۔ کہ اہل مقدونیہ انکے وہاں آنے اور آباد ہونے کا کوئی پتہ نہ دے سکتے تھے۔ یہ لوگ سوات کے ملک میں بدھ مذہب کے زمانے تک آباد رہے۔ کوہ مور کا زیریں حصہ اور میدان وہ جگہ ہے جہاں کسی زمانے میں نیسا (یا نوسن) شہر آباد تھا۔ بظاہر روئے زمین پر اس کا اب کوئی نشان نہیں۔ مگر تیس برس کے پرانے نقشوں میں اس کا نام باقی تھا۔ اور اپنے نام کی وجہ سے ایک اہم مقام سمجھا جاتا تھا۔ مے نوشی کے جلوس اور سرود اس وقت بھی کافروں میں پائے جاتے ہیں" (ہولڈرچ دی انڈین بورڈرلینڈ۔ میتھیون ۱۹۰۱ء صفحہ ۴۲ و ۳۳ و ۲۷۰ دی گیٹس آف انڈیا ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۲۳)۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ میراس اس تین چوٹیوں والے پہاڑ کی صرف ایک چوٹی کا نام ہے۔ باقی دو چوٹیوں کا نام کُر لیسبی اور کندسبی تھا۔ یہ تینوں چوٹیاں پشاور سے نظر آتی ہیں۔ کنائی اور "رشتہ دار کافروں" کی حکایت کا مقابلہ کرو۔ (ریورٹی۔ نوٹس صفحہ ۱۲۹)۔ فلاسٹریٹس (اپولونیاس باب دوم۔ فصل ۹) بیان کرتا ہے کہ "نیسا کے باشندے اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ سکندر پہاڑ پر چڑھا تھا" اور آگے چل کر لکھتا ہے کہ "اس واقعے کو سکندر کے ساتھیوں نے صحیح نہیں لکھا" ۱۲۔

اسکنوئی اور مَسّکا

سکندر نے اب بذات خود اسکنوئی نام ایک زبردست قوم کو مفتوح کرنے کا تہیہ کیا۔ کیونکہ ان کے متعلق یہ بیان کیا گیا تھا۔ کہ وہ بیس ہزار سوار۔ تیس ہزار پیادے۔ اور تیس ہاتھیوں سے اُس کے مقابلے کا انتظار کر رہے ہیں۔ باجور کے علاقے کو چھوڑ کر سکندر نے دریائے گوریئس (پنجکوڑہ) کو چیدہ فوج کے ساتھ جس میں حسب معمول سواروں کی تعداد زیادہ تھی۔ عبور کیا۔ اور اسکنوئی قوم کے علاقے میں مَسّکا کے شہر پر حملہ کرنے کے لئے داخل ہوا۔ جو اس نواح کا سب سے بڑا شہر اور سلطنت کا مستقر تھا۔ یہ زبردست قلعہ جو غالباً درۂ ملاکنڈ کے شمال میں قریب ہی واقع تھا۔ مگر جس کے موقعے کا تعین اب تک نہیں ہوا۔ قدرتی اور مصنوعی طور پر بہت مضبوط واقع ہوا تھا[1]۔ مشرق کی طرف ایک بڑے زور سے بہتا ہوا تیز رفتار پہاڑی نالے کے بلند کنارے حائل تھے۔ اور جنوب و مغرب میں مہیب چٹانیں۔ عمیق غار۔ اور دھوکا دینے والی دلدلیں واقع تھیں جو حملہ آور فوج کو گذرنے سے روکتی تھیں۔ جہاں کہیں قدرت نے قلعے کے کسی حصے کو اچھی طرح مضبوط نہ کیا تھا۔ وہاں انسانی صنعت نے اس کمی کو پورا کر دیا تھا۔ اور قلعے کے گرد ایک زبردست اینٹ۔ پتھر۔ اور لکڑی کی فصیل بنا دی تھی۔ جس کا محیط تقریباً چار میل (۳۵ سٹیڈیا) تھا۔ اور ایک گہری خندق اُس کے گرداگرد بنی ہوئی تھی (کیو۔ کرٹئس باب ۸۔ فصل ۱۰)۔ اس مہیب قلعے کے گرد پھرنے اور محاصرے کی تیاری کی تجاویز میں سکندر کے

---

[1] یونانی اور رومی مورخین اس نام کو مختلف طریقوں سے لکھتے ہیں۔ یعنی مَسّگا۔ مَسّکا۔ مزاگا۔ مسوگا۔ ہولڈچ کا بیان ہے کہ یہ قلعہ مَسّکنائی مقام پر یا اس کے قریب واقع تھا۔ (دی گیٹس آف انڈیا۔ سنہ ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۲۸)۔ ایم۔ فوشے کا خیال ہے کہ وہ کہنگلا (کاتنگلا) تھا جو چند میل شمال میں واقع ہے۔ (ہندوستان و افغانستان کی سرحد۔ پیرس سنہ ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۵۸)۔ مَنگلَور یا مُنگلَور کا مقام جو اس کے موقعے کے لئے تجویز کیا گیا ہے اور بعض وجوہ سے مناسب بھی ہے۔ بہت دور مشرق میں واقع ہے۔ منگلور کے لئے دیکھو۔ ریورٹی نوٹس آن افغانستان صفحہ ۲۳۴ و ۲۰۰۔ اسٹین۔ آرکیالوجیکل ٹوران جمبیر۔ لاہور سنہ ۱۸۹۸ء صفحہ ۵۳۔ ڈین۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۸۹۶ء صفحہ ۶۵۵۔

شانے میں پھر زخم لگا۔ مگر یہ زخم ایسا نہ تھا جو اس کو محاصرے کے اہتمام سے باز رکھتا۔ یہ محاصرہ کلیتہً اس کے عالی دماغ نے خود تجویز کیا تھا اور خود ہی اس نے اس کی نگرانی کی تھی۔

قلعے پر حملہ۔

ایسے سپہ سالار کے ماتحت کام کرنے سے ہر ایک معمولی سپاہی بھی غیر معمولی کام انجام دے سکتا ہے۔ فوج نے اسقدر تندہی سے کام کیا کہ نو دن میں انھوں نے ایک ایسا ٹیلا بنالیا جو قلعے کی سطح کی ہموار تھا اور اس سے خندق پر پل بندھ سکے۔ اور اس کے علاوہ متحرک برجوں کو قلعے کے قریب لیجا سکیں۔ محصور فوج اپنے جنرل کی ناگہانی موت کیوجہ سے جو منجنیق کے ایک گولے کے لگنے سے واقع ہوی بالکل ناامید ہوگئی۔ اور پہلے ہی ہلے میں قلعہ سر ہو گیا۔ کلیوفس اس مقتول سردار کی زوجہ اور اس کا یتیم بچہ سکندر کے پاس قید ہو کے آئے۔ اور کہا جاتا ہے کہ کلیوفس سکندر کے محل میں داخل ہوی اور اس سے سکندر کا ایک بچہ بھی ہوا۔[۱]

تنخواہ دار فوج کا قتل عام۔

مسکا کی محصور فوج میں سات ہزار ہندوستان کے میدانوں کے رہنے والے تنخواہ دار سپاہی بھی شامل تھے۔ ایک خاص معاہدے کے مطابق سکندر نے ان لوگوں کو اس شرط پر امان دیدی تھی کہ یہ لوگ اپنے بادشاہ کا ساتھ چھوڑ کر اس سے مل جائیں۔ اور اس کی فوج میں شامل ہو جائیں۔ اس عہدنامے کی رو سے ان کو اجازت دی گئی کہ وہ قلعے کو چھوڑ کر مقدونی کیمپ کے سامنے کی ایک پہاڑی پر خیمے لگالیں جو کیمپ سے

---

[۱] ایرین (انبس باب ۴ فصل ۲۷) "ایساکیناس کی ماں اور بیٹی کا" ذکر کرتا ہے۔ کرٹیئس (باب ۸ فصل ۱۰) کا بیان ہے کہ "ایسکنس اس شہر کا بادشاہ مر چکا تھا۔ اور اسکی ماں کلیوفس اس شہر اور سلطنت پر حکمراں تھی"۔ اور وہ آگے بیان کرتا ہے کہ "ملکہ نے اپنے بیٹے کو جو ابھی بچہ ہی تھا سکندر کی گود میں دیدیا۔ اور اس طرح امان بھی حاصل کی۔ بہرحال آخر میں اس کے ایک بچہ ہوا جس کا نام خواہ اس کا باپ کوئی بھی ہو۔ سکندر رکھا گیا"۔ بظاہر کلیوفس اُس سردار کی بیوہ ہو گی جو اس محاصرے میں ایرین کے بیان کے مطابق مارا گیا تھا۔ ۱۲ م

تقریباً ۹ میل (۸۰ سیٹڈیا) کے فاصلے پر واقع تھی۔ ان سپاہیوں کو یہ پسند نہ تھا کہ ایک اجنبی شخص کو اپنے بادشاہ کے مطیع کرنے میں مدد دیں اور اس لئے وہ اس ناگوار عہد کے پورا کرنے سے بچنا چاہتے تھے جس کو انھوں نے طوعاً و کرہاً منظور کر لیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ رات کے وقت چپ چاپ وہاں سے چلے جائیں اور اپنے گھروں کی راہ لیں۔ سکندر کو ان کے اس ارادے کی اطلاع ہو گئی۔ اس نے عین اس وقت جبکہ یہ ہندوستانی چین سے سو رہے تھے ان پر دفعتہً حملہ کر دیا۔ اور ان کو سخت نقصان پہنچایا۔ مگر جونہی وہ اس اچانک حملے سے بیدار ہوئے اور ہوش میں آئے۔ انھوں نے ایک دائرے کی شکل اختیار کر لی۔ اور بچوں اور عورتوں کو درمیان میں لیکر سکندر کا بڑی سختی اور بہادری سے مقابلہ کیا جس میں کہ عورتوں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ لیکن بالآخر ان چند دلیر جنگجو سپاہیوں کی سکندر کی فوج کی تعداد کے سامنے کچھ نہ چلی۔ اور ایک قدیم مورخ کے الفاظ کے مطابق "وہ اس طرح لڑتے ہوئے کام آ گئے۔ اور اس قسم کی موت پر انھوں نے ذلت کی حیات کو ترجیح نہ دی"۔ فوج کے غیر مسلح ہمراہیوں اور عورتوں کو امان دی گئی۔[1]

اس واقعے پر رائے

اس واقعے کے متعلق قدیم اور دور حاضرہ کے مصنفین سکندر کو بہت کچھ مطعون کرتے ہیں کہ اس کا یہ فعل نہایت شرمناک طور پر نقض معاہدہ تھا۔ مگر جیسا کہ ڈیوڈرس نے فرض کر لیا ہے۔ یہ کسی طرح بھی سکندر کی طرف سے تنخواہ دار سپاہیوں کے ساتھ بیرحمی کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ جیسا کہ ایرین نے بیان کیا ہے کہ اس فوج کے قتل عام کی وجہ وہ پیمان شکنی تھی جس کا خود ہندوستانی ارادہ کر چکے تھے۔ اور اگر یہ بیان صحیح ہے تو جو سزا ان کو دی گئی وہ اس کے مستحق تھے۔ کیونکہ اگر یہ تربیت یافتہ اور بہادر سپاہی سکندر کی قلیل فوج میں شامل ہو جاتے تو اس کی طاقت میں معتدبہ اضافہ ہو جاتا۔ لیکن اسکے برعکس ان کا دشمن سے ملجانا میدانوں میں خود اسکے لئے سخت تکلیف کا باعث ہوتا۔ اور اسی لئے میرے نزدیک وہ بالکل حق پر تھا کہ دشمنوں کی تعداد میں اضافہ

[1] ایرین۔ انبس۔ باب ۴ فصل ۲۷۔ ڈیوڈرس۔ باب ۱۷۔ فصل ۸۴۔ کرٹیس باب ۸ فصل ۱۰۔

ہونے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔

قبائل کا آرناس میں نقل مکان

اس کے بعد سکندر نے ایک شہر اوررا یا نورا کو فتح کیا۔ اور ایک اہم مقام بزیرا پر قبضہ کیا۔ جس کے باشندوں نے اور شہروں کے باشندوں کے ساتھ دریائے سندھ کے کنارے[1] آرناس قلعے کو اپنا مامن قرار دیا تھا۔ سکندر کو اس قلعے کی فتح کا خیال جس کی تسخیر محال سمجھی جاتی تھی دو وجہ سے تھا۔ اول تو فوجی ضرورتوں سے اس پر قابض ہونا ضروری تھا۔ اور دوسرے یہ روایت چلی آتی تھی کہ ہرقل جس کو وہ اپنا جد اعلیٰ سمجھتا تھا اس قلعے کی تسخیر میں ناکامیاب رہا تھا۔

آرناس کی کیفیت

ڈیوڈرس کے بیان کے مطابق اس پہاڑ کے جنوبی جانب دریائے سندھ بہتا تھا۔ جو ہندوستان کا سب سے بڑا دریا ہے۔ اور خاص اس مقام پر بہت گہرا تھا۔ اور ایسے ناہموار۔ اور بلند پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا کہ اس طرف سے قلعے تک پہنچنا ناممکن تھا۔ دوسری جانب مسکا کی طرح یہاں بھی ایسے غار۔ چٹانیں اور دلدلیں موجود تھیں جو بہادر سے بہادر حملہ آور کی ہمت کو پست کر دیں۔ ایرین کا بیان ہے کہ صرف ایک راستہ پہاڑ کی چوٹی پر جاتا تھا۔ جہاں پانی کثرت سے دستیاب ہوسکتا تھا۔ اور اس قدر قابل زراعت زمین وہاں موجود تھی کہ اس کی کاشت کے لئے ایک ہزار مزدوروں کی ضرورت ہوتی۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک ایسی ڈھلوان اور بلند چٹان واقع تھی جو بجائے خود ایک قدرتی قلعے کا کام دے۔ اور بلاشک وشبہ مصنوعی طور سے بھی اس کی حفاظت کا پورا پورا انتظام کیا گیا تھا۔[2]

---

[1] ہولڈچ کے خیال کے مطابق اوررا اور بزیرا رستم کے مقام پر یا اس کے قریب مردان اور درۂ امبیلا کے درمیان واقع تھا (دی گیٹس آف انڈیا صفحہ ۱۰۶)۔ مگر میرے خیال میں یہ جگہ بہت دور جنوب میں واقع ہے۔

[2] ایرین باب ۴ فصل ۲۸ ڈیاڈرس باب ۱۸ فصل ۸۶۔ کرٹیس باب ۸ فصل ۱۱۔ اسٹرابو باب ۵ فصل ۸۔ مختلف لوگ کسی پہاڑ کے محیط کا اندازہ اس وجہ سے جدا جدا کریں گے کہ وہ سلسلۂ کوہ کے ساتھ کی پہاڑیوں کو چھوڑ دیں یا ان کو شامل کر لیں۔ مگر ڈیوڈرس کا اندازہ کہ

ابتدائی کارروائیاں | اس زبردست قلعے کا محاصرہ شروع کرنے سے پہلے سکندر نے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- پہاڑ کا محیط (۱۰۰) سٹیڈیا یا ساڑھے گیارہ میل تھا - ایرین کے اندازے یعنی (۲۰۰) سٹیڈیا کی نسبت زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے - اس کے برخلاف ایرین نے ان پہاڑوں کی سب سے کم بلندی کا اندازہ (۱۱) سٹیڈیا یا (۶۷۰۰) فیٹ کیا ہے جو ڈیوڈرس کے اندازے یعنی (۱۶) سٹیڈیا کی نسبت زیادہ درست معلوم ہوتا ہے - آرناس کے موقعے کے تعین کے متعلق تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئی ہیں - اس کے موقعے کو مہابن قرار دینے کے بظاہر ان سب وجوہ کو سر ایم - اے اسٹین کی تحقیقات نے غلط ثابت کر دیا ہے (رپورٹ آف آرکی آلوجیکل سروے ان دی این - ڈبلیو - فرنٹیئر پراونس ۱۹۰۴ء) یہ باور کرنا ذرا مشکل ہے کہ یونانی مصنفین نے اس قلعے کو دریائے سندھ پر قرار دینے میں غلطی کی ہو - یونانی افسر اس دریا کے موقعے سے بخوبی واقف تھے - کیونکہ وہ اس پر پل باندھنے میں مشغول تھے - مہابن کا مقام آرناس کے موقع ہونے کے نہ صرف ان وجوہ سے ناقابل ہے جو اسٹین نے بیان کی ہیں - بلکہ اس سبب سے بھی ناممکن ہے کہ کرٹیس کے قول کے مطابق (باب ۸ - فصل ۱۲) سکندر امبو لیما سے کوچ کر کے دریائے سندھ اس وقت تک نہیں پہنچا جب تک اس نے سولہ منزلیں طے نہیں کر لیں - اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کم از کم (۷۰) یا (۸۰) میل کا سفر نہایت ہی دشوار گذار علاقے میں کیا ہوگا - میں سر ہنڈن بلڈ سے اس بات میں متفق ہوں کہ آرناس کے موقعے کو دریائے سندھ پر مہابن کے اوپر - اور شائد بیاؤ کے قریب تلاش کرنا چاہیئے جو کوتکئی کے قریب دریا کے گھاٹ سے اوپر کیطرف واقع ہے - یہ ہم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ دریائے سندھ اس قلعے کی جنوبی دیوار سے ٹکرا کر بہتا تھا - (دیکھو ہولڈچ کی دی گیٹس آف انڈیا صفحہ ۱۲۱) - میں سمجھتا ہوں کہ اغلب یہ ہے کہ سکندر واپس پھر کر درۂ امبیلا میں سے گذرا تھا - اور پھر سنبھ کے مقام پر یا اسکے قریب دریا کی طرف مڑا ہوگا - یہ ضروری ہے کہ اس نے ایک وسیع چکر لگایا ہو - مسٹر طرک اس شہادت کو قبول نہیں کرتا کہ آرناس کو دریائے سندھ پر تلاش کیا جائے - اسکے نزدیک وہ سوات کے علاقے میں واقع تھا - (جرنل رائل سوسائٹی آف آرٹس ۱۹۱۱ء صفحہ ۷۶) -

اس کے قبل کے تمام بیان اس کتاب کی طبع دوم کے ڈی ضمیمہ میں بیان کئے گئے ہیں - مگر اب ان کو پھر دوبارہ شائع کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے -

جبلی بیشں بینی سے اپنے عقب کو محفوظ رکھنے کے لئے اورا مسکا۔ بزیرا۔ اور وبیٹس کے شہروں اور سوات اور بُنیر کی پہاڑیوں میں فوجوں کی چھاؤنیاں ڈالیں۔

اس کے علاوہ اس نے قلعے کو دوسرے وسائل سے اس طرح اور بھی قطع کر دیا۔ کہ وہ بذاتِ خود غالباً درۂ شاہ کوٹ[1] سے اُتر کر میدان میں داخل ہوا۔ اور ایک اہم شہر پیوکیلیوٹس (چارسدّہ) ۔ اور اس کے اردگرد کے اس علاقے کو زیر نگیں کیا جسے آجکل یوسف زئی کا ملک کہتے ہیں۔ اس تمام فوجی کارروائی کے اثنا میں دو مقامی سرداروں نے اس کی مدد کی۔ اس کے بعد وہ کسی طرح امبولیما گیا جو دریائے سندھ کے کنارے پر ایک چھوٹا سا شہر آرناس کے دامن میں واقع تھا۔ یہاں پر اس نے کریٹراسس کی ماتحتی میں ایک فوجی مرکز قائم کیا کہ اگر حملہ کرنے میں فوج ناکامیاب ہو۔ اور محاصرے کے دائرے کو تنگ کرنا پڑے تو اس حالت میں یہ مرکز اگر محاصرے کو طول ہو تو پوری فوجی مرکز کا کام دے۔

ابتدائی فوجی تحقیقات۔ آخر اس طرح غور و فکر سے محاصرے کے تمام معاملات کو درست کرنے کے بعد سکندر نے ایک مختصر فوج لیکر جس میں زیادہ تر ہلکے اسلحہ سے مسلح سپاہی تھے دو دن بذاتِ خود قرادلی میں صرف کیے۔ خود تمام موقعے اور جگہ کا معائنہ کیا۔ مقامی بدرستی کی مدد سے جن کو انعام کا لالچ دیکر اپنے ساتھ ملا لیا گیا تھا لیگاس کے بیٹے ٹولمی نے پہاڑ کے مشرقی جانب ایک نہایت مفید مطلب جگہ پر قبضہ کر لیا۔ جہاں اس نے اپنے آدمیوں کو خندق سے گھیر کر ٹھہرا دیا۔ اس موقعے پر بادشاہ کی طرف سے اس کو

---

[1] وہ قدیم راستہ جس کو ہیون سانگ نے اختیار کیا تھا وہ ہے پو۔ لو۔ شا۔ سے درۂ شاہ کوٹ ہوتا ہوا سوات جاتا ہے۔ یہی درۂ شاہ کوٹ ہے جس کو موجودہ زمانے میں ہندوستانی "ہاتھی لار" کہتے ہیں۔ وہ ۱۸۹۵ء سے قبل سب سے زیادہ اہم پہاڑی مقام مانا جاتا تھا مگر جب اس سنہ میں انگریزوں نے ملاکنڈ کو چترال کی سڑک کا فوجی مرکز قرار دیا تو اس کی اہمیت جاتی رہی (فوشے۔ کتاب مذکورۂ بالا صفحہ ۴۰)

مدد دینے کی کوشش میں ناکامیابی کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ ہندیوں نے ٹولمی کی خندقوں پر نہایت دلیرانہ حملہ کیا۔ جس کو سخت لڑائی کے بعد پسپا کیا گیا۔

راستوں کی تیاری

سکندر کی یہ دوسری کوشش کہ اپنے نائب افسر کے ساتھ جا کے ملجائے۔ باوجود محصورین کی بیحد جدّوجہد کے کامیاب ہوئی۔ اور اب مقدونی سپاہ اطمینان سے اس مفید موقعے پر قابض ہوگئی جہاں سے قدرتی قلعے پر حملہ کرنا آسان ہوگیا۔

حملہ آور جس کام کو کرنا چاہتے تھے وہ سخت دشوار تھا۔ کیونکہ سب سے اونچی چٹان اور بلندیوں کی طرح ارتفاع کی مناسبت سے کوئی ڈھال نہ رکھتی تھی۔ بلکہ سرے سے نہایت ناہموار مثلث کی صورت میں بالکل سیدھی قائم تھی۔ مقام کے معائنہ سے یہ معلوم ہوا کہ بخط مستقیم حملہ کرنا اُس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ بعض غاروں کو بھر نہ دیا جائے۔ کیونکہ گردونواح کے پہاڑوں میں جنگل کثرت سے تھا اس لئے سکندر نے درختوں کو کاٹ کے راستہ بنانے کے لئے کام میں لانا چاہا۔ خود اس نے اپنے ہاتھ سے پہلا درخت غار میں پھینکا۔ اس کے اس فعل کی تمام فوج نے داد دی جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ فوج بھی بدل اس کام کی خواہاں ہے۔ جس میں بادشاہ ان کا شریک حال ہو اور اس سے وہ کسی طرح باز نہ رہ سکتے تھے۔

محصور فوج کا قلعے کو خالی کرنا۔

چار ہی دن میں سکندر ایک ایسی چھوٹی سی پہاڑی پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگیا جو اس چٹان سے بالکل مسطح تھی۔ اور اس طرح سب سے اہم مقام اس کے قبضے میں آگیا۔

اس کارروائی کی کامیابی کے بعد محصور فوج کو بالکل یقین ہوگیا کہ قلعے پر قبضہ کرنے کے لئے کچھ مدت ہی چاہیئے ورنہ اور کوئی مشکل حائل نہیں رہی۔ چنانچہ انھوں نے اپنے آپ کو حوالے کردینے کی شرائط کی بحث کے لئے سلسلۂ جنبانی شروع کردی۔

محصورین دراصل بجائے ایک عہد نامے کی تکمیل کے فرار ہوجانا چاہتے تھے۔ انھوں نے رات کے وقت اس سنگستان کو خالی کرکے تاریکی میں بھاگ جانے کی کوشش کی۔ مگر سکندر کی ان تھک بیدار مغزی نے

ایک حد تک ان کی اس کوشش پر پانی پھیر دیا۔ اپنے ساتھ (۷۰۰) آدمیوں کو لیکر عین اُس وقت جبکہ محصور فوج قلعے کو چھوڑ رہی تھی۔ وہ پہاڑی پر چڑھ گیا۔ اور ان میں سے اکثر کو قتل کر ڈالا۔

مقدونوی فوج کا قیام۔

اس طرح یہ ناممکن التسخیر قلعہ جس کے فتح کرنے میں ہرقل بھی ناکامیاب رہا تھا۔ سکندر کے ہاتھوں سر ہوا۔ بادشاہ کا فخر اس کامیابی پر بالکل بجا تھا۔ اس نے دیوتاؤں کی پرستش کی۔ ان کے نام پر بھینٹ چڑھائی۔ ایتھنے اور نیکے کے نام پر مندر تعمیر کرائے۔ اور ایک قلعہ بنوایا جس میں اس نے اپنی فوج مقیم کی۔ اس اہم جگہ کا افسر ایک شخص سی سی کوٹس (سَسِی گپتا) نامی ایک ہندو کو مقرر کیا۔ جو بہت دن پہلے باختر کے باغی صوبہ دار بکیسس کی فوج کے ہندی رسالے سے نکل آیا تھا۔ اور اس وقت سے مقدونوی فوج میں نہایت وفاداری سے کام کر رہا تھا۔

دریائے سندھ کی طرف کوچ

اس فتح کے بعد سکندر نے اسکنوئی قوم کی فتح کی تکمیل کے لئے ان کے ملک پر از سرنو دھاوا کیا۔ اور شہر ڈرٹا پر جو غالباً آرناس کے شمال میں واقع تھا۔ قبضہ کر لیا۔ اس شہر کے اور گرد و نواح کے تمام علاقے کے باشندے اپنے گھروں کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اور دریائے سندھ کو عبور کر کے دریائے ہائی ڈس پیز (جہلم) اور اکے سینز (دریائے چناب) کے درمیان ابھسار[1] کے کوہستانی علاقے میں پناہ لی تھی۔ اس کے بعد

---

[1] ڈرٹا کے موقعے کے تعین کی متعدد اور مختلف کوششیں بے سود ثابت ہوئی ہیں۔ ابھسار کے موقعے کا صحیح پتہ سب سے پہلے ایم اے اسٹین نے لگایا۔ وہ لکھتا ہے "دارو ابھسار (یعنے دارو اور ابھسار) میں وہ تمام علاقہ شامل تھا جو وِتستا (جہلم) اور کندر بھاگا (دریائے چناب) کے درمیان واقع ہے۔ راجپوری کی کوہستانی ریاست اس میں شامل تھی۔ ایک عبارت کی بنا پر اس نام کا اطلاق محدود ہو جاتا ہے۔ اور اس میں صرف نیچے کی پہاڑیاں ہی شامل رہتی ہیں"۔ راجپوری اور بھمبھر (قدیم ابھسار) کی ریاستیں آجکل کی کشمیر کی ریاست کی حدود کے اندر واقع ہیں۔ ابھسار کسی زمانے میں غلطی سے ہزارہ کا

آہستہ آہستہ وہ جنگلوں میں سے گذر کر اوہند تک پہنچا۔ اگرچہ سیدھے راستے کا فاصلہ کچھ زیادہ نہو سکتا تھا۔ مگر ایسا راستہ بنانے کا کام جس میں سے فوج گذر سکے اسقدر دشوار تھا۔ کہ ہیفس ٹیان کے کیمپ تک پہنچنے کے لئے پندرہ یا سولہ منزلیں طے کرنا پڑیں [1]؂

اوہند کے مقام پر پل۔ دریائے سندھ پر پل کے اصلی مقام کے تعین کے متعلق بہت اختلاف رائے ہے۔ مصنفین کی کثیر تعداد کا رجحان اسطرف ہے کہ وہ پل اٹک کے مقام پر تھا۔ جہاں دریائے سندھ کا پاٹ بہت ہی کم رہ گیاہے۔ مگر ایم۔ فوشے کی تحقیقات نے یہ بات صاف طور پر ثابت کردی ہے کہ۔ یہ پل جو غالباً کشتیوں کا بنا ہوا تھا۔ اوہند یا اُندسے کے مقام پر اٹک کی شمال کی جانب سولہ میل کے فاصلے پر تھا۔ پل کے مقام پر پہنچکر سکندر نے نہایت شان وشوکت سے دیوتاؤں کے نام بھینٹ چڑھائی۔ اور اپنی فوج کو تیس دن کی تعطیل آرام لینے کے لئے دی۔ اور کھیل کود سے ان کا دل بہلائے رکھا [2]؂

جنوری ۳۲۶ سنہ قم سے فروری ۳۲۶ سنہ قم تک

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ جو در اصل ارسا یا آرسکیس کی سلطنت کا علاقہ ہے۔ (دیکھو اسٹین کی کتاب راج ترنگنی۔ ترجمہ۔ حصہ اول صفحہ ۸۰۔ حصہ پنجم صفحہ ۲۱۷۔ میکرنڈل۔ صفحہ ۳۷۵) آرناس سے آگے کوچ کا راستہ معلوم نہیں۔ ۱۲؂

[1] کرٹیئس (باب ۷۔ فصل ۱۲۔) کا نام ان پندرہ یا سولہ منازل کی تعداد کے لئے پیش کیجا سکتی ہے " درہ (امبیسلا) سے گذرنے کے بعد سولہ منزلیں طے کر کے وہ دریائے سندھ پہنچا"۔ ۱۲؂

[2] ایرین باب ۵۔ فصل ۳۔ ڈیوڈرس۔ باب ۱۷۔ فصل ۸۶۔ دریائے کابل کی وادی سے ہندوستان میں داخل ہونے کا قدیم راستہ پُرشپور (پشاور) پشکلاوتی (پیوسے لیئائس) ہوتی مردان۔ اور شاہ بازگرھی (جس کو چینیوں نے پو۔ لو۔ شا لکھا ہے) سے گذر کر اوہند یا اُند کے مقام پر پہنچتا تھا۔ اٹک کا براہ راست راستہ دور حاضرہ ہی میں صاف کیا گیا ہے۔ اُند کا تلفظ خود اُس شہر کے باشندے استعمال کرتے ہیں جس کو پشاور اور مردان کے لوگ اُوہند کہتے ہیں۔ اس کا سنسکرت نام اُدبھاند پور ہے۔ (دیکھو کننگھم۔ اینشنٹ جیاگریفی صفحہ ۵۲

ٹکسلا سے سفارت

اوہند کے مقام پر آمبھی (آمفس[1]) کی ایک سفارت سکندر کو ملی۔ یہ ٹکسلا کے تخت پر متمکن تھا۔ یہ عظیم الشان شہر دریائے سندھ سے تین منزل کے فاصلے پر واقع تھا۔ آمبھی کا پیشرو سکندر سے نیکیا کے مقام پر ملا تھا۔ اور اس کی اطاعت قبول کرلی تھی۔ اس کے بیٹے کی طرف سے اس سفارت نے اسی اطاعت کی تجدید کی۔ ساتھ ہی اس معاہدے کی استواری کے اظہار کیلئے (۷۰۰) سوار امداد کے طور پر روانہ کئے۔ اور ان کے علاوہ اور بہت سا اسباب جس میں (۳۰) ہاتھی۔ (۳۰۰۰) فربہ بیل۔ (۱۰۰۰۰) بھیڑیں اور (۲۰۰) ٹیلنٹ چاندی شامل تھی۔ اس کے پاس بھیجا۔

ٹکسلا کے راجاؤں کی اس آسانی کے ساتھ اطاعت قبول کرنے کی وجہ یہ تھی، کہ وہ اپنی ہمسایہ سلطنتوں کے مقابلے میں اس سے مدد لینا چاہتے تھے۔ اس وقت ٹکسلا کی سلطنت ابھسار کی کوہستانی ریاست اور اس سلطنت کیساتھ جس کے بادشاہ کا نام یونانیوں کے بیان کے مطابق پورس، تھا۔ اور جس کے علاقے میں موجودہ جہلم۔ گجرات اور شاہ پور کے اضلاع شامل تھے۔ برسر پیکار تھی[2]۔

فروری یا مارچ ۳۲۶ ق م دریائے سندھ کو عبور کرنا۔

اس وقت موسم بہار کا آغاز ہوچکا تھا۔ اور چونکہ نیک شگون اور فال نے بھی راہ دی اور فوج بھی آرام سے چکی اس لئے اب اس چست و چالاک فوج نے ایک دن علی الصباح دریا کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ اسٹین راج ترنگنی۔ ترجمہ۔ حصہ دوم صفحہ ۳۳۶۔ فنشر کی کتاب مذکورہ بالا۔ صفحہ ۴۶۔ معہ نقشہ)۔ میجر ریورٹی کا خیال ہے اوہند صحیح تلفظ اور ہیجے ہیں۔ اور یہ ہی شکل سنسکرت سے قریب تر ہے۔ ۱۲۔

[1] امبھی کے نام کو دوبارہ رواج دینے میں ایم۔ سلوین لیوی کا ممنون ہونا چاہئے۔ (جرنل ایشیاٹک۔ سنہ ۱۸۹۰ء۔ صفحہ ۲۳۴) ۱۲۔

[2] کرٹیس باب ۸۔ فصل ۱۲۔ پورس کا ملک ہائی ڈس پیز (جہلم) اور اسکے سینز (چناب) کے درمیان واقع تھا۔ اور اس میں (۳۰۰) شہر آباد تھے (اسٹریبو۔ باب ۱۵۔ فصل ۲۹)۔ یونانیوں نے جس نام کو پورس لکھا ہے اسکی ہندی صورت کا پتہ نہیں لگتا۔ یہ قیاس کہ وہ پورو ہوگا قابل تسلیم نہیں۔ ۱۲۔

عبور کرنا شروع کیا۔ اور ٹکسلا کے بادشاہ کی مدد سے بخیر و خوبی ہندوستان کی زمین پر قدم رکھنے کے قابل ہوگئی۔ جہاں اس سے قبل کبھی کوئی یورپی سیاح یا حملہ آور نہ پہنچا تھا۔[1]

عجیب واقعہ۔ ٹکسلا کے کوچ کے آخری دن ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جب سکندر شہر سے صرف (۴) یا (۵) میل کے فاصلے پر تھا تو وہ اچانک ایک زبردست فوج کو اپنی طرف مقابلے کے لئے بڑھتا ہوا دیکھکر چونک پڑا۔ اس کو فوراً خیال ہوا کہ بے ایمانی اور دغابازی سے اب اسکے ساتھ مقابلہ کیا جائیگا۔ اور اس نے ہندیوں پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کردی۔ عین اس وقت آمبھی چند حاشیہ نشینوں کے ساتھ بھاگا ہوا اس کی طرف آیا۔ اور اس نے بیان کیا کہ اس فوج کے اجتماع کا مطلب اظہار اطاعت ہے۔ اور اب اس کا مالک سکندر ہے۔ اس طرح جب یہ اشتباہ صاف ہوگیا تو مقدونوی فوج آگے بڑھی اور شہر میں پہنچکر شاہانہ شان شوکت سے اس کی مہمان نوازی کی گئی۔

ٹکسلا۔ ٹکسلا جس کے کھنڈر آجکل بارہ میل کے گرد میں راولپنڈی کے

---

[1] سنین کا تعین اسٹربیو باب ۱۵ فصل ۷ اسے کیا ہے۔ اس نے ارسٹو بولس کی سند پر جو سکندر کا ندیم اور مورخ تھا بیان کیا ہے کہ "وہ موسم سرما میں اس کوہستانی علاقے میں رہے جو اسپاسوئی اور اسکنوئی اقوام کے قبضے میں تھا۔ موسم بہار کے آغاز میں وہ میدانوں اور ٹکسلا کے عظیم الشان شہر میں اترے جہاں سے وہ دریائے ہائی ڈس پیز اور پورس کی سلطنت کی طرف روانہ ہوئے۔ پہلی بارش اُسی وقت ہوئی جبکہ وہ ٹکسلا میں ٹھیرے ہوے تھے"۔ اس طرح دریائے سندھ کے عبور کرنے کا وقت فروری یا مارچ ۳۲۶ قم ہی ہوسکتا ہے مسٹر پیرسن کا بیان ہے کہ "جب برنز راجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ لاہور میں تھا تو بہار کے موسم کا تیوہار نہایت دھوم دھام سے ۶۔ فروری کو منایا گیا تھا۔ (انڈین انٹی کویری ۱۹۰۵ء۔ صفحہ ۲۷۵) ٹکسلا کی بارش کی وجہ ضرور کوئی اتفاقیہ طوفان ہوگا۔ کیونکہ باقاعدہ بارش کا موسم جون سے پہلے نہیں شروع ہوتا۔ ۱۲۔

شمال مغرب اور حسن ابدال کے جنوب مشرق میں پائے گئے ہیں۔ اس نواح کے سب سے بڑے شہروں میں سے تھا۔ شمالی ہند میں یہ شہر ہندوؤں کے علوم و فنون کے مرکز کی حیثیت سے مشہور تھا۔ یہاں تمام طبقوں کے طالب علم تعلیم اور خصوصاً علم طب کی تحصیل کے لئے جمع ہوا کرتے تھے[1]۔

---

[1] یونانی اور رومی مصنفین نے اس کا نام ٹکسلا لکھا ہے جو پالی یا پراکرت کے لفظ ٹکسلا سے قریب تر ہے۔ سنسکرت نام تکشسلا ہے۔ شاہ دھیری جو حسن ابدال سے آٹھ میل جنوب مشرق میں واقع ہے۔ اور دیگر دیہات کی ابتدائی پیمایش اور بیان کننگھم نے شائع کیا تھا (رپورٹ جلد دوم صفحہ ۱۱۰۔ ۱۱۱) مگر اس موقعے پر اور زیادہ غور و فکر کے ساتھ تحقیق و تدقیق کی ضرورت ہے۔ جس کو محکمۂ آثار قدیمہ نے اب شروع کر دیا ہے۔ تین ماہ کی تحقیقات کے نتائج ڈاکٹر جے۔ ایچ۔ مارشل نے ایک لکچر موسومہ "آرکی آلوجیکل ڈسکوریز ایٹ ٹکسلا" میں جو ۴ ستمبر ۱۹۱۳ء کو پنجاب ہسٹوریکل سوسائٹی کے سامنے دیا گیا۔ بیان کر دیئے ہیں۔ ان کھنڈروں میں تین جدا جدا شہروں کے نشان ملتے ہیں۔ یعنے بیر۔ موریا خاندان اور اس سے قبل کے زمانے کا۔ سرکپ۔ ہندی یونانی۔ پارتھی۔ اور کڈفائی سس اول کا۔ اور سرسکھ کنشک کے زمانے کا۔ زمین کی تہ کے مقابلہ کرنے سے یہ بات بالکل صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ اول تو کنشک پارتھی۔ اور کڈفائی سس بادشاہوں کے بعد ہوا۔ اور دوسری یہ کہ وہ پہلی یا دوسری صدی مسیحی میں حکمراں تھا۔ کھنڈر جہاں تک کہ اب تک دریافت ہوئے ہیں بودھ مت کے زمانے کے ہیں۔ لیکن اس زمانے سے قبل کے آثار غالباً ابھی تک زیر زمین ہی ہیں۔ بودھ مت کی عمارتیں جب ہیون سانگ آیا ہے تو بربادی کی حالت میں تھیں۔ (بیل جلد اول صفحہ ۱۳۶۔۱۳۴۔ واٹرس جلد اول صفحہ ۲۴۰)۔ اور اُس وقت یہ سلطنت کشمیر کی باجگذار تھی۔ جاتک کی حکایات ٹکسلا کے جائے علوم و فنون کے حوالوں سے مملو ہیں۔ مثلاً جلد ۲۔ (مترجمہ راؤس) صفحہ ۲ و ۳۲ و ۵۹۔ وغیرہ۔ سسٹم جاتک کے مطابق یہ گندھر کے ملک یعنے پیوکے لیٹائس اور پشاور کے علاقے میں واقع تھا۔ جاتک اکثر غالباً سکندر کے بعد کی ہیں۔ طیانہ کے اپولونئس کی تاریخ میں جس کا مصنف فلاسٹریٹاس ہے پہلی صدی مسیحی کے ٹکسلا کی بابت۔ اگر ہم اس کتاب پر یقین کر سکیں۔ بہت دلچسپ باتیں

امبھی کا مطیع ہونا

امبھی نے سکندر کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ اور اس سے اپنے باپ کے ٹکسلا میں باضابطہ جانشین ہونے کی باقاعدہ سند حاصل کی۔ اس عزت افزائی کے بدلے میں جو حملہ آور کی جانب سے ہوئی امبھی نے مقدونوی فوج کے لئے بیحد وحساب سامان رسد بہم پہنچایا۔ اور سکندر کے سامنے اُسّی تیلنت مسکوک چاندی[۱] ۔ اور اس کے اور تمام دوسرے دوستوں کے لئے سونے کے تاج پیش کئے۔ سکندر بھی اس فیاضی میں پیچھے نہ رہنا چاہتا تھا اُس نے ان تمام تحائف کو واپس کیا۔ اور ان کے پیش کرنے والے کو مال غنیمت میں سے ایک ہزار تیلنت اور ان کے علاوہ بہت سے سونے اور چاندی کے برتن ایرانی قالین۔ اور تیس خاصے کے گھوڑے جن پر کہ وہ خود سوار ہو چکا تھا۔ دے دئے۔ یہ بے انتہا فیاضی۔ اگرچہ اس کے مقدونی افسروں کو ناپسند تھی۔ مگر اس کی اصل غایت محض نمود اور نمائش نہ تھی بلکہ حکمت عملی تھی۔ اس نے (۵۰۰۰) سپاہیوں کی ایک امدادی فوج کو "خرید لیا" اور نہایت ہی مفید دوست کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: ۔ ملتی ہیں (ترجمہ فلّی مور۔ آکسفورڈ ۱۹۱۳ء۔ باب دوم فصل ۲۰ - ۲۴ تک)۔ پروفیسر فلنڈرس پٹری کا خیال ہے کہ اپولونئس نے ضرور ہندوستان کا سفر ۴۲ - ۴۳ - ۴۴ء میں کیا تھا۔ (پرسنل ریلیجن ان ایجپٹ ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۴۱)۔ ۱۲۔

[۱] یہ "مسکوک" یا "جمہور" چاندی غالباً چاندی کے مسطح ٹکڑے تھے جسے کہ علم سکہ[۲] کے ماہر "چھدا ہوا سکہ" کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ کسی سانچے میں ڈھلے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ مختلف مقامات پر بے قاعدہ طور پر چھدے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس قسم کے عجیب وغریب سکے کے لئے جو اس وقت تمام ہندوستان میں مستعمل تھا۔ دیکھو ریپسن کی "انڈین کائنز" فقرہ ۶-۴۔ کننگھم کی "کائنز آف انشنٹ انڈیا" صفحہ ۶۰ - ۴ - ۵۴ - لوح اول ۲ - فہرست "کائنز ان دی انڈین میوزیم" جلد اول صفحہ ۲۴ - ۱۳۱ - یہ سکے[۳] ایران کے شاہی خاندان "ایلے مینی" کی سکون سے - (۵۵۸ قم سے ۳۳۰ قم تک) جیسا کہ ایم - بے - اے دیکورو مانشن نے ثابت کیا ہے ماخوذ ہیں۔ (دیکھو جنرل الشیاٹک (جنوری - فروری ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۳۳ - ۱۷۱)۔

[۳] ملا کے قدیم تانبے کے سکے کا حال اُن کتابوں میں موجود ہے جن کا ذکر کیا گیا۔ ۱۲۔

وفاداری کو پختہ کر دیا۔ (کرٹیئس۔ باب ۸۔ فصل ۱۲۔ ڈیوڈرس باب ۱۷۔ فصل ۸۶۔ ایرین باب ۵۔ فصل ۸)

ابھسار کا راجہ اور پورس۔

اس اثنا میں کہ سکندر ٹکسلا ہی میں مقیم تھا۔ ابھسار کے کوہستانی علاقے کے راجہ نے جو درحقیقت پورس کے ساتھ شامل ہو کر سکندر کو ملک سے نکال دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ (ڈیوڈرس باب ۱۷۔ فصل ۸۷) سکندر کے پاس اپنے سفیر روانہ کئے جنھوں نے اپنے راجہ کی طرف سے اُس کے تمام مقبوضات سکندر کے حوالے کر دئے۔ اس سفارت کی اچھی طرح خاطر مدارات کی گئی۔ اور سکندر کو یہ امید ہوئی کہ پورس بھی اپنے ساتھی کی طرح اطاعت قبول کرے گا۔ مگر جب اس کو دعوت دی گئی کہ وہ اطاعت اور خراج دینا منظور کرے۔ تو اس نے مغرورانہ جواب دیا کہ وہ حملہ آور سے ملاقات کے لئے حدیں ضرور آئے گا۔ مگر فوج کے ساتھ جو جنگ کے لئے تیار ہو گی۔

ہائی ڈس پیز کی طرف پیش قدمی۔ اپریل ۳۲۶ ق م

سکندر کچھ مدت تک ٹکسلا کے آرام دہ مقام پر چند روز ٹھیرا اور اپنی فوج کو آرام لینے کا موقع دیا۔ (ڈیوڈرس باب ۱۷ فصل ۸۷) اس کے بعد وہ اپنی فوج کو لیکر جس میں اب ٹکسلا کے آدمی اور چند ہاتھی بھی شامل تھے۔ مشرق کی طرف پورس کے مقابلے کے لئے روانہ ہوا جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ ہائی ڈس پیز (دریائے جہلم) کے کنارے پر اس کے آنے کا منتظر ہے۔ ٹکسلا سے دریائے ہائی ڈس پیز کے مقام جہلم تک کا جنوب مشرقی راستہ جس کا فاصلہ اس راستے کی مناسبت سے جو اختیار کیا گیا (۱۰۰) یا (۱۱۰) میل ہوگا غالباً پندرہ دن میں طے ہوا۔ کیونکہ راستہ دشوار گذار تھا[1]۔ موسم گرما زوروں

---

[1] سکندر نے ضرور یا تو شمالی راستہ اختیار کیا ہوگا جو درّۂ بکرالہ میں گذرتا ہے اور رہتاس کے پاس سے ہوتا ہوا جہلم کے مقام پر پہنچتا ہے۔ اور یا (۲۰) میل اور جنوب کا راستہ لیا ہوگا جو درّۂ بُنّہار میں سے ہو کر جلال پور کو آتا ہے۔ غالباً اس نے دونوں راستوں کو اختیار کیا۔

پر تھا۔ مگر سکندر کے لئے فوجکشی کے واسطے سب موسم برابر تھے۔ اور وہ فوج کو لئے ہوئے کوچ بر کوچ اور فتح پر فتح کرتا ہوا بغیر برف پوش پہاڑوں۔ اور میدانوں کی آگ کی سی گرمی کی پرواہ کئے آگے بڑھتا تھا۔ مئی کے شروع میں

مئی ۳۲۶ قم

وہ جھلم کے مقام پر پہنچا۔ اور دریائے جہلم کو پہاڑوں کی برف کے پگھلنے کی وجہ سے طغیانی کی حالت میں پایا۔ وہ کشتیاں جن سے کہ سندھ کو عبور کیا گیا تھا۔ ٹکڑے ٹکڑے کر کے گاڑیوں میں لاد کر ساتھ لائی گئی تھیں۔ اور اب ان کو پھر کام میں لایا گیا۔ اور دریائے جھلم کے کنارے پر ان کو جوڑ کر ان کے ذریعے سے پھر دریا کو عبور کیا گیا۔ (ایرین باب ۵ فصل ۸)؎

دریا کو عبور کرنے کی تیاریاں۔

تمام محنت طلب تیاریوں کے باوجود دشمن کی زبردست فوج کے روبرو دریائے ہائی ڈس پیز کے عبور کرنے کا مسئلہ بغیر مقامی حالات کی دقیق واقفیت کے حل نہ ہو سکتا تھا۔ اور سکندر کو آخری فیصلے سے پہلے مجبور ہونا پڑا کہ اول تمام ضروری مقامی حالات سے واقف ہو جائے۔ وہاں پہنچ کے اس نے دیکھا کہ پورس کی فوج جو تعداد میں (۵۰۰۰) ہتی دریا کے دوسرے کنارے پر پڑی ہے۔ یہ بالکل ظاہر تھا مقدونی سواروں کے گھوڑے جن پر کہ سکندر کو سب سے زیادہ اعتماد تھا ہاتھیوں کی کثیر تعداد کے مقابلے میں بلند کناروں پر نہ چڑھ سکیں گے۔ اور اس لئے اس مشکل کو حل کرنے کے لئے کسی نہ کسی حیلے کی ضرورت ہے؎

کشتیوں کی تیاری

اس وجہ سے ایرین کے الفاظ کے مطابق سکندر نے فیصلہ کیا کہ "راستے کو چرالے"۔ آسان ترین طریقہ یہ تھا کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ دریا کے کنارے پہنچنے کے بعد وہ میدان جنگ کو خود منتخب کر سکتا تھا۔ (بیرسن کا مضمون "اسکندر۔ پورس۔ اور پنجاب۔ انڈین انٹی کویری۔ ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۵۳۔ مع نقشہ)۔ ۱۲۔

حملہ آور فوج اکتوبر یا نومبر تک صبر کے ساتھ وہیں پر انتظار کرتی رہے۔ کیونکہ اُس وقت پانی کا زور کم ہو جائے گا۔ اور دریا قابل عبور ہو جائیگا۔ اگرچہ سکندر کے عالی خیالات اس قسم کی حکمت عملی کو پسند نہ کر سکتے تھے۔ مگر اس نے دشمن کو دھوکا دینے اور اس کو خواب خرگوش میں ڈالنے کے لئے فوج میں یہ مشتہر کر دیا کہ وہ موسم کی تبدیلی کا وہیں ٹھیر کر انتظار کرے گا اور زیادہ وثوق کے لئے اس نے اپنی فوج کو گرد و نواح کے علاقے میں لوٹ مار اور سامان رسد کا بڑا ذخیرہ جمع کرنے کے واسطے روانہ کیا۔ ساتھ ہی اس کے جہازات کا بیڑا ابھی دریا میں ادھر اُدھر چکّر لگاتا اور کسی پایاب جگہ کی تلاش میں رہا۔ جیسا کہ ایرین نے لکھا "اس تمام کارروائی کی وجہ سے پورس نہ تو آرام لے سکا اور نہ اپنی تمام تیاریوں کو ایک جگہ جمع کر سکا۔ تاکہ مقابلے کے لئے کسی ایک جگہ کو سب پر ترجیح دیکر وہاں اپنی فوج کو اکٹھا کر دے" (باب ۵ فصل ۹)۔ بڑے جہاز اور چھوٹی کشتیاں پوشیدہ طور پر بنائی گئیں۔ اور ان کو دریا کے بالائی حصوں کے جنگلوں اور ٹاپوؤں میں چھپا دیا گیا۔ ان ابتدائی تیاریوں میں چھ یا سات ہفتے تمام ہو گئے۔ اس اثناء میں برسات کا آغاز ہو گیا تھا۔ اور طغیانی میں زیادتی ہو گئی تھی۔ زمین کے حالات پر نہایت غور و فکر کے بعد سکندر کو یہ معلوم ہوا کہ دریا کو سلامتی کے ساتھ عبور کرنے کی بہترین جگہ کیمپ سے آگے (۱۷) میل کے فاصلے پر ہے۔ جہاں دریا یکا یک ایک طرف مڑ جاتا ہے۔ اور وہاں اس کا کشتیوں میں سوار ہونا بھی کنارے کی ساخت اور بلٹ پو کے سبب جو گھنے جنگل سے معمور ہے چھپا رہے گا۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد سکندر نے فوراً اس پر عمل کیا۔ اور یہ عمل ایرین کے قول کے مطابق نہ صرف "نہایت انتہا دلیرانہ" تھا۔ بلکہ کامل پیش بینی اور احتیاط پر مبنی تھا۔

شروع جولائی ۳۲۶ ق م
پس انداختہ فوج۔

اس نے ایک بڑی فوج کے ساتھ جس میں ٹکسلا کے (۵۰۰۰) آدمی بھی شامل تھے کریٹراس کو پیچھے چھوڑا کہ وہ جہلم کے کیمپ کی حفاظت کرے اور اس کو نہایت دقیق ہدایات کیں کہ کس طرح وہ اس فوج کو عام حملے کے وقت مدد کرنے میں

استعمال کرے۔ کیمپ اور عبور کرنے کی جگہ کے عین درمیان میں تین افسر مع تنخواہ دار سوار اور پیادہ فوج کے مقرر کئے گئے۔ اور ان کو حکم دیا گیا کہ جونہی وہ دیکھیں کہ ہندوستانی لڑائی میں مشغول ہو گئے ہیں دریا کو عبور کر لیں۔ فوج کے تمام حصے ان سنتریوں کے ذریعہ سے جو کنارے پر مقرر تھے ایک سلسلے میں جکڑے ہوئے تھے۔

شبخون کی تیاری

جب پیش بندیوں کی تکمیل ہو چکی تو سکندر نے بذات خود (۱۰۰۰) یا (۱۲۰۰۰) آدمیوں کی چیدہ جماعت کو جس میں پیادے سوار۔ تیر انداز۔ اور (۵۰۰۰) مختلف قسم کے سوار شامل تھے، دریا کو عبور کرنے کے لئے اپنے ساتھ لیا۔ نگاہوں سے بچنے کے لئے اس نے رات کے وقت کیمپ سے تھوڑی دور کوچ کیا۔ اس کی نقل و حرکت اس رات کے طوفان ابر و باد کے سبب اور بھی پوشیدہ رہی۔ اور مقام عبور پر وہ بلا دسواس آپہنچا۔ اور چھوٹے اور بڑے جہازوں اور کشتیوں کے بیڑے کو بالکل تیار پایا۔ دشمن کو اس تمام معاملے کا اس وقت تک کوئی شبہ بھی نہ ہوا جب تک کہ یہ بیڑا اُس ٹاپو سے جس پر گنجان جنگل تھا آگے نکل کر کھلے دریا میں نہ پہنچ گیا۔ اور اس طرح صبح کے وقت بغیر کسی مزاحمت کے سکندر نے اپنی فوج کو دوسرے کنارے پر اُتار دیا۔ جب وہ اتر چکا تو اس کو یہ معلوم کر کے مایوسی ہوئی کہ اس کے آگے ایک اور عمیق رود موجود ہے۔ جس کو عبور کرنا ضروری ہوگا۔ بہت مشکل سے ایک پایاب جگہ ملی۔ اور اسی میں سے سواروں نے جو گلے تک پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور جن کے گھوڑوں کے صرف سر ہی پانی سے باہر تھے بہ ہزار دقت دریا کو عبور کیا۔ پورس کے کیمپ کا صرف ایک ہی راستہ تھا۔ جس سے گذرنا ممکن تھا۔ یہ راستہ بڑے پھیر کا تھا۔ اسی سبب سے فوری مزاحمت بالکل ناممکن ہو گئی۔ اور سکندر کو بلا مزاحمت موقعہ مل گیا کہ اپنی سوار اور فوج کو بغیر کسی مزاحمت کے خشکی پر اتار کر آراستہ کر لے۔

میدان جنگ

اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ ہندی بادشاہ کا بیٹا (۲۰۰۰) سوار اور (۱۲۰) رتھوں کو ساتھ لئے بعجلت تمام مقابلے کے لئے آیا۔

اس ناکافی فوج کو آسانی سے شکست دی گئی۔ اور ان میں (۴۰۰) آدمی مارے گئے۔ اور تمام رتھیں ضائع ہوگئیں۔ مفرور سپاہیوں نے اس حادثے کی خبر پورس کے کیمپ میں پہنچائی۔ اب وہ خود اپنی فوج کی ایک کثیر تعداد کو ہمراہ لیکر لڑائی کے لئے نکلا۔ اور تھوڑی سی فوج وہاں چھوڑ آیا کہ کریٹرس کے مقابلے میں جو اس کے انتظار میں دریا کے پار کنارے پر پڑا ہوا تھا۔ حفاظت کرے۔ ہندوستانی فوج اس مقام پر آراستہ ہوئی جوان کو مل سکتا تھا۔ یعنے وہ میدان جسے کرّی کہا جاتا ہے۔ یہ شمال د مشرق میں نیچی نیچی پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا۔ اور عرض میں زیادہ سے زیادہ پانچ میل تھا۔

ہندوستانی فوج۔ یہ فوج جو ہندی بادشاہ نے ایک دلیر بیرونی حملہ آور کی زد سے اپنے ملک کو بچانے کے لئے اس وقت مہیا کی تھی نہایت ہی شاندار تھی۔ دو سو قوی ہیکل ہاتھی تھے جو ایک دوسرے سے کم از کم ایک سو فٹ کے فاصلے پر کھڑے کئے گئے تھے۔ اس طرح ان کی آٹھ قطاریں بنائی گئی تھیں۔ یہ قلب فوج کے سامنے کا حصہ تھا۔ پورس کو ان ہی مہیب جانوروں پر سب سے زیادہ بھروسہ تھا۔ کیونکہ خیال یہ تھا کہ وہ اجنبی سپاہیوں کو مرعوب کر دیں گے۔ اور اس طرح یونانیوں کے خوفناک سواروں کے رسالے تتر بتر ہو کے قابو سے نکل جائیں گے۔ ہاتھیوں کے عقب میں (۳۰۰۰۰) پیادوں کا انبوہ کثیر تھا جو دہنے بائیں دونوں طرف ہاتھیوں کی قطاروں کے بیچ سے پھیلے ہوئے تھے۔ یہ پیادے آگے بڑھا دیئے گئے تھے۔ اس حالت میں ہندوستانی فوج نے "ایک شہر کی سی صورت اختیار کرلی تھی۔ ہاتھی گویا اس شہر کے برج تھے۔ اور مسلح سپاہ کا یہ معلوم ہوتا تھا کہ دو برجوں کے درمیان کی فصیل ہے"۔ (ڈیوڈرس۔ باب ۱۷۔ فصل ۸۷-) میسرہ اور میمنہ کی حفاظت کیلئے مقابل میں سوار تھے اور ان کے سامنے رتھیں کھڑی تھیں۔ سواروں کی تعداد (۴۰۰۰) تھی اور رتھوں کی (۳۰۰)۔ ہر ایک رتھ میں (۴) گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ اور چھ آدمی ان میں سوار تھے۔ ان میں سے دو تیر انداز تھے جو گاڑی کے دونوں جانب مقرر کئے گئے تھے۔ دو سپر بردار اور دو گھوڑوں کو ہانکنے والے تھے۔

جو گھمسان لڑائی کے موقعوں پر گھوڑوں کی باگوں کو چھوڑ بھالوں سے جنگ کرنے لگتے تھے۔(کرٹئس۔ باب۔ ۸۔ فصل ۱۴)۔

ہندوستانی اسلحہ

پیادوں میں سے ہر ایک آدمی ایک بھاری اور چوڑی تلوار اور بیل کے چمڑے کی لمبی ڈھال سے مسلح تھا۔ان ہتھیاروں کے علاوہ ہر شخص کے پاس یا تو ایک برچھی ہوتی تھی اور کمان۔ کمان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ "وہ تیر انداز کے قد کے برابر ہوتی ہے۔ اس کو وہ زمین پر ٹکا کر۔ اور اپنے بائیں پیر سے اس کو پیچھے کی طرف دبا کر تیر لگاتے ہیں۔ اور اس طرح کمان کے وتر کو پیچھے کی طرف کھینچتے ہیں۔ ان کا تیر لمبائی میں تین گز سے ذرا ہی کم ہوتا ہے۔ ہندی تیر انداز کے تیر کی مزاحمت نہ تو ڈھال کر سکتی ہے۔ اور نہ چار آئینہ۔ اور نہ کوئی اور حفاظت کا آلہ۔ اگر کوئی ایسی ایجاد ممکن ہو۔(ایرین۔ انڈیکا۔ باب ۱۶-)۔

ہندی کمان کا زور بہت تھا۔ مگر وہ ایسی بے ڈھنگی تھی کہ تیز رفتار مقدونی سواروں کے حملے کو نہ روک سکتی، تھی۔ سطح زمین پر پھسلن تھی اس وجہ سے ہندی سپاہی اپنے ہتھیار کو زمین میں نہ گاڑ سکے۔ اور سکندر کے سپاہیوں نے اس سے پہلے اُن پر حملہ کر دیا کہ وہ اپنے ہتھیاروں کو ٹھیک کر سکیں۔(کرٹئس۔ باب ۸۔ فصل ۱۴) ہندی سوار جن میں سے ہر ایک کے پاس دو برچھے اور ایک ڈھال تھی۔ سکندر کے سپاہیوں کے مقابلے میں جسمانی طاقت اور فوجی تربیت و ترتیب میں کچھ نہ تھے۔ (ایرین۔ باب ۵۔ فصل ۱۷)۔

اس فوج اور ان ہتھیاروں کے زعم میں پورس اس طبّاع سپاہ دار کے مقابلے کے لئے تیار تھا جس کا نظیر دنیا میں کبھی پیدا نہیں ہوا۔

سکندر کی فوجی تدابیر

سکندر کو معلوم ہو گیا کہ اگر مختصر سی فوج نے دشمن کے قلب پر حملہ کیا تو کامیابی کی امید بے سود ہے۔ اور اس لئے اس نے ارادہ کیا کہ سوار فوج ہندی میسرہ پر حملہ کرے تو کامیابی کا قوی احتمال ہے اس نے چھ ہزار پیادہ سپاہ کے افسروں کو حکم دیا۔ کہ وہ منتظر خاموش کھڑے رہیں۔ اور اس وقت تک جنگ شروع نہ کریں جب تک وہ نہ دیکھ لیں کہ ان سواروں کے حملے نے جو بذات خود سکندر کے زیر کمان تھے۔ ہندی پیادہ اور سواروں میں اضطراب نہیں پیدا کیا۔

جنگ کا پہلا حصہ

اس نے جنگ کا آغاز اس طرح کیا کہ ایک ہزار سوار تیراندازوں کو ہندی فوج کے میسرہ کے مقابلے کے لیٔے روانہ کیا۔ جو یقیناً دریا کے کنارے کے قریب تک پھیلی ہوئی ہو گی۔ ان تیراندازوں نے اپنے تیروں سے ایک طوفان برپا کر دیا۔ اور نہایت تندہی سے حملے کیٔے۔ ان کے پیچھے سوار فوج تھی جس پر سکندر خود کمان کر رہا تھا۔ ہندی میمنہ کی سوار فوج بعجلت تمام عقب کے راستے سے اپنی میسرہ کے ساتھیوں کو بچانے کے لیٔے روانہ ہوئی۔ مگر اسی اثنا میں یونانیوں کے دو رسالے کیانوس کے زیر کمان جن کو خاص اسی مقصد کے لیٔے سکندر نے فوج سے علیحدہ رکھا تھا۔ نہایت تیزی سے پورس کی جمی ہوئی فوج کے سامنے سے گذرے۔ اور میمنہ کے گرد پھر کر ہندی رسالے اور رتھوں پر عقب سے حملہ آور ہوے۔ اب اس وقت جبکہ ہندی رسالے کوشش کر رہے تھے کہ اپنے مقابل کو اس حملے سے بچانے کے لیٔے کچھ تبدیلی کر لیں۔ ان میں خواہ مخواہ کچھ اضطرابی حرکت پھیل گئی۔ اور سکندر کو موقع مل گیا۔ اس نے عین اسی وقت جبکہ ہندی فوج کا رسالہ اپنا رخ بدل رہا تھا۔ ان پر سخت ہلہ کیا۔ ہندی میمنہ و میسرہ دونوں بالکل پاش پاش ہو گئے۔ اور لوگ "ہاتھیوں کے زیر سایہ اس طرح پناہ لینے کے لیٔے بھاگے جس طرح کوئی قلعے کی دیوار کے پیچھے پناہ لیتا ہے"۔ اس طرح جنگ کے پہلے حصے کا خاتمہ ہوا۔

جنگ کا دوسرا حصہ

اب مہاوتوں نے کوشش کی کہ مقدونوی فوج کے درمیان اپنے جانوروں کو بڑھایا جاے تاکہ اس مصیبت کو کسی طرح روکیں۔ مگر اب فلینکس آگے بڑھا۔ اور اس نے لڑائی میں حصہ لینا شروع کیا۔ مقدونوی سپاہیوں نے ہاتھیوں پر اور ان کے سواروں پر متواتر برچھیاں برسانی شروع کیں۔ یہ جانور دیوانہ وار آگے بڑھے۔ اور فلینکس کی ان گندھی ہوئی قطاروں کو جن میں اضطراب پیدا کرنا انسان کی طاقت سے باہر تھا اپنے پیروں سے روند ڈالا۔ ہندی سواروں نے اس نازک موقع کو غنیمت سمجھا اور پہلی شکست کا بدلا اتارنے کے لیٔے پھر کر سکندر کی سوار فوج پر حملہ آور ہوے۔ مگر ہندی اس کام کے قابل نہ تھے جس کے پورا کرنے کی انھوں نے کوشش کی۔ اور پسپا ہو کر

ہاتھیوں کے درمیان میں پھنس کر رہ گئے۔ لڑائی کا دوسرا حصہ اب ختم ہوا۔

جنگ کا تیسرا حصہ

تیسرا اور آخری حصہ مقدونی سواروں کے حملے سے شروع ہوا۔ جنھوں نے ہندی فوج کی شکستہ قطاروں پر گھوڑے ڈال کے خون کے دریا بہا دیئے۔ دن کے آٹھویں ساعت۔ (پلوٹارک۔ لائف۔ باب ۶۰)

کشت وخون کے اس تلاطم میں جنگ ختم ہوئی۔ جس کو ایرین کے لفظوں میں بہترین طریقے سے بیان کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس کا بیان ان لوگوں کے چشم دید بیانات پر مبنی ہے جو اس جنگ میں شریک تھے۔

ہندیوں کی شکست

وہ لکھتا ہے کہ "اب چونکہ ہاتھی ایک تنگ مقام میں گھر گئے تھے۔ انھوں نے اپنوں کو بھی اتنا ہی نقصان پہنچایا جتنا کہ اپنے دشمنوں کو۔ انھوں نے ان کو رخ بدلنے اور بھاگنے کی حالت میں روند ڈالا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سواروں کا کثیر تعداد میں قتل عام ہوا۔ کیونکہ وہ ہاتھیوں کے گرد ایک تنگ مقام میں گھرے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے مہاوت مارے گئے۔ اور ہاتھیوں میں سے بھی چند زخمی ہو گئے تھے۔ ان کے سوا جتنے اور بچے انھوں نے زخمی ہونے اور مہاوت کے نقصان کی وجہ سے جنگ میں اپنے فریق کا ساتھ نہ دیا۔ بلکہ زخموں کی تکلیفوں کی وجہ سے دیوانہ وار بلا امتیاز دشمن و دوست سب کو ڈھکیلنا۔ روندنا۔ اور ہر ممکن طریقے سے مارنا شروع کیا۔ اس کے برخلاف مقدونوی فوج کھلے ہوئے وسیع میدان میں تھی۔ اُن کی نقل وحرکت کو کوئی چیز مانع نہ تھی۔ جب ہاتھی حملہ کرتے تو وہ ان کے راستے سے ہٹ جاتی۔ اور جب وہ واپس جانے لگتے تو ان کا تعاقب کر کے ان پر برچھیوں سے حملہ کرتی۔ اس کے برعکس ہندی جوان جانوروں میں گھرے ہوئے تھے وہ ان کے غیظ و غضب کے بہت کچھ شکار ہوئے۔

"جب ہاتھی بالکل تھک گئے۔ اور ان کی شورش کم ہوئی تو وہ ان جہازوں کی طرح جو پانی پر ڈگمگا رہے ہوں پیچھے ہٹے۔ اور دشمن کی طرف مُنہ نہ کیا۔ اسوقت سکندر نے اپنے رسالے سے تمام ہندی فوج کو گھیر لیا۔ اور اشارہ کیا کہ پیادہ فوج اپنے پرے جمائے اپنی ڈھالوں کو ملائے ہوئے فلینکس کی طرح آگے بڑھے۔

اس طرح ہندیوں کے رسالے کے تھوڑے ہی سوار بچے ہونگے باقی تقریباً بالکل تباہ ہو گئے پیادہ فوج کا بھی یہی حشر ہوا - کیونکہ اب مقدونی ہر طرف سے ان کو گھیرے ہوئے آگے بڑھے چلے آتے تھے۔

"یہ حالت دیکھ کر سب کے سب مقدونی فوج میں جہاں کہیں ان کو ذرا سی راہ نظر آئی بھاگ کر نکل گئے"۔

پورس کی گرفتاری اس اثنا میں کریٹراس اور دوسرے افسروں نے جو مقابل کے کنارے پر چھوڑے گئے تھے دریا کو عبور کیا۔ اور انکی تازہ دم فوج نے ہزیمت خوردہ سپاہیوں کا تعاقب شروع کیا۔ ہندی فوج بالکل فنا ہو گئی۔ ہاتھی یا تو مارے گئے اور یا قید ہوئے رتھیں برباد ہو گئیں۔ (۳۰۰۰) سوار اور کم از کم (۱۲۰۰۰) پیادے مارے گئے۔ اور (۹۰۰۰) قید ہوئے مقدونیوں کا نقصان زیادہ سے زیادہ (۱۰۰۰) کا ہوا۔

خود پورس جو ساڑھے چھ فٹ قد کا اونچا مضبوط اور توانا آدمی تھا۔ آخری وقت تک لڑتا رہا۔ مگر آخر کار نو زخم کھا کے نیم مردہ حالت میں گرفتار ہوا۔ سکندر اپنے بہادر حریف کے ساتھ نہایت ہی عالی ہمتی سے پیش آیا۔ اور بکشادہ پیشانی اس کی مغرورانہ درخواست کا جواب دیا کہ "وہ بادشاہ کی طرح سلوک کا متمنی ہے"۔ فاتح نے نہ صرف مفتوح راجہ کو پھر اس کا آبائی ملک دیدیا۔ بلکہ اپنی طرف سے بہت وسیع علاقہ اس میں بڑھا دیا۔ اور اس فیاضی کی وجہ سے ہندوستان کے قلیل قیام کے دوران میں اسکو اپنا ممنون احسان اور وفادار دوست بنا لیا۔[۱]

---

[۱] عبور دریا۔ تاریخ و موقع جنگ کے مابہ النزاع مسائل کے لئے دیکھو ضمیمہائے ش۔ ط۔ ج۔ کیونس کی نقل و حرکت کے متعلق اختلاف آراء ہے۔ مگر مجھے کتاب کی عبارت بالکل صاف معلوم ہوتی ہے۔ آسانی سے نقل و حرکت کرنے والے رسالے کے لئے یہ کچھ مشکل کام نہ تھا کہ وہ پورس کی فوج کے سامنے سے گذر جائے۔ اگرچہ یہ کام اُس وقت ناممکن ہوتا اگر اس فوج کے پاس بندوقیں ہوتیں۔ ایرین کی جنگ کے متعلق صاف بیان کو اگرچہ زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ مگر دوسرے مصنفوں سے بھی اس میں مدد لی گئی ہے۔ ۱۲۔

بوک فلا اس فتح کی یادگار قائم کرنے کے لیئے دو شہروں کی بنیاد ڈالی گئی - ایک نکیا - جو میدان جنگ کے مقام پر ہی واقع تھا - اور دوسرا بوک فلا - جو اس مقام پر واقع تھا جس جگہ سکندر نے ہائی ڈس پیز کو عبور کیا تھا - اس دوسرے شہر کا نام سکندر کے مشہور گھوڑے کے نام پر رکھا گیا تھا - جس نے اس کو اتنے خطرناک مقامات سے صحیح و سلامت گذار دیا تھا - اور اب تکان ماندگی - اور بڑھاپے کے سبب آخر کار جان دی - بوک فلا اپنے موقع کے لحاظ ایسے مقام پر تھا جہاں سے مغرب کی سمت سے ہندوستان کے وسط کے علاقے میں شاہراہ گذرتی تھی - اس لیئے ایسا مشہور اور اہم شہر ہو گیا کہ پلوٹارک نے اس کو سکندر کے سب سے بڑے شہروں میں شمار کیا - یہ شہر تقریباً اسی مقام پر واقع تھا جہاں آجکل جہلم شہر آباد ہے - اس کے موقع کا نشان زیادہ صحت کے ساتھ وہ بڑا ٹیلا ہے جو موجودہ شہر کے مغرب میں واقع ہے [1]

نیکیا نیکیا کے موقع کا جس کو بوک فلا کی سی شہرت کبھی نصیب نہ ہوئی - اس قدر صحت کے ساتھ تعین نہیں کیا جا سکتا - مگر وہ غالباً میدان کرّی کے جنوب میں سکھ چین پور گاؤں کے مقام پر آباد تھا - یہی وہ مقام ہے جو سکندر کا میدان جنگ تھا [1]

جنگ کا یادگار تمغا اس جنگ کی یادگار سکّے کی صورت میں وہ مشہور عجیب و غریب تمغا ہے جو اب برٹش میوزیم میں محفوظ ہے - اس کے ایک طرف تو ایک مقدونی سوار اپنے سامنے ایک بھاگتے ہوئے ہاتھی کو

---

[1] ایرین نے (باب ۵ - فصل ۲۰) بوک فیلس کی موت کا ذکر صحیح کیا ہے - بوک فلا کے موقع کو میری تسلی و تشفی کے قابل ایبٹ نے معلوم کیا (آن دی سائٹ آف نیکیا اینڈ بوک فلا ج - اے - ایس - بی ۱۸۵۲ء صفحہ ۲۳۱) - مذکورہ بالا ٹیلا مقامی طور پر پنڈی کے نام سے مشہور ہے - اور بڑی بڑی پرانی اینٹیں اور یونانی سکّے اس میں پائے جاتے ہیں - بوک فلا کا ذکر پلینی نے پٹنگر کی فہرست (باب ۶ - فصل ۲۰) پیری پلس کے مصنف نے (فصل ۴۷) اور پلوٹارک نے (فارچون آف اسکندر خطبہ اول - ۹) میں کیا ہے کننگھم کا دریافت کیا ہوا موقع اس وجہ سے رد کر دیا گیا ہے کہ اس نے عبور دریا کا مقام جلال پور کو قرار دیا ہے - ۱۲

ہانک رہا ہے۔ جس پر دو آدمی سوار ہیں۔ اور دوسری طرف سکندر کھڑا ہے۔ رعد کا ایک چابک اس کے ہاتھ میں ہے۔ اور سر پر ایرانی خود ہے۔ مسٹر برسکلے ہیڈ کے نزدیک ایسے وجوہ ہیں جن سے وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ وہ تمغا ہے جسے سکندر نے ان مقدونی افسروں کو انعام دینے کے لیئے ہندوستان میں مسکوک کیا تھا جو اس جنگ میں شریک تھے[1]۔

گلاسیا۔ اور پورس ثانی

سکندر نے بڑی شان وشوکت کے ساتھ مقتولین کی تجہیز وتکفین کرنے کے بعد حسب دستور قربانیاں کیں۔ اور تفریح کا سامان بہم پہنچایا۔ اس کے بعد اس نے کریٹرس کو فوج کے ایک حصے کے ساتھ پیچھے چھوڑا۔ اور حکم دیا کہ چوکیوں کو قلعبند کرے۔ اور وسائل آمد ورفت کو کھلا رکھے۔ خود بادشاہ نے فوج کے چند دستوں کو ساتھ لیکر گلاسیا۔ یا گلاکینکوئی نام ایک قوم پر حملہ کیا۔ جس کا علاقہ پورس کے ملک سے ملحق تھا۔ سینتیس بڑے بڑے شہروں اور بیشمار قصبوں نے فوراً اطاعت قبول کی۔ اور وہ پورس کے وسیع ملک میں شامل کر دیئے گئے۔ نیچے کی پہاڑیوں کے بادشاہ نے جس کو یونانیوں نے ابی سرنر لکھا ہے۔ مقاومت کو فضول اور بے سود دیکھ کر دوبارہ اطاعت قبول کی۔ ایک اور پورس نام کا راجہ جو ہزیمت خوردہ راجہ پورس کا بھتیجا تھا۔ گنڈرس نام ایک علاقے پر حکمراں تھا اس نے ایلچی بھیجے اور اُس بادشاہ کے مطیع ہونے کا جس پر غالب آنا محال تھا۔ وعدہ کیا۔ دوسرے اور خود مختار قبائل نے بھی ان بادشاہوں کی پیروی کی ۔

وسط ماہ جولائی ۳۲۶ق م عبور دریائے اکسینز

سکندر پہلے سے زیادہ مشرقی جانب کو روانہ ہوا۔ اور اکسینز (دریائے چناب) کو ایک نامعلوم مقام پر عبور کیا۔ مگر یہ مقام یقینی طور پر دامن کوہ کے قریب واقع تھا۔ دریا کو عبور کرنے میں اگرچہ کسی قسم کی مزاحمت نہیں ہوئی۔ مگر یہ کام اس وجہ سے دشوار ہو گیا کہ دریا میں سیلاب آیا ہوا تھا۔ اور دھارا اس زور سے چل رہا تھا کہ

[1] دیکھو نیومسمیٹکل کرانکل سنہ ۱۹۰۶ء صفحہ ۹۔ لوح اول۔ نمبر ۸۔

وہ عرض میں (۳۰۰۰) گز (۵ اسٹیڈیا) تھا۔ اور دریا میں بہت سی زبردست چٹانیں تھیں۔ جن سے ٹکرا کر بہت سی کشتیاں پاش پاش ہوگئیں[۱]۔

ہائڈروٹیس کا عبور

سکندر کمک، سامان رسد اور وسائل آمد و رفت کا مناسب انتظام کرنے کے بعد مشرق کی طرف بڑھا چلا گیا۔ اور غالباً سیالکوٹ کے قدیم قلعے کے پاس سے گذرا۔ ہائڈروٹیس (دریائے راوی) کو کیونکہ بغیر کسی مزاحمت کے عبور کر لیا تھا اس لئے ہیفیسٹئن کو واپس روانہ کیا گیا کہ نوجوان پورس کو پھر مطیع کرے جس نے کہ اپنے دشمن چچا کے ساتھ سکندر کے سلوک کو دیکھ کر حسد و رشک کی وجہ سے بغاوت اختیار کی تھی[۲]۔

خود مختار قبائل

سکندر نے جنگ کے لئے اس اہم متحدہ خود مختار قبائل کو اپنا حریف منتخب کیا جس کا سردار کتھوئی کا قبیلہ تھا۔ جو دریائے راوی کے بائیں یا مشرقی جانب آباد تھا۔ اور جنگی معاملات میں بہت کچھ شہرت رکھتا تھا۔ ان کے ہمسایہ قبیلۂ آکسی ڈریکائی۔ جو دریائے ہائی فی سس کے میدان میں۔ اور ملوئی جو دریائے ہائڈروٹیس کے زیریں جانب لاہور کے جنوب میں آباد تھے۔ مشہور زمانہ جنگجو تھے۔ اور اس قبائلی اتحاد میں شامل ہونا چاہتے تھے۔ مگر اب تک شامل نہ ہوئے تھے۔ کتھوئی کی مدد کے لئے اسوقت تک قرب و جوار کے چھوٹے چھوٹے قبیلے بھی آمادہ تھے۔ اور وہ ہولناک مصیبت جو ملوئی پر آنے والی تھی چند روز کے لئے ملتوی ہوگئی[۳]۔

سم پرام اور سنگلا

ہائڈروٹیس کے عبور کے دوسرے دن سکندر نے سم پرام نامی

---

[۱] یہ تمام باتیں جو ایرین نے بیان کی ہیں۔ (باب ۵۔ فصل ۲۰) صاف ظاہر کرتی ہیں۔ کہ اکسینز کو دامن کوہ میں وزیر آباد سے (۲۵) (۳۰) میل شمال کی جانب جہاں میگ کرنڈل نے معبر قرار دیا ہے عبور کیا ہوگا۔ دریائے چناب نے اپنا راستہ بہت کچھ بدل دیا ہے۔ اور نیچے اتر کر (۳) میل کے رقبے میں اپنا رخ تبدیل کیا ہے (ریورٹی صفحہ ۳۴۳)۔ ۱۲۔

[۲] ان قبائل کے صحیح موقع کے متعلق دیکھو مصنف کا مضمون "دی پوزیشن آف دی آٹانومس ٹرائبس آف دی پنجاب کنکرڈ بائی اسکندر دی گریٹ" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس اکتوبر ۱۹۰۳ء) دیکھو نقشہ یہ اسی رسالے سے منقول ہے۔ اور کچھ تبدیل کردی گئی ہے۔ ۱۲۔

ایک شہر کو چند شرائط پر مطیع کیا۔ یہ شہر ایک قوم کی ملک تھا جس کو ایرین اڈرالیستائی لکھا ہے۔ ایک دن آرام کرنے کے بعد اس نے سنگلا کا محاصرہ کرلیا جس کو کتھوئی اور دوسرے متحدہ قبائل نے اپنا سب سے اہم قلعہ قرار دیا تھا۔ ان قبائل نے اپنے کیمپ کو جو نیچی نیچی پہاڑیوں کے دامن میں واقع تھا۔ گاڑیوں کی تین قطاروں سے محفوظ کرکے سخت مقابلہ کیا؛

اسی اثنا میں بڑا پورس محاصرین کی کمک کے لئے (۵۰۰۰) فوج۔ ہاتھی اور محاصرے کی مشین لے کر پہنچ گیا۔ مگر قبل اس کے کہ فصیل شہر میں کسی قسم کا شگاف ہو مقدونی فوج سیڑھیاں لگا کر قلعے پر چڑھ گئی۔ اور متحدین کو شکست[1] دی جن میں سے ہزاروں مارے گئے۔ سکندر کا نقصان مقتولین میں تو صرف (۱۰۰) کا ہوا۔ مگر بارہ سو آدمی زخمی ہوئے۔ جو یقیناً بہت بڑی تعداد تھی؛

اس سخت مقابلے کی سزا دینے کے لئے جو سنگلا کے آدمیوں نے کیا سنگلا کو مسمار کرکے زمین کے برابر کر دیا[1]؛

دریائے ہائی فےسس پر آمد۔

ان دریاؤں کے علاوہ ہائی فےسس (دریائے بیاس) بھی اس اولوالعزم بادشاہ کے راستے میں ابھی اور حائل تھا۔ اور وہ اس کے کنارے پر پہنچکر اس کے عبور کرنے کی فکر کرنے لگا۔ تاکہ اس کے پار کی اقوام کو بھی زیر نگیں کرلے کیونکہ انکے متعلق

[1] سنگلا کے موقعے کے متعلق بہت کچھ لغویات کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ مقام ہندو مصنفین اور ہیون سانگ کے ساکل نام جگہ سے بالکل مختلف تھا۔ کننگھم کا یہ خیال کہ یہ دونوں مقامات ایک ہی ہیں۔ اس کے یہ ماننے کی بنیاد ہوا کہ سانگلا ٹبہ یعنے ضلع جھنگ کے ایک مقام کو سکندر کا سنگلا مقام تبلائے۔ متوفی مسٹر سی۔ جے۔ راجرس نے قطعی طور پر ثابت کردیا ہے کہ یہ خیال غلط ہے۔ (رپورٹ آف سانگلا ٹبہ۔ نیوز پریس لاہور سنہ ۱۹۰۶ء۔ پروسیڈنگس آف اے۔ ایس۔ بی سنہ ۱۸۹۶ء صفحہ ۸۱)۔ سنگلا کا موقعہ جس کو مسمار کر دیا گیا تھا صحت کے ساتھ معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ مگر وہ گرداسپور کے ضلع میں واقع تھا۔ ساکل۔ مہرا گل کے پائے تخت کے مقام پر موجودہ سیالکوٹ کا شہر آباد ہے۔ شمال عرض بلد ۳۲°۔ ۳۰'۔ مشرق طول بلد ۷۴°۔ ۳۲'۔

مشہور تھا کہ وہ نہایت جنگجو کاشتکار ہیں۔ ایک قابل تعریف حکومت امراء کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور ان کی زمینیں سرسبز و زرخیز ہیں جن میں زبردست اور قوی ہیکل ہاتھی بکثرت پائے جاتے ہیں ؂

سکندر کا خطبہ

سکندر نے یہ دیکھکر کہ اس کی فوجیں پرانی خوشی اور جوش کے ساتھ اس کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں۔ اور نہ وہ اس بات پر راضی ہیں کہ اور دور و دراز مقامات پر اس کے ہمرکاب رہیں۔ اس نے ان کے جوش و خروش کو نئے سرے سے مشتعل کرنے کے لئے نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں ان کو مخاطب کیا جن میں اس نے ہلس پونٹ سے لے کر دریائے ہائی فے سس تک کے تمام قطعۂ زمین کی فتح کا حال بتلایا۔ اور ان سے وعدہ کیا کہ تمام ایشیا کی دولت وہ ان کے ہاتھ میں دے دیگا۔ مگر اس کے ان جملوں کا بالکل کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ فوج نے انھیں نہایت ہی تکلیف دہ خاموشی کے ساتھ سنا۔ اور بہت دیر تک ساکت رہی ؂

کیونوس کا جواب

آخر کار رسالے کے معتمد علیہ افسر کیانوس کو جس نے پورس کی فوج پر حملے میں پیش قدمی کی تھی اتنی ہمت ہوئی کہ سکندر کو جواب دے۔ اور اُس نے بدلائل یہ ثابت کرنا چاہا کہ فوج کی تکلیفوں اور مصیبتوں کی کوئی انتہا ہونی چاہیئے۔ اس نے اصرار کیا کہ بادشاہ اس بات کو یاد رکھے کہ ان یونانیوں اور مقدونیوں میں سے جنھوں نے آٹھ برس قبل ہلس پونٹ کو عبور کیا تھا۔ بعض تو بیمار ہو کر وطن واپس چلے گئے اور بعض نو آباد شہروں میں بلا طیب خاطر جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ بعض زخموں کی وجہ سے بیکار ہیں۔ اور ایک بہت بڑی تعداد وبا اور تلوار کی نذر ہو چکی ہے۔

ستمبر ۳۲۶ ق م

مگر امر واقعی یہ تھا کہ اب سکندر کے جھنڈے تلے بہت ہی کم آدمی رہ گئے تھے۔ اور جو تھے وہ بھی مفلس قلاش۔ دائم المرض۔ غیر مسلح اور مایوسی کی حالت میں تھے۔ اس نے اپنے خطبے کو مفصلۂ ذیل الفاظ پر ختم کیا :-

"اے بادشاہ! عین کامیابی کے دوران میں اعتدال بہترین خوبیوں

میں سے ایک خوبی ہے۔ کیونکہ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ ایسی بہادر فوج کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی انسانی دشمن کی پروا یا خوف نہ ہونا چاہیئے۔ مگر پھر بھی انسان خدا کے قضا و قدر کو نہ تو پیش از وقت معلوم کر سکتا ہے اور نہ اس سے محفوظ رہ سکتا ہے[1]۔

مراجعت کے احکام کیانوس کے یہ الفاظ جس گرم جوشی سے قبول کیئے گئے۔ اس سے اب فوج کے سپاہیوں کے مزاجوں کے متعلق کوئی شک و شبہ نہ رہ گیا۔ سکندر سخت شکستہ دل ہو گیا۔ مگر پھر بھی اپنی بات پر اڑا رہا۔ اور اپنے خیمے میں چلا گیا۔ جب تیسرے دن باہر آیا تو اس کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ اب آگے بڑھنے کا خیال بالکل عبث ہے۔ عین اسی وقت منجموں نے بڑی عقلمندی سے یہ تبلایا کہ۔ دریا کو عبور کرنے کے لیئے شگون اچھے نہیں۔ چنانچہ سکندر نے بادلِ ناخواستہ ستمبر ۳۲۶ء ق م میں فوج کو مراجعت کا حکم دے دیا۔

قربان گاہ۔ اپنی پیش قدمی کے انتہائی مقام پر یادگار کے طور سے اس نے بارہ قربان گاہ تعمیر کرائے جو مربع پتھروں سے بنائے گئے تھے۔ اور پچاس مکعب بلند تھے۔ ان میں سے ہر ایک ایک دیوتا کے نام منسوب کیا گیا تھا۔ اگرچہ فوج نے دریا کو عبور نہ کیا تھا۔ مگر پلنی کے خیال کے مطابق جس کو بظاہر غلط خبر پہنچی تھی۔ یہ قربان گاہ دریا کے دوسرے کنارے پر تعمیر کیئے گئے تھے۔ جہاں وہ مدت تک آئندہ نسلوں کے لیئے حیرت اور عبرت کے منظر رہے۔ ممکن ہے کہ ان کے نشانات اب تک باقی ہوں۔ ان کو بیاس کے سب سے قدیم رود میں کوہستانی اضلاع گرداسپور ہوشیار پور یا کانگڑے میں سے کسی میں تلاش کرنا چاہیئے۔ جہاں سوائے ڈگنے[2] کے اب تک اور

---

[1] کیانوس کا یہ خطبہ جس کو ایرین نے پورا نقل کیا ہے۔ مجھ کو اصلاً ایک حقیقی خطبے کی صحیح روئداد معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ نہیں معلوم ہوتا کہ خود مورخ نے ایک مناسب حال عبارت گڑھ لی ہو۔ ۱۲

[2] ڈگنے کی کتاب۔ اے پرسنل نیرے ٹیو آف اے وزٹ ٹو غزنی۔ کابل اینڈ افغانستان (۱۸۴۰ء) صفحہ ۱۱۔ ممکن ہے کہ اب کوئی مقامی افسر اس مسئلے کو حل کر دے۔ ۱۲

کسی نے انھیں نہیں ڈھونڈا - دانشمند ایرین صرف یہ لکھتا ہے کہ :-

"سکندر نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جس کو اس نے حکم دیا کہ بارہ قربان گاہ تیار کریں جو اونچائی میں سب سے بلند فوجی برجوں کے برابر ہوں۔ وہ ان کو دیوتاؤں کی شکر گذاری میں کہ انھوں نے اس مقام تک فتح و ظفر میں اس کا ساتھ دیا۔ قربان گاہ کے طور پر بھی استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اور اپنے کارناموں کی یادگار کے طور پر بھی ان کو اپنے پیچھے چھوڑنا چاہتا تھا۔ جب یہ قربان گاہ تعمیر ہو چکے۔ تو اس نے دستور کے مطابق ان پر قربانی کی۔ اور کھیل و تفریح میں وقت گذارا۔"

قربان گاہ پر چندر گپت کی عبادت۔

یہ عمارتیں جن کو اس قدر مذہبی رنگ کے ساتھ دیوتاؤں کے نام پر منسوب کیا گیا تھا دو مقصدوں کے پورا کرنے کے لیے تھے۔ تاکہ دنیا کے سب سے بڑے جنرل کی دینداری اور اس کے کارناموں کی سب سے بہتر اور عمدہ یادگار ہو۔ ہندوستان کی سلطنتوں نے جنھوں نے سکندر کی قوت کے آگے سر تسلیم خم کیا تھا ان کی کماحقہ قدر کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوستان کے پہلے شاہنشاہ چندر اگپتا موریا جو سکندر کے فتوحات کا مالک ہوا۔ اور اس کے جانشین صدیوں تک برابر ان قربان گاہوں کی تعظیم کرتے رہے۔ اور ان کی عادت تھی کہ ان پر قربانی چڑھانے کے لیے وہ دریا کو عبور کر کے آیا کرتے تھے۔[۱]

---

[۱] "اس طرح سکندر نے ہرقل کے نام اور انڈراکوٹس (چندراگپتا) نے سکندر کے نام کی عزت کرتے ہوئے خود بھی اعزاز اور وقار حاصل کیا۔" (پلوٹارک تقریباً سنہ ۹۰ء "کس طرح ایک شخص بلا بغض و حسد پیدا کئے اپنی تعریف کر سکتا ہے"۔ نفقرہ (۱۰) مواعظ مصححہ ٹیوبنر مترجمہ شلینٹو)۔ یہی مصنف لائف آف الکزنڈر میں لکھتا ہے کہ "اس نے دیوتاؤں کے نام پر قربان گاہ تعمیر کرائے۔ جن کی کہ پردیسی قوم (یعنے مگدھ) کے بادشاہ اس وقت تک تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ اور دریا کو عبور کر کے ان پر یونانی طریقے سے قربانیاں چڑھاتے ہیں۔ ایرین۔ کرٹئس اور ڈیوڈرس اس بات میں متفق ہیں کہ بارہ قربان گاہیں تعمیر ہوئی تھیں۔ کرٹئس نے مربع پتھروں" کا

سیاحوں کی حکایتیں

لیکن اگر کرٹیس اور ڈیوڈرس کے بیان پر اعتبار کر لیا جائے تو ان یادگار قربان گاہوں کی عظیم الشان سادگی کو بادشاہ کی طفلانہ خود نمائی نے ایک اضافہ کر کے بدنما۔ اور بدصورت کر دیا تھا۔ یہ حکایت سب سے مفصل طور پر ڈیوڈرس نے بیان کی ہے۔ وہ نہایت سنجیدگی کیساتھ لکھتا ہے۔ کہ ان قربان گاہوں کی تکمیل کے بعد سکندر نے حکم دیا کہ فوج کا ایک کیمپ تیار کیا جائے۔ جو اس کی فوج کی قیام گاہ سے تین گنا زیادہ ہو۔ اور گرد ایک خندق پچاس فیٹ چوڑی اور چالیس فیٹ گہری ہو۔ اور ایک فصیل بھی تعمیر ہو جس کا طول عرض بلندی معمول سے بہت زیادہ ہو۔ آگے چل کر حکایت میں بیان کیا گیا ہے کہ "اس نے یہ بھی حکم دیا کہ پیادوں کے لئے مکانات تعمیر ہوں اور ان میں سے ہر ایک میں ایک شخص کے لئے دو پلنگ چار ہاتھ لمبے بنائے جائیں اسکے علاوہ دو مکان جو معمولی مکانات سے دگنے ہوں ہر ایک سوار کے لئے بنائے جائیں۔ اسی طرح جو کچھ مال و اسباب پیچھے چھوڑا جانے والا تھا اس کے متعلق بھی حکم

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- ذکر کیا ہے۔ اور ڈیوڈرس نے پچاس مکعب کی بلندی کا۔ فلاسٹریٹس نے مفصلہ ذیل بیان میں ان سے اختلاف کیا ہے۔ "ہائی ڈروٹیس کو عبور کرنے اور چند اقوام سے گذرنے کے بعد وہ دریائے ہائی فےسس پر پہنچے۔ (۳۰) سٹیڈ اس دریا کے پار وہ ان قربان گاہوں پر پہنچے جن پر یہ عبارت کندہ تھی۔ اب محترم ایمان اس کا بھائی ہرقل۔ اتھینا۔ قضا و قدر خدا اولیمپیا کے زوس۔ سموتھریس کے کبیرائی۔ ہندوستان کے سوریج اور ڈلفیا کے اپالو کے نام پر۔ "کہتے ہیں کہ ایک پیتل کی لاٹ بھی تھی جس پر یہ الفاظ کندہ تھے!" یہاں اسکندر نے قیام کیا"۔ ۱۲

"ان قربان گاہوں کو ہم سکندر کا بنایا ہوا سمجھ سکتے ہیں۔ جس نے اس طرح اپنی سلطنت کے حدود کی شان دکھائی۔ مگر میرا خیال ہے کہ یہ کتبہ دریائے ہائی فےسس کے دوسری جانب کے رہنے والے ہندوستانیوں نے نصب کیا تھا کہ اس سے خود ان کی شان زیادہ ہو جائے کہ انھوں نے اسکندر کو یہاں سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قربان گاہیں جو سات دیوتاؤں کے نام سے معنون کی گئی تھیں دریا کے مغربی کنارے پر واقع تھیں۔ اور غالباً واقعی بات بھی یہی ہے۔ ۱۲-

ہوا کہ بنسبت ۃ وہ بھی دو چند تعداد میں چھوڑا جائے"۔ اس تمام قصے کا یہ منشا ہے کہ ہم سمجھیں کہ ان تمام احمقانہ باتوں سے سکندر ملک کے باشندوں کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ حملہ آور عام آدمیوں سے زیادہ قد آور اور قوی الجثہ تھے[۱۵]۔

اس بات کا یقین کرنا بالکل ناممکن ہے کہ سکندر اس قسم کی خودنمائی کا مرتکب ہوا ہو۔ اور اس حکایت کو بلے تامل اس بنا پر رد کیا جا سکتا ہے کہ وہ اُن حکایتوں کی ایک بگڑی ہوئی صورت ہے جو ان سیاحوں نے جنھوں نے کہ یہ قربان گاہیں دیکھی تھیں بیان کی ہونگی۔

ضمیمہ ث

سکندر کا کیمپ۔ دریائے ہائی ڈس پیز کے عبور کی جگہ۔ اور جنگ پورس کا موقعہ

یہ مسائل قابل حل ہیں

میرے نزدیک دریائے ہائی ڈس پیز کے کنارے پر سکندر کے کیمپ۔ اس دریا کا جائے عبور اور میدان جنگ کا موقعہ ایسے سوالات ہیں۔ جو کافی صحت کے ساتھ حل ہو سکتے ہیں بشرطیکہ قدیم مورخین کے بیانات اور اصلی جغرافی حالات پر بغور و فکر نظر کیجائے۔

دریائے ہائی ڈس پیز

دریائے ہائی ڈس پیز (وتستا۔ بہت یا جھلم) نے پنجاب کے اور دریاؤں کے مقابلے میں اپنا راستہ بہت کم تبدیل کیا ہے۔ اور جلال پور کے شمال کا حصہ جو کہ اس وقت زیر بحث ہے

---

[۱۵] ڈیوڈرس باب ۱۷۔ فصل ۹۵۔ کرٹیس۔ باب ۹۔ فصل ۳۔

اور بھی کم تبدیل ہوا ہے۔ اس طرح ما بہ النزاع سوالات کا حل اس وجہ سے کچھ زیادہ پیچیدہ نہیں ہوا کہ دریا کے قدیم راستے کے متعلق ان میں شکوک کو جگہ دی جائے[1]۔

ٹکسلا

اسی طرح ہندوستان کے اس عظیم الشان شہر ٹکسلا کے متعلق بھی جہاں سے سکندر نے اپنا کوچ اندرونی ملک میں دریائے ہائی ڈس پیز کی طرف شروع کیا کوئی شک و شبہ نہیں۔ اگرچہ اس شہر کے کھنڈروں کے متعلق کننگھم کا بیان اکثر وجوہ سے ناکافی ہے۔ مگر اس کا ٹکسلا کے موقعے کو شاہ ڈھیری یا اس کے قریب کے مقام کو قرار دینا یقیناً صحیح ہے۔ یہ کھنڈر جو محض ٹیلوں کی صورت میں مختلف کھیتوں میں منتشر ہیں راولپنڈی کے شمال مغرب میں (۲۰) میل کے فاصلے پر اور حسن ابدال کے گاؤں کے جنوب مشرق میں تقریباً نو میل کے فاصلے پر واقع ہیں[2]۔

ٹکسلا سے ہائی ڈس پیز تک کا فاصلہ

ٹکسلا کے موقعے سے جہلم کے شہر کا فاصلہ جیسا کہ موجودہ نقشوں سے ظاہر ہوتا ہے صرف (۹۰) میل کا ہے۔ اور ٹکسلا سے جلال پور کا فاصلہ تقریباً تیس اور دریا کے

---

[1] سنسکرت میں اس دریا کا نام وتستا ہے۔ پراکرت میں ودستا کشمیری میں ویتھ۔ پنجابی میں بہت یا وہت۔ مسلمان مصنفین اسکو دریائے جہلم لکھتے ہیں۔ یعنے وہ دریا جو شہر جہلم کے پاس سے گذرتا ہو۔ جہاں شاہ گذر واقع تھا موجودہ دستور کے مطابق دریا کا نام ہی جہلم ہو گیا ہے۔ سوائے اس کے کہ دریائے چناب کے سنگم کے مقام پر اس میں کچھ تبدیلی ہو گئی ہو دریا کے راستے میں اور کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔ مگر خود چناب اکثر اور بڑی حد تک تبدیل ہو گیا ہے۔ (ریورٹی "دی مہران آف سندھ اینڈ اٹس ٹری بیوٹریز"۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ حصۂ اول۔ ۱۸۹۲ء صفحہ ۳۱۹۔ ۳۴۹۔ ۳۳۲۔ سٹائن کا ترجمہ راج ترنگنی جلد دوم صفحہ ۴۱۱)

[2] شاہ ڈھیری شمالی عرض بلد ۳۳ ۔ ۴۵ ۔ ۱۲ ۔ اور مشرقی طول بلد ۷۲ ۔ ۴۹ ۔ ۹ پر واقع ہے (امپیریل گزیٹیر ۱۹۰۸ء)۔ یہ کھنڈر بیس مربع میل میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور کننگھم نے وہاں (۵۵) ستوپ۔ (۲۸) خانقاہیں۔ اور ۹ مندر گنے تھے (رپورٹ۔ جلد دوم صفحہ ۱۵۱)۔ ۱۲

جنوب میں چند میل اور زیادہ ہے۔ شاہ ڈھیری (ٹکسلا) سے جہلم کا شمالی یا بالائی فاصلہ براہ رہتاس و درۂ بکرال (۹۴) انگریزی میل ہے۔ دہ راستے یا پگ ڈنڈیاں جو براہ دوھیال و درۂ بنہار شاہ ڈھیری سے جلال پور کو جاتی ہیں طول میں (۱۰۹) اور (۱۱۴) میل کے درمیان ہیں[1]۔

اس بات پر ہر ایک کو اتفاق ہے کہ سکندر دریائے جہلم پر ضرور جہلم یا جلال پور کے مقام پر پہنچا ہوگا۔ اور ان کے سوا دوسرے مقامات سب بعید از قیاس ہیں۔ یہ دونوں مقام ان قدیم راستوں پر واقع ہیں۔ جہاں پرانے معبر موجود تھے[2]۔

جہلم کا راستہ بظاہر بلاشک و شبہ حملہ آور کا مطمح نظر ضرور جہلم ہی ہوگا۔ جو ٹکسلا کے مقام سے بہت نزدیک ہے۔ اور جہاں پر وہ معبر ہے۔ جو "بہت آسان گذار اور جلال پور کے معبر سے عرض میں صرف ایک تہائی ہے"۔ ان دونوں معبروں کی طرف جانے کا راستہ ناہموار اور دشوار گذار ہے۔ مگر بہر حال جلال پور کی طرف ایک بڑی فوج کو کوچ کرتے ہوئے پیچ در پیچ نمک کے پہاڑوں میں پھنس جانے کا زیادہ اندیشہ ہے۔ اور زیادہ دقتوں کا سامنا ہوگا بہ نسبت اس کے کہ وہ جہلم کے راستے کو اختیار کرے۔ اور اسی لیئے قیاس یہ ہے کہ سکندر نے قریب اور آسان راستہ اختیار کیا ہوگا۔ اور جہلم کے قریب چھاؤنی ڈالی ہوگی۔ یہ رائے کہ اس نے یہ قدرتی اور بظاہر آسان راستہ اختیار کیا تھا برنس۔ کورٹ اور ایبٹ نے ظاہر کی اور یہ تینوں اپنے فوجی تجربے اور مقامی معلومات کی صحت کے لحاظ سے اس قابل تھے کہ معاملۂ زیر بحث میں ان کی رائے مستند سمجھی جائے[2]۔

مگر اس کے برعکس یہ قیاس کہ سکندر کی چھاؤنی جلال پور کے مقام پر

---

[1] کننگھم کی۔ آرکیالوجیکل سروے رپورٹ جلد دوم صفحہ ۱۱۲ اور صفحہ ۱۶۲ - ۱۲ - ۱۹۰ء

[2] ایبٹ۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ سنہ ۱۸۵۲ء صفحہ ۲۱۹ - ۱۲ - ۱۹۰ء

قائم کی گئی تھی۔ اور یہ کہ دریا کو اسی شہر کے چند میل شمال میں عبور کیا گیا تھا۔ ایسے لوگوں کی ذات سے وابستہ ہے جیسے ایلفنسٹن۔ کننگھم۔ اور جیز نی۔ اور چونکہ یہ لوگ یورپ میں اپنے بمقابل علماء سے زیادہ مشہور اور نامور تھے اس لئے باوجودیکہ جلال پور والا نظریہ بعید از قیاس ہے تاہم وہ دنیا کو اس کے منوانے میں کامیاب ہو گئے ہیں؛

کننگھم کے خیالات

اس نظریے کو نہایت تفصیل کے ساتھ کننگھم نے ثابت کیا ہے۔ اس کے دلائل اور بھی زوردار ہو جاتے اگر وہ اس مقام کو بغور دیکھ لیتا جس کو ایبٹ نے کامل پیمایش کے بعد سکندر کا میدان جنگ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ایبٹ کا خیال ہے اگر جنگ کری کے میدان میں ہی ہوئی تھی تو سکندر کی چھاؤنی ضرور جہلم کے مقام پر یا اس کے قریب ہی ہوگی اور دریا کو بھی ضرور اس شہر کے ذرا شمال میں عبور کیا گیا ہوگا۔ مگر بدقسمتی سے کننگھم نے نہ ایبٹ کے دلائل پر غور کیا۔ اور نہ شہر کے شمال میں دریائے جہلم کے راستے کو غور سے دیکھا۔ ۱۸۴۶ء میں یہ نظریہ قائم کر کے کہ سکندر کی چھاؤنی جلال پور ہی کے مقام پر تھی اس نے ۱۸۶۳ء میں جلال پور کے مقام کو بنظر تعمق دیکھا۔ اور اس بات کی کوشش کی کہ کسی طرح جغرافی حالات کو اپنے نظریے کے مطابق بنا لے۔ وہ جنرل ایبٹ کے مضمون کی طرف صرف "ایک عالمانہ مضمون" کہہ کے اشارہ کرتا ہے۔ مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس نے اس کو بغور مطالعہ کیا تھا۔[1]

اس کی دریا کے فاصلے کی دلیل

کننگھم نے جلال پور کو سکندر کی چھاؤنی قرار دینے کے تین بڑے دلائل بیان کیے ہیں۔ ان میں سے تیسرا یہ ہے کہ ایرین کے مطابق (انیس آف الگزنڈر۔ باب ۱ فصل ۲-۴) جہازوں کا بیڑا جب نیکیا کے مقام سے دریائے ہائی ڈس پیز پر سے گذر رہا تھا۔ تو وہ کان نمک کے بادشاہ سوفائی ٹیز کے پایۂ تخت تین دن میں پہنچا۔

[1] رپورٹس۔ جلد دوم۔ صفحہ ۴-۱۷۴-۱۲

کننگھم کے خیال کے مطابق سوفائی ٹیز کا یہ پایۂ تخت احمد آباد کے مقام پر واقع تھا۔ جو ایک بار بردار کشتی کے لیئے جلال آباد سے "ٹھیک تین دن کا راستہ ہے" حالانکہ وہ جہلم سے چند دن کے فاصلے پر ہے[1] اور اس لیئے جلال پور یہ جہلم سے زیادہ ان حالات کیلئے موزوں ہے۔ یہ دلیل جس پر کننگھم نے سب سے زیادہ زور دیا ہے اس بات پر منحصر ہے کہ سوفائی ٹیز کے پایۂ تخت کے موقعے کا صحیح پتہ لگایا جائے۔ اور کیونکہ یہ نشان جو کننگھم نے بتلایا ہے محض قیاس ہی قیاس ہے۔ اور کسی شہادت سے ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیئے وہ دلیل جو ایسے دعوے پر قائم ہو قابل بحث نہیں؛

سٹرابو کی کتاب سے دلیل۔ دوسری اور زیادہ اہم دلیل وہ ہے جو سٹرابو (باب ۱۵۔ فصل ۳۲) کے اس بیان پر مبنی ہے کہ سکندر کا "راستہ ہائی ڈس پیز تک زیادہ تر جنوب کی طرف تھا۔ اور اس کے بعد ہائی پنس (یعنے ہائی فے سس) تک زیادہ مشرقی جانب ہو گیا۔ مگر ہر حالت میں وہ میدانوں کی نسبت پہاڑوں سے زیادہ نزدیک تر تھا"۔ جلال پور بالکل جنوب میں واقع ہے۔ اور اس کے برخلاف جہلم ٹکسلا سے تقریباً جنوب مشرق میں ہے۔ اس لیئے سرسری نظر سے دیکھنے پر جلال پور کا موقعہ چھاؤنی کے لیئے سٹرابو کے بیان کے پہلے حصے کے مطابق بمقابلۂ جہلم کے زیادہ مناسبت رکھتا ہے؛

اس دلیل کی تردید مگر حقیقت میں دونوں مقام عبارت کے مطابق درست ہیں۔ ہم کو اُن مقامات کا کچھ حال معلوم نہیں۔ جہاں پر سکندر نے دریاؤں کو ایک دوسرے کے بعد عبور کیا۔ یعنے اکسینز۔ ہائی ڈراٹیز اور سب سے آخری دریا ہائی فے سس۔ یہ خیال کہ سکندر نے دریائے اکسینز کو وزیر آباد کے مقام پر عبور کیا تھا کسی شہادت پر مبنی نہیں۔ کننگھم اور دیگر

---

[1] رپورٹس جلد دوم صفحہ ۱۸۰ و ۳۸ و ۴۷ و ۳ صفحہ ۲۳ پر کننگھم بیان کرتا ہے کہ بھیرہ سوفائی ٹیز کا پایۂ تخت تھا۔ مگر صفحہ ۳۷ میں وہ یہی دعویٰ احمد آباد کے متعلق کرتا ہے۔ جو دوسرے کنارے پر واقع ہے ۔ ۱۲

مصنفین جو جلال پور کے نظریئے پر زور دیتے ہیں۔ سٹریبو کی عبارت کے اس آخری حصے کو بھول جاتے ہیں۔ کہ تمام راستہ دامن کوہ کے قریب ہی طے کیا گیا تھا۔ ایک اور جگہ (باب ۱۵ فصل ۲۶) سٹریبو یہ ظاہر کرتا ہے کہ سکندر نے اس راستے کو اس وجہ سے اختیار کیا تھا کہ جو دریا اس راستے میں آتے ہیں۔ اپنے منبع کے قریب بہ نسبت اور جگہ کے زیادہ آسانی سے عبور کیئے جا سکتے ہیں؛

میک کرنڈل

میک کرنڈل نے اس عام بیان کو فراموش کر کے جس میں ٹکسلا سے ہائی فے سس تک کا تمام راستہ شامل ہے ایک نقشہ تیار کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سکندر پہاڑیوں سے دور رہا اور جلال پور۔ وزیر آباد۔ لاہور اور امرتسر کے پاس سے ہوتا ہوا پنجاب کے میدانوں میں اتر آیا۔ مگر کوچ کا اصلی راستہ ضرور ہے کہ بہت کچھ شمال کی طرف ہو۔ دریائے ہائی ڈس پیز جس جگہ جہلم کے شمال میں پہاڑوں سے نکلتا ہے۔ اسی جگہ عبور کیا گیا ہوگا۔ اور اس طرح فوج لامحالہ ریاست کشمیر (جموں) کی سرحد۔ کے قریب قریب ہوتی ہوئی سیالکوٹ اور گرداسپور کے پاس سے گذری ہوگی؛

یہ قیاس کہ سکندر نے فوج کے کوچ کے لیئے یہی راستہ اختیار کیا ہوگا۔ سٹریبو کی عبارت کے عین مطابق ہے۔ اگر جہلم سے سیالکوٹ یا اس کے شمال میں ایک لکیر کھینچی جائے تو وہ ٹکسلا سے جہلم کی لکیر کی بہ نسبت کہیں زیادہ مشرقی سمت میں ہوگی۔

اس طرح جلال پور کے نظریئے کو ثابت کرنے کے لیئے کننگھم کی دوسری دلیل بھی تیسری دلیل کی طرح ناقابل قبول ہے؛

پلنی کی کتاب سے دلیل۔

وہ دلیل جس کو کننگھم نے سب سے پہلے بیان کیا ہے۔ اور جس پر کہ وہ سب سے زیادہ زور دیتا ہے۔ پلنی کے ان اعداد پر مبنی ہے جو اس نے پیوکولائٹس (چارسدہ) براہ ٹکسلا سے ہائی ڈس پیز کے فاصلے کے متعلق بیان کیئے ہیں (باب ۶۔

فصل (۲۱) - پلنی نے مفصلۂ ذیل فاصلے بیان کیئے ہیں۔ (۱) بیوکیلفوٹس سے ٹکسلا تک (۶۰) رومی = (۵۵) انگریزی میل۔ (۲) ٹکسلا سے ہائی ڈس پیز تک (۱۲۰) رومی = (۱۱۰) انگریزی میل اور کننگھم بدلائل ثابت کرنا چاہتا ہے کہ یہ فاصلے جہلم کی بہ نسبت جلال پور سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ مگر ایک مشہور بات ہے کہ پلنی کے اعداد عام طور پر غلط ہوتے ہیں۔ مثلاً اسی عبارت میں جس کا حوالہ دیا گیا ہے پلنی نے ہائی ڈس پیز سے ہائی فے سس تک کا فاصلہ (۳۹۰) رومی میل قرار دیا ہے۔ جو ظاہر ہے کہ بالکل غلط ہے۔ اس لیئے پلنی کی موجودہ کتاب کے اعداد پر بھروسہ کرنا تحقیق کے خلاف ہے۔ خود کننگھم کو بھی یہ معلوم تھا کہ بیوکیلفوٹس اور ٹکسلا کے درمیان کا فاصلہ براہ اُہنڈ۔ جہاں سکندر نے دریائے سندھ کو عبور کیا پلنی کے بیان کیئے ہوئے فاصلے سے زیادہ ہے۔ اور اس بنا پر اس نے تجویز کیا تھا کہ کتاب کی عبارت کو صحیح کر دیا جائے۔ (رپورٹ جلد دوم - ۱۱۲) ٭

اس دلیل کی تردید

لیکن اگر ٹکسلا سے دریائے ہائی ڈس پیز کے (۱۲۰) رومی میل کے فاصلے کو صحیح بھی مان لیا جائے۔ تو بھی یہ نظریہ لازمی نہیں ہوتا کہ سکندر کی چھاؤنی جہلم کے مقام پر ہی تھی۔ کننگھم کے بیان کے مطابق (رپورٹ جلد دوم صفحہ ۱۷۹) ایک پرانی سڑک کے لحاظ سے یہ فاصلہ (۹۴) میل کا ہے۔ پلنی کے بیان سے فاصلہ (۱۱۰) انگریزی میل ہے۔ اور اس طرح دونوں میں صرف (۱۶) میل کا فرق ہے اور یہ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کچھ زیادہ نہیں۔ کہ نہایت دشوار ملک میں سے سکندر کے راستے کا ہم کو صحیح علم نہیں اور نہ یہ ہم کو معلوم ہے کہ بائیس صدیوں میں کیا کیا تغیرات وقوع میں آ چکے ہیں۔ اس طرح یہ دلیل جو پلنی کے اعداد پر مبنی ہے خواہ وہ اعداد صحیح ہوں یا غلط بالکل فضول اور ہیچ ہے ٭

پس اس طرح یہ ثابت کر دیا ہے کہ جلال پور کے نظریہ کو ثابت کرنے کے لیئے کننگھم کے تمام دلائل ناکامیاب ہیں۔ اور یہ کہ جہلم کا نظریہ بجائے اس کے کہ سٹرابو کی شہادات کے مخالف ہو بلکہ اس کے مطابق ہے ٭

سرزمین متعلقہ۔

ایلفنسٹن اور کننگھم کا نظریہ سٹرابو کے بیان کے علاوہ

سرزمین گردونواح کے حالات کی وجہ سے اور بھی زیادہ خلاف ہے ؛

ایرین کے بیانات جو کہ ایک محقق مصنف ہونے کے علاوہ بہترین ہمعصر اسناد سے مستفید ہوا تھا۔ اور ان کی ہر ایک شہادت کو پرکھ چکا تھا۔ اس مسئلے کے متعلق نہایت صاف ہیں ؛

دریا کے شمال میں وہ جگہ جہاں سکندر رات کے وقت پوشیدہ دریا کو عبور کرنے کے لئے گیا۔ دریا میں ایک "عجیب وغریب موڑ" پر واقع تھی اور اس نے اس کی نقل و حرکت کے پوشیدہ رکھنے میں مدد دی۔ جلال پور کے شمال میں مندیالہ اور کوتھیرا کے گاؤں کے درمیان جہاں کننگھم معبر قرار دینا چاہتا ہے کوئی ایسا موڑ واقع نہیں (رپورٹس۔ جلد دوم۔ لوح ۶۶) مگر جہلم کے قریب بھونا کے مقام پر جہاں ایبٹ معبر قرار دیتا ہے ایسا موڑ موجود ہے ؛

رات کا کوچ۔ ایرین کے نہایت ہی عمدہ اور شگفتہ بیان (باب ۵ فصل ۱۱) سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سکندر نے یہ رات کا کوچ دریا کے بالکل متوازی کیا تھا جنگل سے گھری ہوئی بلند زمین اور اس عجیب وغریب موڑ کے قریب کے ٹاپو کا ذکر کرنے کے بعد وہ کہتا ہے :-

"یہ بلند زمین اور ٹاپو اس زبردست چھاؤنی سے (۱۵۰) سٹیڈیا (یعنی تقریباً (۱۷) انگریزی میل) تھے۔ مگر تمام کنار دریا کے ساتھ ساتھ اس نے کچھ کچھ فاصلے پر اس طرح ہرکارے مقرر کردیئے تھے کہ وہ اپنی جگہ سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہیں۔ اور تمام فوج میں ان احکام کو سرعت کے ساتھ شائع کردیں جو رات کو بادشاہ کسی مقام سے صادر کرے" ؛

چھاؤنی اور معبر کے عین درمیان ملیگر اور دوسرے افسر مقرر کیئے گئے تھے۔ اور ان کو حکم تھا کہ وہ جونہی یہ دیکھیں کہ ہندی فوج جنگ میں مشغول ہوگئی ہے فوراً تھوڑی تھوڑی تعداد میں دریا کو عبور کرلیں۔ اس کے بعد مورخ لکھتا ہے کہ "سکندر دریا کے کنارے سے بہت کچھ دور چلا گیا تاکہ نظر نہ آسکے"

ان بیانات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سکندر نے اپنے رات کے کوچ میں دریا کے

کنارے کے متوازی تقریباً سیدھا راستہ اختیار کیا۔ مگر پھر بھی اتنا دور تھا کہ وہ دشمن کی نظر سے بچا رہا۔

کننگھم کا قیاس غلط ہے۔

یہ تمام باتیں کننگھم کے اس نظریئے کے بالکل برعکس پڑتی ہیں جو اس نے اپنے نقشے (رپورٹس جلد دوم۔ لوح ۶۶) میں ظاہر کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سکندر کوہستان نمک کے غاروں میں سے ایک مستطیل کے تین اضلاع کے گرد گھوما۔ اور جلال پور سے تقریباً بالکل شمال میں سات یا آٹھ میل ملک کے اندرونی حصے میں داخل ہوا۔ اور پھر مشرقی سمت میں سات میل جانے کے بعد آخر کار دو یا تین میل دریا کی طرف واپس آیا۔ جلال پور کے مقامی حالات کسی طرح بھی رات کے کوچ کے اس بیان کی مطابقت نہیں کرتے جو ایرین نے بیان کئے ہیں اور کننگھم کے نقشے میں دراصل ایک سخت کوشش اس امر کی گئی ہے۔ کہ امور غیر مطابق کو ایک دوسرے سے مطابقت دے دی جائے۔ اور حسب دلخواہ اپنے نظریئے کو غلط بیانات کی بنا پر قائم کر دیا جائے۔

دریا کا بیان

دریا کے وہ حالات بھی جن کو قدیم مورخین نے اس وقت کے متعلق بیان کیا ہے جب سکندر نے اُسے عبور کیا تھا۔ جلال پور کے نظریئے کے بالکل برخلاف ہیں۔ تمام اسناد اس بات پر متفق ہیں کہ عبور کے وقت کوہستان پر برف کے پگھلنے اور بارش کی کثرت کی وجہ سے دریا میں طغیانی آئی ہوئی تھی۔ مگر باوجود اس کے دریا کا عرض صرف چار سٹیڈیا (یا ۸۰۰ گز) تھا۔ حالانکہ اس زمانے میں۔ اواخر جون یا آغاز جولائی میں جلال پور کے مقام پر دریا کا پاٹ اس کے دُگنے سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ دریا کی روانی میں بہت سے ٹاپو اور زیر آب چٹانیں بھی حائل تھیں۔ مگر جلال پور کے مقام پر نہ تو چٹانیں ہیں اور نہ ٹاپو[1]۔

---

[1] جنگ سے قبل جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے پڑی ہوئی تھیں۔ طرفین کے سپاہی پیر کر ان ٹاپوؤں میں آجاتے تھے اور دست بدست لڑتے تھے۔ دریا جو دونوں طرف سے

صحیح نظریہ اگر جلال پور کے نظریئے کو بالکل ترک کر دیا جائے اور سکندر کی چھاؤنی جھلم یا جہلم کے قریب قرار دی جائے۔ تو جغرافی مشکلیں سب حل ہو جاتی ہیں۔ اس وقت یہ معلوم ہو گا کہ سکندر کا رات کا کوچ دریا کے مغربی کنارے کچھ تھوڑے سے فاصلے پر دریا کے تقریباً متوازی کیا گیا تھا۔ اور اس کا رخ دریا کے "عجیب و غریب موڑ" کی طرف اس کی چھاؤنی کے مفروضہ موقعے سے بخط مستقیم (۱۳) یا (۱۴) میل تھا۔ اس فاصلے کو کوچ کیلئے سہولت کے ساتھ (۱۷) میل قرار دیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ راستہ ذرا پیچدار ہو۔ مگر یہ بالکل ناممکن ہے کہ سکندر کے کیمپ کے اصلی موقعے اور جگہ کا پتہ صحت کے ساتھ لگایا جا سکے جہاں کہ فوج اس خطرناک سفر کے لئے کشتیوں میں سوار ہوئی۔ اور یہ ممکن ہے کہ جنرل ایبٹ کے نقشے میں دو یا تین میل کا فاصلہ زیادہ کر دیا جائے ؛

منگلا کے جنوب مشرق میں بھونا کے قریب "عجیب و غریب موڑ" کے پاس کوچ کرنے سے سکندر کو یہ فائدہ بھی ہوا کہ وہ اس قابل ہو گیا کہ ایک محفوظ علاقے میں سے گذر جائے۔ اس کے برعکس دریا کے دوسرے کنارے پر اس کے دشمن کو مجبوراً ایک موڑ کے گرد سے گذرنا پڑا۔ اگر سکندر کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- بلند کناروں سے گھرا ہوا تھا۔ زیر آب چٹانوں کے اوپر سے نہایت تیزی کے ساتھ بہتا تھا (کرٹیس باب ۸۔ فصل ۱۳) دریائے ہائی نے سس کی طرف کوچ کے عرصے میں (۷۰) دن تک فوج ابر و باد کے طوفان میں گھری رہی۔ (ڈیوڈرس باب ۱۸۔ فصل ۹۴ - سٹریبو باب ۱۵ فصل ۲۷) - جولائی میں ایلفنسٹن نے دریا کو جلال پور کے مقام پر ایک میل۔ ایک فرلانگ اور (۲۰۵) پیرچ عرایض اور (۹) سے (۱۴) فیٹ عمیق پایا تھا۔ (تھارنٹن گزیٹیر مضمون جہلم) جہلم کے مقام پر بہ نسبت جلال پور معبر عرض میں صرف ایک تہائی ہے - اور موخر الذکر مقام پر کوئی ٹاپو نہیں پائے جاتے۔ (ایبٹ - جے - اے - ایس - بی ۱۸۵۲ء صفحہ ۲۱۹) - مسٹر پیرسن لکھتا ہے کہ جہلم اور جلال پور کے درمیان میں دارا پور کے مقام پر اب بھی ایسے ٹاپو پائے جاتے ہیں جن پر گھنے جنگل ہیں" ۱۲ ؛

زمانے میں بھی ریگ رواں ایسی جگہ پر موجود تھا جہاں وہ اب ہے تو پورس کی فوجوں کو مقدونی فوجوں تک پہنچنے میں ضرور ایک بڑا چکر پڑتا ہوگا۔ بہر حال وہ فاصلہ جو ہندی فوجوں کو طے کرنا پڑا اس سے کہیں زیادہ تھا جو سکندر نے طے کیا۔

میدان جنگ

جب مقدونی فوج جس میں (۱۱۰۰۰) آدمی شامل تھے۔ دریا کو عبور کرنے کے تمام مصائب پر غالب آگئی اور خشکی پر اتری تو ایک میدان میں داخل ہوئی جسے "کری" کہتے ہیں۔ اور جو شمال و مشرق تمہ تنجی پست پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا۔ یہ میدان زیادہ سے زیادہ پانچ میل چوڑا ہے۔ اور اس میں جنگ کے لئے اگر بہت زیادہ نہیں تو کم از کم کافی جگہ ضرور ہے۔ معبر کے پاس دریا پتھروں کے اوپر سے گذرتا ہے۔ اور ایک ٹاپو جو اس وقت بھی موجود ہے۔ اور "دوسروں سے بڑا ہے" اس جگہ سے بہت مناسبت رکھتا ہے جہاں یونانی مورخین کے بیان کے مطابق سکندر پہلے خشکی پر اترا تھا۔ اور جو اس کے وقت سے اب تک شاید باقی رہا ہو یا نہ رہا ہو۔

سکندر کی ندی

وہ ندی جسے "سکندر کی ندی" کہا گیا ہے۔ اور جو اب بہت کچھ بند ہو گئی ہے۔ وہی ندی معلوم ہوتی ہے جسے مقدونی فوج نے عبور کیا تھا۔ اور وہ اگر بالکل وہی نہ ہو تو کم از کم اسی ندی کے قریب ہوگی جسے سکندر نے عبور کیا۔ جنرل ایبٹ اپنے نقشے کے متعلق یہ کہنے میں بالکل حق پر ہے کہ "اس وقت (۱۸۴۸ء) دریا کی حالت سکندر کے مورخین کے بیانات سے اس قدر مطابق ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ نقشہ بجائے دور آخر کے قدیم زمانے کا ہے" جنرل ایبٹ کا "فاضلانہ مضمون" صبح سے شام تک پورے دو دن کی محنت شاقہ سے کی ہوئی حقیقی پیمائش پر مبنی ہے۔ اور اس کے خیالات کی نہ تو مخالفت ہوئی اور نہ وہ رد کیے گئے۔ کننگھم نے ان کو محض نظر انداز ہی کر دیا تھا۔

گرڈاٹ کی رائے

یونان کا مورخ گرڈٹ ہی ایک ایسا مشہور مصنف ہے جس نے ایبٹ کی محنت کی داد دی ہے۔ اور اس نے مان لیا ہے کہ جنرل کا

مضمون" اس نظریئے کے لیئے کہ معبر جہلم ہی کے قریب تھا بہت کچھ قابل قبول دلائل و براہین سے مملو ہے"۔ مسٹر گروٹ کی یہ رائے بلاشک و شبہ تمام علمی دنیا کی رائے ہو جاتی اگر جنرل ایبٹ کا مضمون اس طرح شائع کیا جاتا کہ وہ سب کے پاس پہنچ جائے۔ مگر چونکہ وہ ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک پرانے رسالے میں تقریباً مدفون ہو گیا ہے اس لیئے بہت کم لوگوں نے اس کو پڑھا ہے۔ اس کے برخلاف سر الگزنڈر کننگھم کی اشاعات سرکاری تھیں اس لیئے زیادہ شائع ہوئیں اور لوگوں نے بلا رد و قدح ان کو تسلیم کر لیا۔

خاتمہ ۔ مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ سکندر نے ہائی ڈس پیز کی طرف کوچ کے لیئے سب سے قریب اور آسان راستہ اختیار کیا تھا۔ وہ دریا کے کنارے جہلم یا اس کے قریب کے مقام پر پہنچا تھا۔ جہاں اس نے چھاؤنی ڈالی۔ اس نے دریا کو اس مقام پر عبور کیا جہاں وہ تنگ اور چھچھلا تھا۔ اور پورس کے ساتھ جنگ کری کے میدان میں واقع ہوئی تھی۔ دریائے ہائی ڈس پیز اور ہائی فےسس کے درمیان کے کوچ کا راستہ صحت کے ساتھ متعین نہیں کیا جا سکتا۔ مگر وہ یقیناً جہاں تک ممکن تھا دامن کوہ کے پاس پاس واقع تھا۔ اور ضرور سیالکوٹ کے پاس سے گذرا ہوگا۔ میجر ریورٹی آنجہانی کی بھی یہی رائے تھی۔ اس نے مجھے ۱۹۰۵ء میں لکھا تھا "سکندر کے ہائی ڈس پیز کے معبر کے متعلق میں تم سے بالکل متفق ہوں۔ مجھکو اچھی طرح یاد ہے کہ جب جنگ گجرات[1] کے بعد ہم نے سکھوں اور افغانوں کے تعاقب میں دریا کو عبور کیا تھا تو اسی مقام کو اختیار کیا تھا جس کا تم نے ذکر کیا ہے۔ اس وقت بھی اس معاملے پر بحث ہوئی اور جنرل ایبٹ کے نظریئے کے موافق ہی فیصلہ ہوا تھا۔ ہم کو بہر حال سکندر کے جنگی معلومات کے متعلق تو معترف ہونا چاہیئے۔ یہی وجہ اس کے لیئے کافی ہوگی کہ وہ دریاؤں کے منبع کے قریب قریب رہے تاکہ ان کو بآسانی عبور کر سکے۔ اور اس طرح شمالی کوہستان نے اس کی فوج کے پہلو کو محفوظ رکھا ہوگا"۔

[1] جنگ گجرات ۲۱ - فروری ۱۸۴۹ء کو ہوئی - اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا - ۱۲ -

ضمیمہ ج

جنگ ہائی ڈس پیز کا سن وقوع

اصل سن مشکوک ہے

قدیم مورخین کی اس شہادت کا ذکر کہ دریا میں طغیانی آئی ہوئی تھی۔ اور جنگ سے پہلے۔ اس کے دوران میں اور اسکے بعد بارش لگاتار ہوتی رہی گذشتہ ضمیمہ (ث) میں آچکا ہے۔ اسی شہادت سے بلا کسی قسم کے شک وشبہ کے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ جنگ ضرور اواخر جون یا آغاز جولائی میں ہوئی ہوگی۔ لیکن اس کے علاوہ اور چند صریح بیانات ایسے ہیں جو سنین کے تعین کا ادعا کرتے ہیں۔ اور ضروری ہے کہ ان پر غور کرلیا جائے۔

ایرین کا پہلا بیان

ایرین کا پہلا بیان یہ ہے کہ یہ جنگ گرمی میں آفتاب کے انقلاب صیفی کے بعد واقع ہوئی۔ یعنے ۲۱-جون کے بعد یہ بیان بلاشبک وشبہ صحیح ہے۔ کیونکہ یہ دریا کی حالت کے متعلق شہادت اور ڈیوڈرس کے اُس بیان کے مطابق ہے کہ جب فوج ہائی فےسس پر پہنچی تو وہ (۷۰) دن تک برق وباد کے طوفان کا مقابلہ کرچکی تھی۔

ایرین کا دوسرا بیان

مگر ایرین کا دوسرا بیان (انیبسن آف الگزنڈر۔ باب ۵ فصل ۹) کہ جنگ "ماہ مُنی کیان میں اس سال لڑی گئی جبکہ ہے گے مان ایتھنز میں آرکن تھا" ایک حد تک غلط ہے۔ اسکے علاوہ ڈیوڈرس کا یہ بیان (باب ۱۷ فصل ۸۷) کہ جنگ سے پہلے کے موسم بہار میں ٹکسلا میں داخلہ اس سال ہوا" جبکہ کریمس ایتھنز کا آرکن تھا جس میں کہ رومیوں نے پبلس کارنی لیس اور آلس پوسٹیوئیس کو اپنا کونسل مقرر کیا" بظاہر قطعی غلط ہے۔ اس میں کونسل اور آرکن میں سے کوئی بھی درست نہیں ہے۔

تقویم مقدونی

اس واقعے کے اصلی ماخذ یعنے سکندر کی فوج کے مقدونی افسروں نے اس کی تاریخ کو مقدونی تقویم کے مطابق

بیان کیا ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ مورخین کے بیانات میں اس غلطی کی وجہ سے تفاوت پڑ گیا ہو جو مقدونی سنین کو رومی یا ایٹک کے سنین میں تبدیل کرنے سے واقع ہو گئی ہو۔ اور جیسا کہ مسٹر ہوگر تھ نے لکھا ہے کہ موجودہ زمانے کے کسی عالم کے لئے یہ ناممکن ہے کہ اس تبدیلی کو جانچ پڑتال سکے۔ کیونکہ مقدونی تقویم کے متعلق ہمارے معلومات نہایت ہی ناقص ہیں۔ اور ان طریقوں کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں جن سے کہ مقدونی سنین کو دوسرے سنین میں تحویل کر کے بیان کیا جاتا تھا[۵۱]۔

منی کئیان۔ یہ یقینی ہے کہ جنگ ۳۲۶ ق م میں واقع ہوئی۔ اور اس کے مقابلے کے ایٹک سن (ال ۲/۴ ۱۱۳) کے متعلق فرض کیا جاتا ہے کہ وہ ۲۵۔ جون ۳۲۷ ق م کو شروع ہوا اور ۱۵۔ جون ۳۲۶ ق م کو ختم ہوا[۵۲]۔ لیکن دسویں مہینے منی کئیان کو اگر ہم سال میں ایک فاضل مہینہ بھی شامل کر دیں تب بھی ۱۳۔ جون کے بعد تک اس کو نہیں لایا جا سکتا۔ اور اگر اور مہینہ زیادہ نہ کیا جائے تو منی کئیان ۱۴۔ مئی یا اس کے قریب ختم ہو جاتا ہے۔ مگر جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں جنگ ۲۱۔ جون کے بعد واقع ہوئی تھی۔ اور اس طرح یہ بالکل ظاہر ہے کہ "ایرین نے ایٹک مہینے کا نام غلط لکھا ہے۔ قلمی نسخے میں بجائے منی کئیان کے میٹاجیٹان پڑھنے کی تجویز جیسا کہ گروٹ نے لکھا ہے "محض قیاس" ہی ہوگا۔ اور اس کے علاوہ یہ تاریخ ہے گے مان کے آرکن ہونے سے اور بھی زیادہ دور پڑتی ہے۔

آرکن۔ کریس یقیناً ہے گے مان کے بعد آرکن ہوا اور اگر انگر ایٹک سن ۳۲۶ ق م کو

---

[۵۱] ہوگر تھ کی فلپ اینڈ الکزنڈر آف میسیڈون (مرے ۱۸۹۷ء) ضمیمہ۔

[۵۲] دیکھو انگر کی زائٹ رخیلنگ ڈر گریخن اُنڈ رومر (رومی و یونانی علم سنین و تواریخ) مطبوعہ گرنڈ رسیس ڈیس کلیس۔ آلٹرتھم (اقوام قدیم کا خاکہ) صفحات ۷۳۴-۷۴۲-۷۵۵۔ مگر ان تحقیقات کے نتائج مشکوک معلوم ہوتے ہیں۔ دیکھو اس کے علاوہ کننگھم کی انڈین ایراز صفحہ ۱۰۳ و ۴۴ و ۳۹۔ اور میک کرنڈل کے "ان ویشن آف انڈیا بائی الکزنڈر دی گریٹ" (طبع دوم) کا پہلا حاشیہ صفحہ ۲۷۴۔ ۱۲

۱۵- جون کو ختم کرنے میں حق بجانب ہے تو ڈیوڈرس اگرچہ اس کا ٹکسلا میں داخلے کو کریمس کے آرگن ہونے کے ساتھ مطابقت دینا غلط ہی ہو مگر اس حالت میں وہ بالکل صحیح ہوگا اگر وہ اپنے ناظرین پر صرف یہ ظاہر کرنا چاہتا ہو کہ جنگ اس وقت واقع ہوئی جب کریمس آرگن ہوچکا تھا۔ لیکن جیسا کہ دیگر مصنفین کا خیال ہے اگر کریمس ۸ اجولائی سے پہلے آرگن ہی نہیں ہوا تو ایرین کا یہ بیان صحیح ہوگا کہ جب جنگ ہوئی تو ہے گے مان آرگن تھا۔

اس غلطی کی تصریح۔ ایرین کی مُنی کیشان کے ذکر کرنے کی غلطی کی بظاہر اس طرح تاویل کیجا سکتی ہے کہ سکندر اس مہینے میں دریا کے کنارے پر پہنچا تھا۔ اور ایک ذرا سی غلطی کی وجہ سے اس کے دریا کے کنارے پر پہنچنے کی تاریخ کو جنگ پورس کی تاریخ قرار دے لیا گیا ہے۔ بادشاہ کی دریا کو عبور کرنے کے لیئے زبردست خفیہ تیاریوں میں ضرور بہت سا وقت کم از کم چھ یا سات ہفتے خرچ ہوئے ہونگے۔ اور اگر چھاؤنی ماہ مُنی کیشان یعنے اوائل مئی میں قائم کی گئی تھی تو لڑائی ضرور جون کے اواخر میں یا غالباً اوائل جولائی میں ہوئی ہوگی۔

خاتمہ۔ کامل اور یقینی صحت ناممکن الحصول ہے۔ اور گروٹ کے ان الفاظ کی حد سے باہر جانا بھی ناممکن ہے کہ " جہاں تک رائے قائم کیجا سکتی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنگ آخر جون یا شروع جولائی ۳۲۶ ق م میں موسم برسات کے شروع ہونے کے بعد ہوئی تھی سو وہ ہے گے مان کے آرگن ہونے کا زمانہ کا ختم۔ اور کریمس کے آرگن ہونے کے زمانے کا آغاز تھا۔"

۱ہسٹری آف گریس۔ جلد ۱۲۔ صفحہ ۸۱ حاشیہ مطبوعہ ۱۸۶۹ء۔ مگر مسٹر پرسن صاحب کی رائے دریاؤں کے متعلق تمام سال اور ہر حالت میں اس کے ذاتی علم پر مبنی ہے۔ لکھتا ہے کہ " ہائی ڈس پیز کے عبور کرنیکی اصلی تاریخ جیسا کہ آرین نے لکھا ہے ہے گے مان کے آرگن ہونے کے زمانے ہی میں مُنی کیشان کے مہینے میں تھی۔ اور یہ کہ مُنی کیشان اس سال بجائے جون میں واقع ہونے کے اپریل میں واقع ہوا تھا یہ نہایت ضروری تھا کہ طغیانی سے پہلے دریا کو عبور کر لیا جائے۔ اور اس مفروضہ دیر کی کوئی

میں ہے گے مان کے آرکن ہونے کو ایرین کی سند پر مان لیتا ہوں۔ اور یقین کئے لیتا ہوں کہ جنگ اوائل جولائی ۳۲۶ء ق م میں ایٹکسن کے آخری مہینہ سیکرد فورین میں کریس کے آرکن ہونے سے چند روز قبل ہوئی تھی؂

باب چہارم

سکندر کی ہندوستان پر فوجکشی: مراجعت

اکسینز کی طرف مراجعت

مراجعت کرتی ہوئی فوج پھر اُنھیں قدموں واپس ہوئی اور بلا کسی قسم کے واقعات و مزاحمت کے اکسینز (دریائے چناب) کے کنارے پہنچی ہے فے اسٹین نے ایک قلعہ بند شہر کی تعمیر اسی وقت ختم کی تھی۔ گردونواح کے علاقے میں سے لطیب خاطر آباد ہونے والے اور تنخواہ دار سپاہیوں سے وہ لوگ جو لڑنے بھڑنے کے قابل نہ تھے اس قلعے اور شہر میں بسا دیئے گئے۔ اور سکندر نے دریاؤں کی راہ سے بحر اعظم کے سفر کی تیاری کی؂

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ وجہ نہیں بتلائی جاتی" (انڈین انٹی کویری شمارہ ۱۹۰۵ صفحہ ۲۵۷)۔ مسٹر میرمن اس طرح اس بات پر مجبور ہے کہ ہماری تمام تاریخی اسناد کے موسم کے متعلق بیانات کو رد کر دے۔ مگر "اس مفروضہ دریا کی نہایت سادہ تصریح یہ ہے کہ سکندر اس سے پہلے پوشیدہ طور پر دریا کو عبور نہ کر سکا۔ اور اس طرح مجبوراً اس کو سب سے بدتر حالات سے کام پڑا جن میں کہ پورس کے ہوشیار رہنے کی وجہ سے وہ پڑ گیا تھا۔ ۱۲؂

صوبہ دار کا تقرر

اسی وقت تحت کوہستانی علاقوں (جو آجکل راجوری اور بھمبر اور برطانی علاقہ ہزارا کے نام سے مشہور ہیں) کے بادشاہوں کے ایلچی خراج لیکر حاضر ہوئے۔ سکندر نے جو اپنے ہندی فتوحات کو اپنی سلطنت کا مستقل جزو سمجھتا تھا۔ اور یقیناً اس ملک میں واپسی کا ارادہ رکھتا تھا ابھسار (بھمبر اور راجوری) کے علاقے کے بادشاہ کو اپنی طرف سے صوبہ دار مقرر کیا۔ اور اُرسا (ہزارا) کے بادشاہ پر بالادستی کے اختیارات عطا کیئے۔ اس بادشاہ کا نام ایرین نے آرسکیز لکھا ہے[1]

کمک

اسی اثنا میں ایک امدادی فوج جس کی بہت ہی ضرورت تھی تھریس سے (۵۰۰۰) سوار اور (۷۰۰۰) پیادوں کے مجموعی انداز سے میں آئی۔ جس کو بادشاہ کے چچازاد بھائی ہرپلس صوبہ دار بابل نے بھیجا تھا۔ اس کے ساتھ (۲۵۰۰۰) زرہ بکتر تھے جن میں سنہری روپہلی کام تھا۔ یہ نئے اسلحہ فوراً فوج میں تقسیم کر دئیے گئے۔ اور پرانے جلا دیئے گئے[2]

سفر کیلئے تیاریاں

پھر سکندر ہائڈس پیز (دریائے جہلم) کی طرف بڑھا۔ اور اس کے کنارے پر غالباً اُس مقام پر ٹھیرا جہاں پہلے پورس کی چھاؤنی تھی۔ اب چند ہفتے دریائی سفر کی آخری تیاریوں میں صرف ہوئے۔ تمام دیسی ساخت کی کشتیاں جو دریا پر موجود تھیں اس کام کے لئے بیگار میں لے لی گئیں۔ اور جو کمی رہی تھی اس کو نئی کشتیاں تیار

---

[1] آرسکیز کا نام غالباً اُرسا ہی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اور اسکی ظاہر بایقین شکل محض اتفاقی ہے۔ ۱۲ ک

[2] کرٹیس باب ۹ فصل ۳۔ ڈیوڈرس (باب ۱۷۔ فصل ۹۵) نے اس سے زیادہ بڑی۔ اور بعید از قیاس تعداد بیان کی ہے۔ یعنے (۳۰۰۰۰) پیادے اور (۶۰۰۰) سوار۔ مگر زرہ بکتر کی تعداد کے متعلق دونوں مورخوں کا اتفاق ہے۔ ان کیلئے باربرداری کی بہت کچھ ضرورت ہوتی ہوگی۔ ڈیوڈرس یہ اور اضافہ کرتا ہے کہ اس کے ساتھ ہی (۱۰۰) ٹیلنٹ دوائیں بھی آئی تھیں ک

کرکے پورا کیا جن کے لئے قریب و جوار کے جنگلوں میں بکثرت سامان موجود تھا۔ بحری کام سے واقف جو قومیں ساحل پر آباد تھیں ان کی امدادی افواج یعنی فنیشیا۔ قبرس۔ اور مصر کے لوگوں سے ملاحی کا کام لیا گیا۔ جو فوج کے ساتھ تھے۔ چنانچہ اکتوبر ۳۲۶ ق م کے آخر تک تیاری پوری ہوگئی تھی۔ یہ بیڑا جس میں (۸۰) (۳۰) چپوؤں کے آٹھ جہاز۔ اور گھوڑوں اور دیگر ہر قسم کے سامان کے لئے باربرداری کی کشتیاں تھیں۔ غالباً سب ملاکے (۲۰۰۰) کشتیوں پر مشتمل تھا۔[۱]

پورس کے درجے میں ترقی۔

سفر کے شروع کرنے سے پہلے سکندر نے اپنے افسروں اور ہندی راجاؤں کے ایلچیوں کو ایک مجلس میں جمع کیا۔ اور ان کے سامنے پورس کو ہائیڈس پیز اور ہائی فے سس کے درمیان کے تمام مفتوحہ علاقے کا بادشاہ بنا دیا۔ ان علاقوں میں بیان کیا گیا ہے کہ سات قومیں گلاسائی۔ کتھوئی وغیرہ آباد تھیں۔ اور ان میں (۲۰۰۰) شہر تھے۔ اسی موقعے پر پورس اور اس کے قدیم دشمن راجہ ٹکسلا کے درمیان صلح کرادی گئی۔ چنانچہ اس صلح کو خاندانوں کے باہمی ازدواج نے بھی تقویت دی۔ ٹکسلا کا راجہ جو فاتح حملہ آور کی خدمت گزاری میں اپنے حریف سے سبقت لیجانا چاہتا تھا۔ اپنے مقبوضہ علاقے دریائے سندھ اور ہائیڈس پیز کے درمیانی ملک کا بادشاہ تسلیم کیا گیا۔

---

[۱] ایرین۔ (انبس آف الکزنڈر باب ۶ فصل ۲) نے لیگاس کے بیٹے ٹولمی کی سند پر بیان کیا ہے۔ جو آخر میں مصر کا بادشاہ ہو گیا۔ یہی مصنف اپنی کتاب انڈیکا میں (فصل ۱۹) غالباً نیارکس کی سند پر جہازوں کی تعداد (۸۰۰) بیان کرتا ہے۔ کرٹئس اور ڈیوڈرس کا اندازہ (۱۰۰۰) لکھا ہے۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ (۸۰۰۰) فوج۔ کئی ہزار گھوڑے۔ اور بے شمار سامان ساتھ لیجانا تھا۔ ٹولمی کا بڑھا ہوا اندازہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ بعض مولفین نے محض اپنے خیال کی بنا پر انڈیکا کے (۸۰۰) کی بجائے (۱۸۰۰) لکھدیا ہے۔ مگر اصلی اور صحیح تحریر (۸۰۰) ہی ہے۔ ۱۲

سوبھوتی کی سلطنت

سکندر اپنی فوج کے عقب اور پہلوؤں کی نگرانی اور یورپ سے اپنے دور دراز فوجی مرکزوں کے ساتھ سلسلۂ آمد و رفت کے قایم رکھنے سے کبھی غافل نہ ہوتا تھا۔ اس وقت بھی اس نے ہے فے اسٹئین اور کریٹراس کو حکم دیا کہ بعجلت کوچ کر کے راجہ سوبھوتی (سوفائی ٹیز) جو دریائے جہلم سے دریائے سندھ تک کے کوہستان نمک کے زیریں علاقے کا بادشاہ تھا۔ اُس کے پائے تخت پر فوراً قبضہ کر لے۔ اس نے بغیر جنگ اطاعت قبول کر لی[۱]

سپہ سالاران فوج

بیڑے کو (۱۲۰۰۰) آدمیوں کی ایک فوج سے اور زیادہ محفوظ کیا گیا۔ جو دریا کے دونوں کناروں پر مذکورہ بالا سپہ سالاروں کی سرکردگی میں کوچ کرتی تھی۔ دریا کے داہنے یا مغربی کنارے کی فوج کی کمان کریٹراس کے ہاتھ میں تھی۔ اور فوج کا بڑا حصہ جس میں کہ دو سو ہاتھی بھی شامل تھے بائیں یا مشرقی کنارۂ دریا پر ہے فے اسٹیئان کے ماتحت تھا۔ دریائے سندھ کے مغربی ممالک کے صوبہ دار فلپس کو حکم تھا کہ تین دن بعد عقب کی فوج کے ساتھ اُن کے پیچھے آئے۔

اکتوبر ۳۲۶ قبل مسیح۔ پہلے اتصال دریا کی طرف سفر

اس طرح محفوظ ہو کر اس عظیم الشان بیڑے نے اپنا مشہور سفر شروع کیا۔ سکندر نے دریا کے دیوتاؤں اپنے جدّ اعلیٰ ہرقل۔ ایمان اور دوسرے دیوتاؤں کے نام پر جن کی وہ

۱؎ سوفائی ٹیز کی سلطنت کے موقعے سٹریبو (باب ۱۵۔ فصل ۳۰) کے اس بیان سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں "ایک نمک کا پہاڑ شامل تھا۔ جو تمام ہندوستان کے ملک کے لئے کافی تھا"۔ کرٹئس (باب ۹۔ فصل ۱) نے سوفائی ٹیز کی سلطنت ہائی فے سس کے مغربی کنارے پر غلط بیانی کی ہے۔ اور میک کرنڈل نے اسی کی پیروی کی ہے۔ اس کے نقشے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلطنت امرتسر کے شمال میں واقع تھی۔ جو بالکل ناممکن ہے۔ کننگھم (اینشنٹ جیاگریفی صفحہ ۱۵۵) سوفائی ٹیز کے پایۂ تخت کو جہلم کے مغربی کنارے پر بھیرا کے مقام کو قرار دیا ہے۔ ممکن ہے کہ غلط ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ صحیح ہو۔ ۱۲ مؔ

پرستش کرتا تھا سونے کے ایک پیالے میں شراب چڑھائی۔ اور طبل بجوا کے کوچ کا حکم دیا۔ نہایت شاندار جلوس کی صورت میں بغیر کسی قسم کی بے ترتیبی یا بدنظمی کے جہازوں نے لنگر اُٹھایا۔ اور ان دیسیوں کی حیرت بھری نگاہوں کے سامنے جو دونوں طرف کناروں پر کھڑے تھے اپنا دریائی سفر شروع کیا۔ ہزار ہا ڈانڈوں کی چھپ چھپ حکموں کی پکار۔ اور ملاحوں کے گیتوں نے قرب و جوار میں ایک ہمہمہ پیدا کر دیا جو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک گونج رہا تھا۔ اور منہ کھلے حیرت زدہ تماشائیوں کے مزید تحیر کا باعث تھا۔ تیسرے دن یہ بیڑا ایک مقام پر جو غالباً بھیرا تھا پہنچا۔ جہاں کریٹراس اور ہیفےسٹیاں کو حکم دیا گیا تھا کہ دریا کے دونوں کناروں پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے اپنے خیمے لگائیں۔ یہاں دو دن قیام کیا گیا۔ تاکہ فلپس کی عقب کی فوج بھی آملے۔ اس سپہ سالار کے وہاں پہنچنے پر حکم دیا گیا کہ اُسے عقب کے بجائے مقدمۃ الجیش میں تبدیل کر دیا جائے اور وہ دریا کے کنارے کنارے کوچ کرے ‡

اس جگہ سے سفر کر کے پانچویں دن بیڑا اُس مقام پر پہنچا۔ جہاں ہائی ڈس پیز اپنے سے بڑے دریا اکسینیز سے ملتا تھا۔ وہ راستہ جہاں کہ ان دونوں دریاؤں کے پانی ملتے تھے۔ اس وقت ایسا تنگ تھا کہ وہاں بہت خطرناک گرداب پڑتے تھے۔ اور ان کی وجہ سے بیڑے میں بہت بے ترتیبی اور بدنظمی پڑ گئی۔ دو جنگی جہاز مع اپنے آدمیوں کی ایک بڑی تعداد کے غرق ہو گئے۔ اور قریب تھا کہ وہ جہاز جس میں سکندر سوار تھا اسی ورطہ بلا میں پڑ جائے۔ بادشاہ اور دوسرے افسروں کی نہایت ہی سخت محنت و مشقت کے بعد بیڑے کا بڑا حصہ ایک محفوظ راس کے قریب لنگر انداز ہوا۔ اور تلافیِ مافات کی تدبیریں کی گئیں ‡

اتصال کا موقعہ

اس مقام کو صحت کے ساتھ معلوم کرنا جہاں یہ واقعات پیش آئے ناممکن ہے۔ تمود عرض بلد شمال۔ ۳۱ - ۱۰) کے مقام پر اس وقت ان دونوں دریاؤں کا اتصال نہایت سکون کے ساتھ

ہو جاتا ہے۔ اور اب وہ خصوصیتیں نظر نہیں آتیں جن کا ذکر ایرین اور کرٹیئس نے اس شد و مد کے ساتھ کیا ہے۔ صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ سکندر کے زمانے میں یہ مقام اتصال بہت کچھ شمال کی طرف واقع ہوگا۔

دریاؤں کے راستے

پنجاب اور سندھ کے دریاؤں کے راستوں کے متعلق ہمارا صحیح علم سنہ ۱۲۷۱ء میں سکندر کی فوج کشی سے ایک ہزار سال سے زیادہ کے بعد شروع ہوتا ہے۔ ان تبدیلیوں کے متعلق جو ان ہزار سال میں واقع ہوئیں ہمکو کچھ معلوم نہیں۔ مگر اس بارہ سو برس میں جو عربوں کی فتوحات کے بعد گذری ہیں یہ معلوم ہے کہ بے انتہا تبدیلیاں واقع ہوگئی ہیں۔ اور یہ یقینی ہے ایسی ہی تبدیلیاں سکندر اعظم اور محمد ابن قاسم کے درمیانی زمانے میں بھی ہمیشہ فطرتی اسباب و علل سے ہوئی ہونگی۔ اس زمانۂ معلومہ کے دوران میں۔ زلزلے۔ طغیانیاں۔ سطح زمین کے نشیب و فراز میں تبدیلیاں۔ زمین کی تباہی اور افزونی۔ اور آب و ہوا کی تبدیلی یہ سب وہ اسباب و علل ہیں جنھوں نے سطح زمین کے تغیر و تبدل میں بہت کچھ کام کیا ہے۔ دریائے سندھ کا ڈیلٹا (۵۰) میل سے زیادہ آگے بڑھ گیا ہے۔ اور اس طرح دریاؤں کے راستوں کو بہت بڑھا دیا ہے۔ اور ساتھ ہی ان کے پانی کے زور اور اتار چڑھاؤ کو کم کر دیا ہے۔ ایک زبردست دریا یعنے ہکرا یا واہندہ جو بیکانیر۔ بہاولپور اور سندھ کے ویران میدانوں کو سرسبز و شاداب کرتا تھا معدوم ہوگیا ہے۔ دریائے بیاس (ہائی فے سس) نے اپنا قدیم اور غیر مشترک راستہ چھوڑ دیا ہے۔ اور ستلج[1] کا ایک معاون دریا

[1] ریورٹی نے اس دریا کے نام کا تلفظ مختلف طور پر شتغلج۔ شتلاج۔ اور شتلج لکھا ہے۔ اس دریا کو جسے سنسکرت میں ستادرو کہتے ہیں شاذ و نادر ہی یونانی اور رومی مصنفین نے کسی ذریعے لکھا ہے۔ سٹرابو کا بیان کیا ہوا ہائی پے فس۔ دراصل ہائی فے سس ہی کی ایک دوسری شکل ہے پہلی ایڈیشن کا ایک نقاد لکھتا ہے۔ "اس عجیب و غریب بیان سے اختلاف کیا جا سکتا ہے کہ قدیم زمانے میں بیاس دریائے ستلج کا معاون نہ تھا (صفحہ ۵۰) کیونکہ رگ وید میں لکھا ہے کہ ایک دریا

ہوگیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے دریاؤں مثلاً سندھ جہلم (ہائی ڈس پیز) چناب (اسکنیز) اور راوی (ہائی ڈرو ٹیز) کے راستے اور مقامات اتصال متعدد مرتبہ تبدیل ہوتے رہے ہیں ۱۲

تعین موقعہ کی کوشش بیکار ہے

یہ امور اگرچہ بلاشک و شبہ درست ہیں۔ مگر ان کو عملی طور پر سکندر کے تمام مورخین فراموش کر دیتے ہیں۔ اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ موجودہ نقشوں سے وہ اس کے دریائی سفر کا خاکہ دکھلا سکتے ہیں۔ اور مختلف دریاؤں کے کناروں پر تمام شہروں کے موقعے قرار دے سکتے ہیں۔ مگر یہ سب تعینات عبث ہیں۔ کوئی شخص یہ نہیں بتا سکتا کہ قدیم راستوں میں سے کس میں دریائے چناب یا کوئی اور دوسرا دریا بہتا تھا۔ اور یہ بالکل صاف و صریح ہے کہ جب دریاؤں کے موقعے متعین نہیں ہو سکتے۔ تو ہم ان کے کناروں پر شہروں کے محل وقوع کے معلوم کرنے میں کیوں کر کامیاب ہو سکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو کچھ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے۔ کہ سفر کے راستے کو ظن غالب کے طریقے سے بتا دیا جائے۔ اور ان اقوام کے محل سکونت کو ظاہر کر دیا جائے جن سے سکندر کو سابقہ پڑا۔ ان شہروں اور دریاؤں کے سنگم اور معابر کے موقعوں کا پتہ لگانا جن کو قدیم مورخین نے لکھا ہے محال ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں دریاؤں کا طول آجکل کے زمانے سے بہت کم تھا۔ اس لئے ان کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ دوسرے سے ملجاتا " صرف وہ مقام جہاں رگ وید میں وپاس کا ذکر ہے۔ تیسرا باب۔ ۳۳ راگ ہے۔ اور اسکی یہ تاویل کیجا سکتی ہے کہ دونوں دریا ایک دوسرے کے کم و بیش متوازی بہتے تھے نہ یہ کہ وہ مل بھی جاتے تھے۔ وپاس اور ستدرے کے متعلق برہی ہدیو تا مصححہ میک ڈانل۔ جلد اول صفحہ ۱۱۴) میں حوالے کا موازنہ کرو۔ پنجاب کے تمام دریاؤں میں ستلج سب سے زیادہ بدلنے والا دریا ہے۔ جب سے کہ بیاس کا نام تاریخ میں سنا جاتا ہے اس نے سنہ ۱۷۹۰ء میں پہلی دفعہ اپنا راستہ بدلا۔ اور مشرق کی طرف ہو کر ستلج سے جاملا۔ جو اسی وقت مغرب کی طرف ہٹ گیا۔ (ریورٹی صفحات ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ دیکھو آئندہ حاشیہ) ۱۲

مقامات اتصال آجکل کے مقامات سے بہت زیادہ شمال کی طرف ہوں گے۔
اور اس نتیجے کو دریاؤں کے قدیم راستوں کے مشاہدے سے اور زیادہ تقویت پہنچتی ہے۔ ان چار مقامات اتصال سے جن کا ذکر ایرین نے کیا ہے اکسینیز اور ہائی ڈس پیز کا سنگم اس زمانے میں غالباً موجودہ شہر جھنگ سے بہت دور واقع نہ ہوگا۔ اور تقریباً شمالی عرض بلد ۳۱° ہوگا؎[1]

سبوئی اور اگلسوئی سکندر نے یہاں اپنی فوجوں کو خشکی پر اُتارا کہ قرب وجوار کی قوموں سبوئی اور آگلسوئی کو مطیع کرے۔ اور ان کو قریب کی زبردست قوم ملوی (سنسکرت مالوا) سے جو دریا کے زیرین حصے میں بستی تھی اور جن کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ مقابلے کی تیاری کر رہی ہے۔ نہ ملنے دے۔
سبوئی نے جو بیان کیا جاتا ہے کہ وحشی قومیں تھیں۔ اور جنگلی جانوروں کی کھالیں

؎[1] یہ بیان ریورٹی کے قابل قدر مضمون "دی مہران اینڈ اِٹس ٹری بیوٹریز۔ اے جیاگرافیکل اینڈ ہسٹاریکل سٹڈی" (جے۔ اے۔ ایس۔ بی سنہ ۱۸۹۲ء حصۂ اول) پر مبنی ہے جس میں بے شمار نقشے ہیں۔ اور جس پر ابتک ویسی توجہ نہیں کی گئی جیسی چاہئے تھی۔ یہ مضمون جس میں (۵۹۰) حاشیے ہیں اپنے طرز بیان میں ایسا ناقص ہے کہ اس کا مطالعہ مشکل ہے۔ سکندر کی ہندی مہم کے متعلق خیالات تمام مضمون اور حاشیوں میں پراگندہ ہیں۔ اور مختلف قسموں کے مضامین میں ملے جلے ہوئے ہیں؎
موجودہ تقرر موقعہ کی بیکاری کے متعلق دیکھو صفحہ ۱۵۵ - ۲۲۶ - ۲۵۱ - ۴۶۹ - اور نوٹ ۵۳۹ - وغیرہ - دریائے ہائی ڈس پیز (جہلم) کے لئے دیکھو صفحہ ۵۲ - ۳۳۶ - اکسینیز (چناب) صفحہ ۵۲ - ۳۳۶ - ہائی ڈرؤٹیز (راوی) صفحہ ۱۷ - ۳۵۲ - ہائی فے سس (بیاس - یا بیاہ) صفحہ ۹۰ - ۱۷۳ - ستلج صفحہ ۱۸/۲ - ۳۹۱ - ہکرا صفحہ ۲۲ - ۴۱۸ - وصفحہ ۶۶ - ۵۴۴ - نتائج صفحہ ۵۰۸ - ۴۶۹ - زلزلے اور سیلاب صفحہ ۳۹۲ - ۴۶۸ - ۴۷۰ وغیرہ - سطح زمین کی تبدیلی صفحہ ۳۰۰ وصفحہ ۴۷۰ - ساحل کی توسیع صفحہ ۲۷۲ (نوٹ ۵۳۳) صفحہ ۳۱۷ - ۴۶۹ - ۵۰۱ وغیرہ - آب وہوا کی تبدیلی صفحہ ۲۸۲ - ۳۵۳ و ۴۱۷ - تمام مضمون اس قابل ہے کہ اس کا نہایت غور سے مطالعہ کیا جائے۔ مصنف نے پورے حوالے بھی دیئے ہیں۔ اور اس طرح اسکے تمام بیانات کی تصدیق بھی کیجا سکتی ہے؎

پہنے ہوئے اور ڈنڈوں سے مسلح تھیں۔ اطاعت قبول کرلی۔ اور ان کی آزادی برقرار رکھی گئی۔ اگلسوئی (۴۰۰۰۰) پیادے اور (۳۰۰۰) سوار جمع کر لینے میں کامیاب ہو گئے۔ اور مقابلہ کرنے کی ہمت کی۔ ان کا انجام نہایت عبرت انگیز ہوا۔ انبوہ کے انبوہ تلوار کی نذر ہوئے۔ اور بے شمار غلام بنا کر بیچ ڈالے گئے۔ سکندر ان کے ملک کے اندرونی حصے میں تیس میل تک چلا گیا۔ اور ان کے پایۂ تخت کو فتح کرلیا۔ ایک دوسرے شہر پر اسے سخت مقابلہ پیش آیا۔ جس میں کہ بہت سے مقدونیوں کا نقصان ہوا۔ باشندے جو تعداد میں (۲۰۰۰۰) کہے جاتے ہیں۔ جب کامیابی سے مایوس ہو گئے تو شہر کو آگ لگا دی۔ اور اپنے آپ کو مع بیوی بچوں کے اس آگ میں جھونک دیا۔ مگر قلعہ اس آگ کی زد سے بچ رہا۔ اور ایک حصۂ فوج وہاں چھوڑا گیا۔ اس کے محافظین میں سے (۳۰۰۰) کی جان بخشی کی گئی۔[۱]

[۱] ایرین۔ انبس آف الکزنڈر۔ باب ۶۔ فصل ۵۔ کرٹئس باب ۹ فصل ۴۔ ڈیوڈرس باب ۱۷۔ فصل ۹۶۔ اگلسوئی کو صرف ڈیوڈرس نے مشہور کیا ہے۔ جس کا بیان ہے کہ سکندر نے شہر کو آگ لگائی۔ شہر کے باشندوں کا بطیب خاطر جل مرنیکے بیان میں کرٹئس کا تتبع کیا گیا تھا۔ کیونکہ یہ واقعہ ہندوؤں کے رسم و رواج کے عین مطابق ہے۔ اور آئندہ بہت دفعہ ایسا ہوا ہے۔ سبوئی غالباً ان نیم وحشی خانہ بدوش جاٹوں کے آبا و اجداد تھے جو اب اس علاقے میں رہتے ہیں۔ جغرافی حالت کے مباحثے کے لئے دیکھو میرا مضمون "دی پوزیشن آف دی آٹونومس ٹرائبس آف دی پنجاب کنکرڈ بائی الکزنڈر دی گریٹ" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ اکتوبر ۱۹۰۳ء) ان اقوام کا ذکر سنسکرت ادبیات میں ساتھ ہی ساتھ آتا ہے۔ ڈیبر لکھتا ہے کہ آپسلی جس کا ذکر پینی نے کیا ہے۔ مرکب لفظ "کشودرک مالوا" کا بیان کرتا ہے "یعنے کشودرک اور مالوا کی فوج"۔ (جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ حصہ اول جلد ۶۱ صفحہ ۹۰)۔ مہابھارت میں ان کو ساتھ بیان کیا ہے کہ یہ کوروکی فوج میں شامل تھے (بہ گیئر جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ ۱۹۰۸ء صفحہ ۳۲۹ جس میں مہابھارت باب ششم۔ ۲۱۰۶۔ ۲۵۸۴۔ ۲۶۴۶۔ ۳۱۵۲۔ ۳۸۵۳۔ ۴۸۰۸۔

دوسرے مقام اتصال کی طرف سفر

یہ واقعات غالباً جھنگ کے شمال مشرق میں پیش آئے۔ اور یہ تمام فوجی کارروائی سکندر کے معمول کے مطابق اپنی فوج کے عقب اور پہلو کو محفوظ رکھنے کے لیئے کی گئی تھی۔

یہاں یہ خبر معلوم ہوئی کہ ملوئی۔ آکسی ڈریکائی اور دریائی وادیوں کی رہنے والی دوسری خود مختار قومیں اس غرض سے اتحاد کرنا چاہتی ہیں کہ سکندر کے حملے کا سختی سے مقابلہ کریں۔ یہ سن کر سکندر نے اپنے بیڑے اور فوج کو بعجلت تمام کوچ کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ وہ ان اتحادیوں کو قبل اس کے کہ وہ اپنی تجویزوں کو پختہ اور افواج کو متحد کر سکیں۔ جالے۔ اور بیہم ان کو شکست دے۔ بیڑے اور فوج کے بڑے حصے کو حکم دیا گیا کہ اگلے سنگم یعنی ہائی ڈروٹیز (راوی) اور اکسنیز (چناب جس میں ہائی ڈس پیز یا جہلم بھی شامل تھا) کے مقام اتصال پر جمع ہوں۔

متحد اقوام

سکندر بذات خود ایک چیدہ فوج کے ساتھ جس میں حسب دستور سواروں کی تعداد زیادہ تھی خشکی پر اترا۔ تاکہ وہ ان متحدین میں سے سب سے زیادہ زبردست قوم ملوئی پر حملہ کرے۔ جو دریائے ہائی ڈروٹیز (راوی) کی زرخیز وادی میں دریا کے دونوں کناروں پر آباد تھی۔ ان کے ہمسائے آکسی ڈریکائی جو دریائے ہائی فے سس کے شمالی جانب اس کے کناروں پر آباد تھے اگرچہ عام طور پر ملوئی سے برسر پیکار رہا کرتے تھے۔ لیکن اس وقت انھوں نے اپنی پرانی دشمنی اور رقابت کو فراموش کر دیا اور حملہ آور کے مقابلے کے لیئے اپنے دشمنوں سے میل کر لیا۔ ان دونوں حریف قوموں نے اس اتحاد کو کثرت سے شادیاں کر کے مضبوط کیا۔ چنانچہ ہر ایک قوم نے دوسرے کو دس ہزار عورتیں شادی کرنے کے لیئے دے دیں[1]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :۔ ۴۸ ۔ ۵۴ ۔ باب ہفتم ۱۹۳ ۔ ہشتم ۱۳۷ ۔ کا حوالہ دیا گیا ہے۔) ۱۲۰۔

[1] ڈیوڈرس۔ باب ۱۷۔ فصل ۹۸ - ۱۲۔

مگر ذاتی رقابتیں جنھوں نے ہر زمانے میں ہندوستان کے سیاسی اتحادات کو بیکار اور ہیچ کر دیا ہے۔ اس وقت بھی بروئے کار آئیں۔ اور اس اتحاد سے کوئی نتیجہ مترتب نہ ہوا۔ اس اثناء میں کہ یہ متحدین ہم پلّہ جرنلوں کے دعووں کا فیصلہ کر رہے تھے اور یہ تصفیہ ہو رہا تھا کہ ان میں کون فوج کی کمان کرے۔ سکندر نے نہایت ہوشیاری سے ملوئی پر حملہ کیا اور قبل اس کے آکسی ڈریکائی ان کی مدد کو پہنچ سکیں اس نے ان کی فوجی طاقت کا خاتمہ کر دیا۔ ان اتحادیوں کے پاس جس قدر فوج تھی اگر صحیح طور پر اس سے کام لیا جاتا تو وہ سکندر کے مختصر سے رسالے کو تباہ و برباد کر دینے کے لیئے کافی تھی۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ ان کی فوج میں (۸۰۰۰۰) یا (۹۰۰۰۰) کامل مسلح پیادے (۱۰۰۰۰) سوار (۷۰۰) سے (۹۰۰) تک رتھیں شامل تھیں [۱]۔

سکندر کی فوجی حکمت عملی۔

مقدونی فوج کی صحیح تعداد بیان نہیں کی گئی۔ مگر ضرور ہے کہ وہ بہت ہی مختصر ہوگی۔ اور اس میں چند ہزار سے زاید سپاہی شامل نہ ہوں گے [۱]۔ مگر تعداد کی کمی کو فوج کی باآسانی نقل و حرکت اور اس کے جنرل کی طبّاعی پورا کر دیتی تھی۔ یہ مقدونی سپاہ مقابل فوج کی تعداد و مقدار کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئی۔ اور سکندر نے بدقت تمام اپنے ایک فصیح و بلیغ خطبے کے ذریعے سے ہائی فے سس کے عذر کے اعادہ کو روکا تھا۔ ان بے آب و گیاہ سطحات مرتفعہ میں سے جن کو آجکل بار کہتے ہیں۔ اور جو دریائے اکسینز اور ہائی ڈروٹیز کی وادیوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں۔ سکندر یلغار کرتا ہوا گذرا اور دو ہی منزلوں میں راستے کو طے کر کے دفعتہً اس وقت ملوئی پر جا پڑا جبکہ وہ بے فکر بنتے اپنے کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ ان میں سے بہت سے بدقسمت بغیر کسی قسم کے مقابلے اور

---

[۱] اس میں ہائی پیس لیسٹ پیادے۔ پیادے تیر انداز اور تھریس کے ہلکے اسلحہ سے مسلح سولہ پیادہ فوج بیتھان کے زیر کمان تمام سوار تیر انداز۔ اور نصف سوار فوج شامل تھی۔ یہ تمام فوج بمشکل تعداد میں (۷۰۰۰) ہوگی۔ ۱۴ [۱]

مزاحمت کے نہایت ظلم اور بے دردی سے قتل کیئے گئے۔ اور جو قتل سے بچ رہے وہ شہروں میں قلعہ بند ہو گئے۔"

شہروں کی فتح۔ ان میں سے ایک شہر پر جس کا قلعہ ایک بلندی پر بنا ہوا تھا۔ خود سکندر نے حملہ کیا۔ اور محصورین میں (۲۰۰) آدمی مارے گئے۔ ایک اور شہر جس کے برخلاف پرڈکس کو روانہ کیا گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ اس کے باشندے اسے چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ اور شہر غیر آباد رہے۔ باشندے دریا کی وادی کی دلدلوں میں فرار ہو گئے۔ مگر یہاں سرکنڈوں اور جھاڑیوں کے جنگلوں میں بھی مقدونی سواروں کے اسلحہ سے ان کو نجات نہ ملی۔ سکندر اس کے بعد دریائے ہائی ڈرو ٹیز تک چلا گیا اور پسپا ہونے والے ملوئی کو معبر کے پاس جا لیا اور ان کو دلدلوں کے قتل و غارت کیا۔ اس نے ان کو دریا کے مشرق کی طرف اس علاقے میں ڈھکیل دیا جس کو آجکل ضلع منٹگمری کہا جاتا ہے اور ایک قلعہ جس میں برہمن آباد تھے سیڑھیں لگا کر اور دیواروں پر چڑھ کر فتح کر لیا۔ سکندر نے حسب معمول خطرے کی کچھ پروانہ کی اور سب سے پہلے دیوار پر چڑھ گیا۔ شہر کو نہایت بہادری سے بچانے کی کوشش کی گئی۔ مگر بے سود۔" ان میں سے تقریباً (۵۰۰۰) آدمی مارے گئے۔ اور چونکہ وہ جوشیلے اور جنگجو لوگ تھے۔ اس لیئے بہت کم قید ہوئے۔"

ملوئی قوم کی مراجعت۔ ملوئی لوگ اب بہت شکستیں کھا چکے تھے اس لیئے انھوں نے ہائی ڈرو ٹیز (راوی) کو عبور کیا۔ اور سکندر کی فوج کے عبور کرنے میں (۵۰۰۰۰) آدمیوں سے مزاحم ہوئے۔ مگر یورپین قوم کے سپاہیوں کے سامنے ان کی کچھ نہ چلی۔ اور وہ "سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگے۔" اور قریب ہی ایک سب سے بہتر قلعبند شہر میں پناہ گزیں ہوئے۔ یہ چھوٹا سا شہر جس کے موقعے کا اب صحیح پتہ نہیں لگ سکتا۔ غالباً کہیں جھنگ اور منٹگمری کی سرحد پر ملتان سے (۸۰) یا (۹۰) میل شمال مشرق میں واقع تھا۔ اور سکندر کی زندگی کے ایک سب سے

عجیب واقعے سے اس کا تعلق ہے۔ جسے ایرین نے نہایت خوبی سے اس مواد کی بنا پر بیان کیا ہے جو اسے ٹولمی نے بہم پہنچایا تھا۔[۱]

سکندر کا خطرناک زخم۔

مقدونی جو پہلے اس شہر کے مالک ہو گئے تھے۔ اسکے قلعے پر سیڑھیاں لگا کر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس وقت سکندر نے یہ سمجھ کر کہ سپاہی خواہ مخواہ لیت و لعل کر رہے ہیں۔ ایک سیڑھی سپاہی کے ہاتھ سے چھین کر دیوار سے لگائی اور اس پر چڑھ گیا۔ اس کے ساتھ تین آدمی پیوکس ٹس۔ لیوناٹاسس اور ابریس تھے۔ اپنے زرق برق اسلحہ پہنے ہوئے سکندر دیوار پر کھڑا ہوا تھا اور ہر قسم کے تیر و نیزوں کا نشانہ بن گیا تھا۔ اور یہ خیال کر کے کہ جہاں وہ کھڑا ہے وہاں سے وہ بغیر مدد کے کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ نہایت دلیری سے اپنے ساتھیوں سمیت دیوار پر سے قلعے میں کود پڑا۔ ابریس فوراً مارا گیا۔ اور سکندر ایک درخت سے جو دیوار کے قریب ہی تھا اپنی پشت لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اسی حالت میں ہندی گورنر کو قتل کیا۔ اور تمام حملہ آوروں کے مقابلے میں اپنی حفاظت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کا سینہ ایک تیر سے چھد گیا۔ اور وہ گر پڑا۔ پیوکس ٹس جہاں وہ گرا تھا اس پر کھڑا ہو گیا۔ اور اس متبرک ڈھال سے جو الیئان سے لائی گئی تھی اس کو چھپائے رہا۔

---

[۱] یہ شہر چھوٹا سا تھا۔ (سٹریبو۔ باب ۱۵۔ فصل ۳۳)۔ موجودہ بیان کہ اسے ملتان کا شہر (مُولستھان پور۔ دیکھو بیل کی کتاب ہیون سانگ جلد دوم صفحہ ۲۷۴) قرار دیا جائے بالکل بے سند ہے۔ اشتقاق کی رو سے ملتان کے نام اور ملوئی میں کوئی تعلق نہیں۔ اور ملتان کا شہر بہت جنوب میں واقع ہے۔ ملوئی کے برخلاف جنگ دریائے ہائی ڈروٹیز کی وادی میں ہوئی تھی جہاں یہ لوگ اس زرخیز کوہستان کے دامن کی زمین کے مالک تھے۔ جو آجکل ضلع منٹگمری اور ضلع جھنگ کا کچھ حصہ ہے۔ دیکھو ریورٹی صفحہ ۳۶۴۔ اور میرا مضمون جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ اکتوبر ۱۹۰۳ء۔ ٹولمی نے جیسا کہ بعض مصنفین کا خیال ہے۔ سکندر کی حفاظت میں شرکت نہیں کی تھی۔ ۱۲ ک

اور لیوناٹاس نے جو اگرچہ اپنے ساتھی کی طرح سخت زخمی تھا۔ اُس کو ارد گرد کے حملوں سے محفوظ رکھا۔ سیڑھیاں چونکہ ٹوٹ گئی تھیں اس لیئے مقدونی اپنے بادشاہ کی مدد کرنے سے بالکل عاجز تھے۔ مگر آخر کار ان میں سے چند کچھ دیوار پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور دوسرے دروازے کے راستے سے داخل ہوئے۔ اور اس طرح سکندر کو بچا لیا۔ جو صرف بیہوش ہی ہوا تھا؛

اسکی صحت یابی۔ تیر کو عمل جراحی کے ذریعے سے نکالا گیا جسکی وجہ سے بہت کچھ خون بہ گیا۔ اور فوری موت کا اندیشہ تھا۔ مگر سکندر کی قدرتی طاقت اس پر آخر کار غالب آئی۔ اور یہ خطرناک زخم مندمل ہو گیا۔ غیظ و غضب میں بھری ہوئی فوج نے باشندوں پر حملہ کیا۔ اور بلا تمیز مرد و زن و بچہ سب کو تہ تیغ کیا؛

جب سکندر رو بصحت ہو گیا تو اسے ہائی ڈروٹیس کی طرف لے گئے اور وہاں سے کشتی میں دریائے اکسنیز کے سنگم کو لے گئے۔ یہاں اسے اس کی فوج اور بیڑے ملے۔ جو بالترتیب ہیفے اسٹیان۔ اور نیارکس کے زیر کمان تھے؛

قوم ملوی اور آکسی ڈریکائی کا اطاعت قبول کرنا ملوی کے بقیۃ السیف افراد نے جن کی قوم سکندر کے ظلم و تعدی کو پوری طور پر برداشت کر چکی تھی۔ اب نہایت عاجزی سے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ اور آکسی ڈریکائی جو اپنے تذبذب اور التوا کی بدولت بچ رہے تھے۔ اب مقاومت اور مقابلے کو بے سود سمجھ کر فاتح سے رحم کے طالب ہوئے۔ اور خراج اور تحفے دیکر اس کے مطیع ہو گئے۔ سکندر جو اپنے مقابلہ کرنے والے کے ساتھ درشتی اور کبھی کبھی بیرحمی سے پیش آتا تھا مگر اپنے مطیع کے ساتھ ہمیشہ دوستی اور اخلاق کا سلوک کرتا تھا۔ اُن کی عرضداشتوں اور تحفوں اور قوم کے ایلچیوں کے عذرات کو فوراً قبول کر لیا۔ یہ ایلچی تعداد میں سو تھے۔ اور بیان کے مطابق نہایت

رعب دار اور قوی جثہ آدمی - سرخ زریں لباس پہنے ہوئے رتھوں میں سوار تھے - کہا جاتا ہے کہ ان تحفوں میں (۱۰۳۰) چار گھوڑوں کی رتھیں (۱۰۰) دیسی ساخت کی سپریں (۱۰۰) تیلنت فولاد - بیشمار روئی کا سامان - ایک بڑی مقدار کچھوے کی ہڈیاں - بڑے بڑے گرگٹوں کے چمڑے - پالو شیر ببر - اور شیر شامل تھے - ان کے علاوہ (۳۰۰) سواروں کی امدادی فوج تھی۔[1]

دریائے سندھ کے مقام اتصال کی طرف سفر -

اس کے بعد فلپوس کو مفتوحہ اقوام کا سترپ (صوبہ دار) مقرر کیا گیا - اور بیڑا اس سنگم سے گذر کر جہاں ہائی فےسس بڑے دریا سے ملتا تھا - جو سے تھے سنگم اکسنیز (چناب) جس میں دریائے ہائی ڈفس پیز (دریائے جہلم) ہائی ڈرو ٹیز (دریائے راوی) اور ہائی فےسس (دریائے بیاس) بھی شامل تھے اور

---

[1] یہ تمام تفصیل کرٹئس (باب ۹ - فصل ۸، ۷) سے لی گئی ہے - ایرین (باب ۶ - فصل ۱۴) (۵۰۰) رتھوں ہی کا ذکر کرتا ہے - مگر غالباً کرٹئس کے پاس اپنے بیان کے ثبوت میں اچھے ماخذ موجود تھے - قدیم مصنف ہندی روئی کو "کتان" لکھتے ہیں - جو ہندوستان میں کبھی تیار نہیں ہوئی - اعلیٰ درجے کا فولاد بہت قدیم زمانے سے ہندوستان میں بنتا تھا - کرٹئس اسکو "فیرم کنڈیڈم" کہتا ہے - یعنے "فولاد" نہ کہ "ٹین" - کچھوے کی ہڈیاں پہلی صدی عیسوی کے زمانے میں بھی ہندی تجارت کا جزو تھیں - (پیری پلس - دیکھو انڈین انٹی کویری - جلد ۸ - صفحہ ۱۱۱) کرٹئس (باب ۹ فصل ۸) کا یہ بیان کہ سکندر نے ملوئی اور آکسی ڈریکائی پر "ایک خراج لگایا تھا - جو وہ باقساط ارکوسیہ کی قوم کو ادا کیا کرتے تھے" نا قابل فہم ہے - اور خود ارکوسیہ کا نام بھی غلط معلوم ہوتا ہے - ارکوسیہ یعنے قندھار کا علاقہ کسی طرح ممکن نہیں کہ مشرقی پنجاب کی اقوام سے خراج وصول کرتا ہو - بیکن نے آکسی ڈریکائی کا ایک عجیب وغریب اور غلط حوالہ اپنے مضمون "آن دی وسی سی ٹیوڈس آف تھنگس" میں دیا ہے - اور وہ براہ راست غلط سٹرٹیکس کی کتاب "لائف آف اپولونئس آف ٹیانہ" جلد دوم - ۳۳ - (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۳۵) سے نقل کرتا ہے۔

اُس دریا سے ملتے تھے جسے قدیم مورخین دریائے انڈس (سندھ) کہتے ہیں۔ لیکن غالباً اُس زمانے میں "سندھ کا مفقود دریا" ہکرا یا واہندہ اس وقت موجود تھا۔ اور پنجاب کے تمام دریا مع دریائے سندھ کے اس میں جا ملتے تھے۔ اور اس طرح یہ ایک عظیم الشان دریا بن جاتا تھا جو بعدہ دریائے مہران کے نام سے نامزد ہوا ؏

دریاؤں میں تغیرات

یہ قطعی ناممکن ہے کہ سکندر کے زمانے کے مقامات اتصال کا پتہ صحیح طور پر لگایا جاسکے لیکن بہت زمانہ بعد شروع شروع کے عرب مصنفوں کے زمانے میں تمام دریا ایک مقام پر ملتے تھے جو دوشِ آب[۱] کہلاتا تھا۔ اور موجودہ ریاست بہاول پور کے علاقے میں واقع تھا۔ ہم چونکہ دریاؤں کے تمام راستوں سے قطعی ناواقف ہیں۔ جو جیسا کہ قدیم راستے ظاہر کرتے ہیں۔ آخری مقام اتصال سے کم و بیش ایک سو دس میل کے علاقے میں چکر لگاتے رہے ہیں۔ اس لئے سکندر کا باقی ماندہ دریائی سفر ہمارے لئے بہت زیادہ دلچسپی کا باعث نہیں ہے۔ بالائی سندھ میں اس کا راستہ مظنون صحت کے ساتھ بھی نہیں بتایا جا سکتا۔ اور یہ ناممکن ہے کہ صحت کے ساتھ ان شہروں کے موقعے یا قوموں کے محل سکونت کا تعین کیا جائے جن کا مورخین ذکر کرتے ہیں ؏

نظم و نسق کے انتظامات۔

پنجاب کے دریاؤں کا دریائے "سندھ" کے ساتھ اتصال جہاں کہیں وہ واقع ہو۔ فلپوس کے صوبے کی جنوبی سرحد قرار دی گئی۔ اور تھریس کی تمام فوج

۱؎ ریورٹی صفحہ ۴۷۳۔ دوشِ آب کا مقام ہِکل یا بگھل کے مقام پر تھا۔ جو انڈیا آفس کے ہندوستان کے نقشے پر تقریباً شمال عرض بلد ۲۸°۔ ۴۰۔ اور مشرق طول بلد ۷۰°۔ ۳۰ پر واقع ہے۔ آرین نے چاروں مقامات اتصال کو انبس آف الکزنڈر میں بیان کیا ہے۔ اسی مصنف کی کتاب انڈیکا کا متناقض اور ناقابل فہم بیان۔ بالکل خبط ہو گیا ہے۔ ۱۲ک

مع ایک ایسی تعداد سواروں کے جو اس صوبے کو قابو میں رکھ سکے حوالے کی گئی۔ اسی زمانے میں ملک باختر کا ایک امیر اکسیر ٹیز جو سکندر کی بیوی روشنک کا باپ تھا پیرو پینیسدی یعنے صوبۂ کابل کا بجائے ٹائی ریسپیز کے جس کی حکومت قابل اطمینان ثابت نہ ہوئی تھی۔ صوبہ دار مقرر کیا گیا تھا۔ اور تمام دریاؤں کے سندھ کے ساتھ سنگم کے مقام پر ایک شہر بسایا گیا جس کے متعلق سکندر کو امید تھی کہ پھلے پھولیگا۔ ایک بحری گدام بھی وہاں تعمیر کیا گیا۔ بعض خودمختار قبائل نے جن کے نام آرین ابسٹنوی۔ زتھروئی یا اکستھرونی۔ اور آسٹروئی بتلاتا ہے۔ یا تو اطاعت قبول کرلی یا ان کو مطیع کیا گیا۔ اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ تیس ڈانڈ کے جہاز اور باربرداری کشتیاں زتھروئی نے بنائیں اور سکندر کی خدمت میں پیش کیں[1]۔ اگرچہ یہ ناممکن ہے کہ شمالی سندھ کے ان قبائل کا

---

[1] ایرین (انبس آف الکزنڈر باب ۶۔ فصل ۱۵)۔ کرٹئس (باب ۹۔ فصل ۸) کے بیان کے مطابق سکندر کی مڈبھیڑ ایک اور قوم ہلّی نام سے (جسے میک کرنڈل نے دریائے راوی کی ملوئی قوم کے ساتھ خبط کردیا ہے) اور اسکے بعد ایک اور قوم سبرسی سے ہوئی جو بڑی طاقتور تھی اور بغیر بادشاہ کے جمہوری طرز کی حکومت رکھتی تھی۔ ان کی فوج کے متعلق بیان تھا کہ اس میں (۶۰۰۰) پیادے (۶۰۰۰) سوار اور (۵۰۰) رتھیں شامل تھیں۔ اور وہ تین مشہور و معروف جنرلوں کے زیر کمان تھی۔ اس قوم نے اطاعت قبول کرلی۔ زتھروی (یا اکستھرونی) معلوم ہوتا ہے کہ سنسکرت کشتریا کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ سبرسی کو ڈیوڈرس سمبس ٹئی لکھا ہے اور وہ کرٹئس کے ساتھ انکی طرز حکومت اور فوج کی تعداد کے متعلق متفق ہے۔ ڈیوڈرس (باب ۱۷۔ فصل ۱۰۲) یہ اضافہ کرتا ہے کہ دو اور قومیں سودرئی اور مسّانوئی دریا کے دونوں کناروں پر سکونت پذیر تھیں۔ اور انکی حدود کے اندر ایک شہر اسکندریہ بنایا گیا تھا جس میں (۱۰۰۰۰) آبادکار چھوڑے گئے تھے۔ میک کرنڈل اور دیگر مصنفین کی یہ کوشش کہ ان اقوام و قبائل کی اصلی جائے سکونت کا پتہ لگائیں بالکل بیکار ہے۔ کیونکہ ہم کو یہی معلوم نہیں کہ اس وقت دریا کہاں واقع تھا۔ انبس آف الکزنڈر (باب ۶۔ فصل ۱۵) میں اکسیر ٹیز کا پیتھان۔ جنوبی دریائے سندھ کے علاقے کے صوبہ دار کا

صحیح نام یا اصلی مقام سکونت کا پتہ لگایا جا سکے جن کا ذکر قدیم مورخوں نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ لیکن اندازاً وہ علاقہ جس میں یہ اقوام آباد تھیں شمال عرض بلد ۴۲° کے شمال جنوب بہ مشرق طول بلد ۶۹° اور ۳۰-۷۰° کے درمیان واقع تھا۔ ہم کے اس زمانے میں کریٹراس جو شروع ہی سے تمام دریاؤں کے داہنے یا مغربی کنارے پر سفر کر تا رہا تھا۔ اب مشرقی یا بائیں جانب کو منتقل کر دیا گیا۔ جہاں نقل و حرکت آسان تھی۔ اور دوسرے کنارے کی بہ نسبت وہاں ایسی قومیں آباد تھیں جن سے کم مزاحمت کی امید تھی[۱]۔

موسی کناس کی مملکت۔

اس کے بعد سکندر بعجلت تمام آگے بڑھا۔ تاکہ اس بادشاہ پر جس کا نام آرین نے موسی کناس لکھا ہے۔ اور جس نے نہایت ہی نخوت اور غرور کے ساتھ نہ تو حملہ آور کی خدمت میں ایلچی روانہ کئے تھے اور نہ تحایف پیش کئے تھے۔ دفعتہً جا پڑے۔ اس سرکش بادشاہ کا پائے تخت غالباً۔ مگر نہ یقیناً الور یا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ شریک رتبہ ہونے کا ذکر جیسا کہ جناک نے صحیح طور پر بیان کیا ہے۔ اصل کتاب کے بیان کے غتربود ہونے سے پیدا ہوا ہے۔ تھریس کی وہ فوج جو فلپوس کے حوالے کی گئی بظاہر پیادہ فوج معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ لگر یئین ہلکے اسلحہ سے مسلح رسالہ جو تھریس کا ہی تھا۔ آیندہ کی جنگوں میں شریک رہا تھا۔

[۱] ایرین (انیس آف الکزنڈر باب ۶۔ فصل ۱۵) کے الفاظ جن میں وہ کریٹراس کے داہنے کنارے سے بائیں کنارے پر منتقل ہونے کا ذکر کرتا ہے۔ بظاہر محض ایک حاشیہ ہے جو غلطی سے متن کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔ ڈلٹا کے شروع کی طرف سے کریٹراس کو دوکراسیہ میں براہ ارکوٹی اور زرنگوئی روانہ کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ فصل (۱۷) میں مذکور ہے۔ میک کرنڈل کا یہ قیاس کہ کریٹراس پہلے فصل (۱۵) کے مطابق روانہ کیا گیا تھا۔ اور بعد میں پھر واپس بلا لیا گیا۔ میرے نزدیک قابل تشفی نہیں۔ اس کے قبل میں نے اسی باب کی ایک اور غلطی کو بھی ظاہر کیا تھا۔ جس کی وجہ بھی غالباً یہی تھی کہ غلطی سے زائد عبارت کو متن میں جگہ دیدی گئی ہے۔ ۱۲ خ

اَرورُ کے مقام پر واقع تھا جو سندھ کا قدیم دارالسلطنت تھا۔ یہ اب ضلع سکھر میں شامل۔ اور شمال عرض بلد ۲۷° - ۳۹ - اور مشرق طول بلد ۶۸° - ۵۹ میں واقع ہے۔
اس سلطنت کی خصوصیتوں نے مقدونیوں کو حیرت و استعجاب میں ڈال دیا۔ مشہور تھا کہ اس ملک کے باشندے عام طور پر ایک سو تیس برس کی عمر کو پہنچتے ہیں۔ اور اس طول عمر کی وجہ یہ ہے کہ وہ غذا میں اعتدال رکھنے سے تندرستی کو قائم رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان کے ملک میں چاندی اور سونا دونوں کی کانیں موجود تھیں۔ مگر وہ ان دونوں دھاتوں کے استعمال سے محترز رہتے تھے۔ دوسری ہندی قوموں کے برعکس ان میں غلام نہیں پائے جاتے تھے۔ اور انکی بجائے "جس طرح کریٹ کے لوگ افیموٹئ قوم کے افراد کو۔ اور لیسی ڈے مون کے باشندے ہیلوت کو استعمال کرتے تھے۔ یہ بھی نوجوانوں سے محنت و مشقت کا کام لیتے تھے"۔ وہ اس امر میں بھی لیسی ڈے مونیا کے باشندوں سے مشابہ تھے کہ ان کے ہاں بھی خوان یغما کا دستور تھا جس پر شکار کئے ہوئے جانور چنے جاتے تھے۔ وہ طب کے سوا تمام علوم و فنون کے مطالعے سے بالکل منکر تھے۔ اور ان کے متعلق مشہور تھا کہ ان کے ہاں کوئی ضابطۂ دیوانی نہیں بلکہ عدالتوں کے اختیارات قتل اور اسی قسم کے سنگین جرائم کے فیصلے تک محدود ہیں [1]۔

موسی کناسس کی اطاعت اور بغاوت

موسی کناسس کو بھی کیونکہ سکندر ہلوئی قوم کی مانند اس پر اس طرح اچانک جا پڑا کہ قبل اس کے کہ پرانی چھاؤنی سے اس کے کوچ کی اطلاع ملے وہ بادشاہ کے ملک میں داخل ہو گیا۔

---

[1] سٹربو باب ۱۵ فصل ۳۴ - ۵۴ - سٹربو انیسکریٹاس کے حوالے سے بیان کرتا ہے کہ اور مصنفین یہ بیان کرنے میں حق پر نہیں تمام ہندوستان میں غلامی کا وجود نہ تھا۔ میگستھینز (آرین - انڈیکا - باب ۱۰) کا بیان ہے کہ ہندوستان میں بڑی اچھی بات یہ تھی کہ تمام ہندی آزاد تھے اور کوئی ہندی غلام موجود نہ تھا۔ مگر درحقیقت نہایت قدیم زمانے سے ہندوستان میں خانگی قسم کی غلامی نہایت معتدل حالت میں موجود تھی۔ ۱۲ ع

اس کے سوا اور کوئی مفر نہ تھا کہ فاتح کی ملاقات کے لئے آئے۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھ اپنے تمام ہاتھی۔ اور عمدہ عمدہ تحائف جو ہندوستان میں مہیا ہو سکتے تھے لے کر آیا۔ سکندر جو عادۃً اطاعت التماس کو جلد منظور کر لیا کرتا تھا۔ بادشاہ کے ساتھ باخلاق پیش آیا۔ اس کی سلطنت اور پائے تخت کی بہت تعریف کی۔ اور اس کو اس کی بادشاہت پر مستقل کر دیا۔ مگر موسی کناس جو اپنے برہمن مشیروں کا تابع تھا اس طرح فوری اطاعت قبول کرنے سے بچتا یا اور بغاوت کی۔ اگینور کا بیٹا پیتھون جو فلپوس کی صوبہ داری کے جنوبی علاقے کا عامل تھا۔ باغی کے تعاقب میں بھیجا گیا[۱] اور سکندر نے بذات خود شہروں کو فتح کرنے کا کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ ان میں سے چند خراب و برباد کر دئے گئے۔ اور چند میں فوجیں مقیم کی گئیں۔ موسی کناس جس کو پیتھون نے قید کر لیا تھا مع اپنے برہمن مشیروں کے جنھوں نے اسے بغاوت پر آمادہ کیا تھا قتل کیا گیا[۲]۔

آکسی کیناس اور سمباس۔

اس کے بعد سکندر ایک چالاک فوج لے کر آکسی کیناس نام ایک سردار کے مقابلے کے لئے روانہ ہوا۔ اور اُسے قید کر لیا۔ جب اس کے دو بڑے شہر خراب و برباد کئے جا چکے تو دوسرے شہروں نے اپنے آپ کو بلا مزاحمت اس کے حوالے کر دیا۔ "ہندوستانیوں کے دل و دماغ کی حالت سکندر کے خوف اور اس کی فتوحات کی وجہ سے یہ ہو گئی تھی[۳]"۔ ایک اور سردار سمباس نے جس کا پائے تخت سندمن[۴] تھا۔ اور جو

---

[۱] پیتھون دریائے سندھ کے جنوبی علاقے کا بلا شرکت غیرے صوبہ دار تھا۔ اکسیر ٹیز کے اس کے ساتھ شریک رتبہ ہونے کے ذکر کی وجہ سے متن کتاب میں خرابی پڑ جاتی ہے۔ (دیکھو گذشتہ حاشیہ)۔ ۱۲ مؤ

[۲] اس فقرے کا ترجمہ میک کرنڈل نے یہ کیا ہے کہ سکندر نے باغی کو پھانسی دیئے جانے کا حکم دیا۔ ۱۲ مؤ

[۳] یہ ترجمہ میک کرنڈل کا ہے۔ کرٹئس اس قوم کا ذکر کرکے جو مُسیکنی کہلاتے تھے۔ اور وہ آکسی کیناس کو پھر ٹیکینس کہتا ہے۔ اور بیان کرتا ہے کہ اسکی رعایا پرستی قوم تھی۔ اس کے مطابق ٹیکینس مارا گیا۔ یہی مصنف بیان کرتا ہے کہ سمباس کی فوج زہر آلود تلواریں استعمال کرتی تھی (باب ۹ فصل ۳)۔ ۱۲ مؤ

[۴] سندمن ممکن ہے سہوان ہو۔ اس کو صرف اس وجہ سے سہوان کا مترادف مان لیا جاتا ہے کہ

سکندر کے ڈر سے بھاگ گیا تھا۔ اس کی اطاعت قبول کرلی۔ اور بہت سے برہمن جنھوں نے ایک بے نام و نشان شہر کے باشندوں کو بغاوت پر اُکسایا تھا قتل کئے گئے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ دریائے سندھ کے نیچے کے علاقے کی اس مہم کے دوران میں (۸۰۰۰۰) ہندی مارے گئے۔ اور بیشمار غلام بنا کر بھیجدالے گئے ؛

موسی کناس کے قتل کے بعد ڈلٹا (جسے یونانیوں نے پٹلینی لکھا ہے) کا حکمران اپنے دار السلطنت پٹالہ سے سکندر کے کیمپ میں آیا۔ اور اپنی بادشاہت کے لئے سکندر کی اطاعت قبول کی۔ اور اُس نے منظور کیا۔ وہ پھر اپنے ملک میں واپس بھیجدیا گیا۔ تاکہ فوج کے استقبال کی تیاری کرے ؛

کریٹراس وطن بھیجدیا گیا۔

اس زمانے میں کریٹراس جو سکندر کا سب سے بڑا معتمد علیہ افسر تھا فوج سے الگ کیا گیا اور اسے حکم ہوا کہ فوج کے ایک بڑے حصے کو براہ ارکوسیہ۔ (قندھار) اور ڈرنگیانہ (سیستان) کرمانیہ میں لے جائے۔ اس فوج میں جسے کریٹراس کے حوالے کیا گیا اٹلاس۔ میلیگر۔ اور انٹی جینز کے رسالے۔ اور ان کے علاوہ کچھ تیر انداز محافظ پیادوں کا دستہ۔ اور وہ مقدونوی سپاہی جو فوجی حیثیت سے بیکار ہو گئے تھے شامل تھے۔ اسی فوج کے ساتھ تمام ہاتھی بھی کردئے گئے ؛

سکندر کی پٹالہ کی طرف سبقت

سکندر نے بذات خود اس فوج کی کمان لی جو سفرمینا کا کام کرتے تھے۔ اور باقی فوج کا افسر ہیفے اسٹیان کو بنایا۔ اور وہ دریا کے دہنے کنارے پر روانہ ہوا۔ کریٹراس کو جو دریائے سندھ کے بالائی حصے میں بائیں کنارے تبدیل کیا گیا تھا۔ جب وطن واپس جانے کا حکم ملا۔ تو اسے لامحالہ دریا کو نئے سرے عبور کرنا پڑا۔ بائیں کنارے پر اسکی جگہ اب اگینور کا بیٹا پیتھون قایم مقام ہوا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ دونوں نام سین سے شروع ہوتے ہیں۔ قلمی نسخے میں سندونلیا ہے۔ سٹریبو کی کتاب کے ناموں کے متعلق بہت کچھ شک کی گنجایش ہے۔ دیکھو کتاب مصححہ ڈیوبنر۔ پیرس ۱۸۵۳ء ؛

اس کو کچھ نیزہ بردار سوار اور اگریری فوج دی گئی - اور حکم ہوا کہ بعض قلعبند شہروں میں نئے آباد کار بسلائے۔ بغاوت کی روک تھام کرے - انتظام قائم رکھے - اور بالآخر پٹالہ کے مقام پر سکندر سے آملے - اس شہر کا حکمراں اور اس کے باشندے سکندر کے خوف سے شہر کو چھوڑ کر بھاگ گئے - مگر ان میں سے اکثروں کی تسلی کر دی گئی - اور ان کو اپنے گھروں میں واپس آنے کی ترغیب دی گئی ہے[۱]

پٹالہ - شہر پٹالہ کے موقعے کے متعلق بہت کچھ بحث ہوی ہے - مگر سب سے بہتر رائے یہ ہے کہ وہ قدیم شہر بہمن آباد کے مقام پر یا اس کے قریب ہی یعنی شمال عرض بلد ۲۵° - ۵۲' مشرق طول بلد ۶۸° - ۴۵' میں اس سے لبنبتہ جدید شہر منصوریہ سے چھ میل کی طرف مغرب میں واقع تھا - ڈلٹا کا سرا غالباً کلری کے مقام پر بہمن آباد سے چالیس میل بسمت شمال تقریباً شمال عرض بلد ۲۶° - ۴۰' - اور مشرق طول بلد ۶۸° - ۳۰' میں واقع تھا - سکندر کی نقل و حرکت پر بحث کرنے کے لئے پٹالہ اور بہمن آباد کے موقعوں کو فرض کر کے تسلیم کیا جا سکتا ہے - اگرچہ اس کو ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے[۲]

---

[۱] تمام ماہرین فن اس بات میں متفق ہیں کہ کریٹراس نے زیادہ آسان راستہ جو قلات کے قریب سے درۂ ملا میں سے ہوتا ہوا قاقلون کے موجودہ راستے کو اختیار کیا ہوگا - بولان اور کوئٹہ کا راستہ بہت عنقریب زمانے سے کام میں لایا گیا ہے - (ہولڈچ گیٹس آف انڈیا - ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۴۷ - سائکس - ٹین تھاؤزنڈ مائلز ان پرشیا صفحہ ۴۹) - درۂ ملا تمام سال سفر کے لئے کھلا رہتا ہے - (میسن کا سفرنامہ - جلد دوم - صفحہ ۱۲۰) - ۱۲ ؁

[۲] بہمن آباد - یا بھمنہ یا بھنّو - نہ کہ برہمن آباد جیسا کہ عرف عام میں غلط طور پر لکھا جاتا ہے - یہ شہر بہمن آباد کے نام سے اسفندیار کے بیٹے بہمن نے دو گشتاسپ ایران زمین کے فرمانروا کے عہد" میں آباد کیا تھا - بہمن آرٹزر خیز لانگیملن یا ہالوردس کا ایک دوسرا نام ہے جس نے ۴۶۵ ق م سے ۴۲۵ ق م تک حکومت کی - (ریورٹی کا لو مضمون نوٹس صفحہ ۱۰ -

ڈلٹا کی تفتیش۔ سکندر نے یہ سمجھ کر پٹالہ کا مقام بہت فوجی اہمیت رکھتا ہے۔ ہے فے اسٹئیان کو حکم دیا کہ وہاں ایک قلعہ تعمیر کرائے۔ اور گرد و نواح کے علاقے میں کنویں کھدوائے۔ اس نے تجویز کیا کہ عین اس مقام پر جہاں دریا دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے ایک زبردست بحری چھاؤنی قائم کرے۔ اور اسی وجہ سے وہ وہاں کافی مدت تک ٹھیرا کہ گودی اور بندر کی تعمیر جو شروع ہو گئی تھی اس کی فی الجملہ تکمیل بنظر خود دیکھ لے۔ اس کے بعد اس نے ارادہ کیا کہ وہ بذات خود دریا کی دونوں شاخوں کا سمندر تک

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ رینالڈ۔ انڈین انٹی کویری۔ جلد ۸۔ صفحہ ۳۳۶) وہ گشتاسپ کا پوتا تھا۔ مگر یہ جگہ اور بھی زیادہ قدیم ہے۔ اور اس میں بڑے وسیع قبل تاریخی زمانے کے آثار پائے جاتے ہیں۔ (پروگرس رپورٹ۔ آرکیالوجیکل سروے ڈبلیو۔ آئی ۹۷-۱۸۹۶ء حصہ ۵۰-۳۰۔ ایضاً ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۴۴-۱۳۳)۔ بہمن آباد کے مقام کو مسٹر بلیسس نے ۱۸۵۴ء میں دریافت کیا تھا (جر۔ بو۔ برہ۔ آر۔ اے۔ ایس۔ جنوری ۱۸۵۶ء)۔ منصوریہ پرانے شہر کے کھنڈر کے ملبے سے تقریباً اسی موقع پر قایم کیا گیا تھا۔ (لوسنس۔ اینوئل رپورٹ۔ اے۔ ایس۔ ڈبلیو۔ انڈیا ۴-۱۹۰۳ء صفحہ ۴۴-۱۳۲۔ ۹-۱۹۰۸ء صفحہ ۸۷-۷۹)۔ ریورٹی (کتاب مذکورہ صفحہ ۲۰۵-۱۹۶) کا پیچیدار نوٹ بہت کچھ معلومات بہم پہنچاتا ہے۔ ڈلٹا کے سرے اور پٹالہ کے شہر کے موقع کے متعلق دیکھو مضمون مذکورۂ بالا۔ صفحہ ۲۲۶-۴۶۱-۴۶۲۔ جنرل ہیگ کی رائے جو ڈلٹا کے بڑھنے کے اندازے کو بہت کچھ کم کر دیتا ہے۔ یقیناً اس امر میں غلط ہے کہ پٹالہ حیدر آباد کے عرض بلد کے نیچے واقع تھا۔ (شمال عرض بلد ۲۵° - ۲۳ - مشرق طول بلد ۶۸° - ۲۵)۔ اسی مصنف کو ان تمام شہادتوں کی خبر نہ تھی جن کی بنا پر ریورٹی نے ڈلٹا کے قدیم ترین معلوم شدہ سرے کو بہمن آباد سے (۴۰) میل شمال میں قایم کیا تھا۔ (دیکھو دی انڈس ڈلٹا کنٹری۔ صفحہ ۱-۱۲۹-۱۳۵-۱۳۶۔ شایع کردہ کیگن پال اینڈ کو ۱۸۹۴ء)۔ بہت سی کتابیں (مثلاً بلفور کی سائکلو پیڈیا) بالکل غلط طور پر پٹالہ کو حیدر آباد کا موجودہ شہر بتاتی ہیں۔ ۱۲۔

معائنہ کرکے ان کی تفتیش کرے۔ وہ پہلے مغربی یا دہنے جانب کی شاخ پر روانہ ہوا۔ جو دیبل کے قریب یا اس کے ذرا نیچے غالباً ایک تنگ راستے سے گذرتی تھی۔ دیبل سندھ کا قدیم بندرگاہ تھا۔ اور ٹھٹھہ سے پندرہ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ اس کے ملاح جو بحیرۂ روم کے ٹھیرے ہوئے سمندر کے عادی تھے مدوجزر کو دیکھ کر بہت پریشان اور خوف زدہ ہوگئے۔ لیکن بالآخر سکندر اس بات میں کامیاب ہوا کہ اپنے چند تیز رفتار جہازوں کو لیکر کھلے سمندر میں اُتر آئے۔ وہ سمندر میں چند میل آگے بڑھتا چلا گیا۔ وہاں اس نے پوسیڈن کے نام پر بیلوں کی قربانی چڑھائی۔ اس کے بعد شراب کے چڑھاوے کی رسم ادا کی۔ اور سونے کے برتن جو اس رسم کے ادا کرنے میں استعمال ہوئے تھے شکریہ کے طور پر سمندر میں ڈال دیئے گئے؎

؎۱ کرٹئس نے (باب ۹۔ فصل ۹) نہایت ہی مفصل اور جوشیلے حالات پٹالہ سے سمندر تک کے سفر کے لکھے ہیں۔ ٹھٹھہ شمال عرض بلد ۴۲-۵۴ - مشرق طول بلد ۵۸-۶۷ میں واقع ہے۔ سترھویں صدی میں (سر ٹامس ہربرٹ۔ تھیونو وغیرہ) دیبل یا دیول سندھ کا انتہائے جنوب کا شہر تھا۔ اور اس طرف کا بڑا بندرگاہ اور ٹھٹھہ سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہ شہر اب بالکل معدوم ہوچکا ہے۔ مگر یقیناً وہ پیر پٹھو کی درگاہ کے قریب یا ایک ذرا جنوب مغرب کوہ مکھلی کے دامن میں دریائے سندھ کے معاون دریائے بھاگر کے پاس جو اس زمانے میں اچھا بڑا دریا تھا۔ آباد تھا۔ (ریورٹی۔ مہران آف سندھ صفحہ ۳۱ - ۳۱۷ - حاشیہ ۳۱۵)۔ ہیگ اس کو ٹھٹھہ کے جنوب مغرب میں (۲۰) میل کے فاصلے پر پرانے کھنڈروں کے مقام پر بیان کرتا ہے۔ (ہولڈچ دی گیٹس آف انڈیا۔ صفحہ ۳۱۰)۔ یہ موقعہ درست معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ریورٹی (صفحہ ۳۲۱) نے یہ غلطی کی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ ہربرٹ دیول کے مقام پر اترا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ سورت کے قریب "سوالی روڈ" پر لنگر انداز ہوا تھا۔ (سفرنامہ مطبوعہ سنہ ۱۶۷۷ء۔ صفحہ ۴۲)۔ اس نے صفحہ ۸۰ پر دیول کا بندرگاہ کے طور پر ذکر کیا ہے۔ ۱۲ ؎

ہندوستان کو خیرباد کہنے کی تیاری۔

اس کے بعد وہ پٹالہ واپس آیا جہاں اس نے دیکھا کہ بحری چھاؤنی کے کام میں بہت ترقی ہو چکی ہے۔ اور وہ دریا کی مشرقی یا بائیں شاخ کی تفتیش کے لئے روانہ ہوا۔ اس کے دہانے کے قریب وہ ایک بڑی جھیل میں سے گذرا۔ جو غالباً موجودہ زمانے کی جھیل سماراہ ہوگی[1] جو امرکوٹ کے مغرب میں واقع ہے۔ اور پھر وہ ساحل سمندر پر تقریباً عرض بلد ۲۵° میں پہنچا۔ یہاں ساحل پر

[1] جھیل سماراہ کے حال کے لئے دیکھو۔ ریورٹی (مضمون مذکورۂ بالا) صفحہ ۴۷۷ و ۴۶۵۔ انڈیا آفس کے نقشۂ ہندوستان پر اسے سمرؔو لکھا ہے۔ سکندر کے زمانے میں رن کچھ یقیناً سمندر کی شاخ یا کھاڑی ہوگی۔ اور شمال کی طرف تقریباً ۲۵° تک پھیلی ہوگی۔ جہاں پر اس بڑے دریا کی یہ شاخ اس میں گرتی تھی۔ جھیل دریا کے دہانے سے بہت تھوڑے فاصلے پر تھی۔ (آرین۔ انبس آف الکزنڈر۔ باب ۱۸ فصل ۲۰)۔ ساحل سمندر بہت کچھ آگے بڑھ گیا ہے۔ مغل ہین کا مقام جہاں ملکہ الیزبتھ کے وقت میں اکبر کا امیر آ کر سمندر کا نظارہ دیکھنے کے لئے کھڑا ہوا تھا۔ آجکل سمندر سے (۵۰) میل کے فاصلے پر ہے۔ اور زیادہ مغرب کی طرف دریائے پرالی کے قریب سومینائی کے مقام پر ساحل سمندر سکندر کے وقت سے اس وقت تک کم از کم (۲۰) میل آگے بڑھ گیا ہے۔ یوین کے جنوب میں جو شمال عرض بلد ۲۴° ۳۰' میں واقع ہے زمین کا بہت سا حصہ اکبر کے زمانے سے اب تک پیدا ہوا ہے۔ ساحل سمندر آٹھویں صدی عیسوی میں عربوں کے حملے کے وقت اوسطاً ۲۴° ۳۰' تھا۔ اس وقت سے ہزار برس پہلے سکندر کے زمانے میں ساحل یقیناً بہت کچھ شمال کی طرف ہوگا۔ مگر اب یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص اس کا ایسا اندازہ لگا سکے جو صحت کے قریب ہو۔ ۲۵° کے متوازی خطوط کے متعلق فرض کیا جا سکتا ہے کہ سکندر نے وہیں سفر کیا تھا۔ دریائے گھرائی کے دہانے پر زمین اب ۲۳° ۳۰' تک پھیلتی جاتی ہے۔ (دیکھو ریورٹی۔ صفحات ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۷ وغیرہ۔ ہیگ۔ صفحات ۱۳۶۔ ۱۳۹۔ اور مسٹر آر۔ سیوراٹ کا قابل قدر مضمون "کچھ اینڈ دی رن"۔ جیاگریفیکل جرنل جلد ۲۹ (سنہ ۱۹۰۷ء) صفحہ ۵۱۸)۔ ان کے علاوہ دیکھو سربارٹل فریر کا مضمون۔ نوٹس آن دی رن آف کچھ رسالہ مذکورہ۔ سنہ ۱۸۷۰ء۔

تین دن تک پھرنے۔ اور کنوؤں کے متعلق انتظام کرنے کے بعد وہ پٹالہ کو واپس آیا۔ جھیل کے ساحل پر بندرگاہ اور گودیاں تعمیر کی گئیں۔ اور ان میں فوج رکھی گئی۔ چار مہینے کے لئے فوج کے واسطے رسد مہیا کی گئی۔ اور اُن دو دلیرانہ مہموں کے لئے جن کا اس نے قصد کیا تھا تمام ضروری تیاریاں کی گئیں۔ مہمیں یہ تھیں کہ بیڑا خلیج فارس کے ساحل کے پاس پاس روانہ ہو اور وہ خود فوج کے ساتھ گدروسیہ کے علاقے میں سے ہوتا ہوا جہاں تک ممکن ہو بیڑے کے متوازی فوج کے ساتھ رہے۔

سکندر کے منصوبے

اس کے منصوبے نہایت ہی وسیع تھے۔ نیارکس یعنے اس امیر البحر کو جس نے نہایت کامیابی سے بیڑے کی دریائے جہلم سے لیکر سمندر تک کے دس مہینے کے سفر میں رہنمائی کی تھی۔ اس کو حکم دیا گیا کہ وہ تمام بیڑے کو ساحل سمندر کے گرد ہوتا ہوا خلیج فارس میں دریائے فرات کے دہانے تک لے آئے۔ اور راستے میں جتنے عجیب و غریب ممالک اور سمندروں میں سے وہ گذرے ان کے حالات نہایت احتیاط کے ساتھ لکھتا جائے۔ سکندر نے بذات خود فوج کی کمان لی تاکہ اسے وہ اس جنگلی علاقے میں سے ایران کو لے جائے جسے اس زمانے میں گدروسیہ اور آجکل مکران کہتے ہیں۔ اور جس میں سے اس سے قبل سوائے سیمیرمیس کی فوجوں کے جس کا محض فسانہ چلا آتا ہے اب تک کوئی اور نہ گذرا تھا۔ اور ان دونوں سے وہ اس معاملے میں سبقت لیجانا چاہتا تھا۔ کیونکہ بادشاہ کے سفر پر ہوا اور موسم کا کوئی اثر نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے اکتوبر ۳۲۵ سنہ ق م میں روانہ ہو گیا۔ نیارکس موسمی ہواؤں کی تبدیلی کے بعد ہی روانہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے اُسے مجبوراً سکندر کے چلے جانے کے دو یا تین ہفتوں کے بعد لنگر اُٹھانا پڑا۔

سلہ نیارکس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ دریا میں سے ایتھنز کے مہینے بودرومئان کی بیسویں تاریخ کو روانہ ہوا تھا۔ (یعنے ستمبر اکتوبر ۳۲۵ سنہ ق م۔) یہ تاریخ بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے ممکن ہے کہ سکندر نے دو یا تین ہفتے قبل ہی اپنا سفر شروع کیا ہو۔ ارسٹو بیولوس

گدروسیہ اگرچہ گدروسیہ کا علاقہ عام طور پر ہندوستانی فرمانروائی یا سیاست کے دائرے سے باہر ہے۔ مگر یہ بتمام صوبہ یا اس کا کچھ حصہ وقتاً فوقتاً ہندی راجاؤں کی سلطنتوں کے ساتھ ملحق رہا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کی تاریخ بھی تاریخ ہند سے کسی طرح جدا۔ اور غیر متعلق نہیں سمجھی جا سکتی۔ مگر بلاشک و شبہ گدروسیہ کی ستراپی (صوبہ) ہندوستان کی اصل حدود سے باہر تھی۔ اور نیارکس کو اس کے ساحل پر اور اس کے بادشاہ کو اس کے صحرا میں جو واقعات پیش آئے ان کا مجمل ذکر سکندر کی ہندی مہم کی تاریخ کو مکمل کرنے کے لئے کافی ہوگا۔

سکندر کا بندرگاہ نیارکس کو دریا میں چند روز ٹھیرنا پڑا۔ اور آخر کار بہت وقت کے بعد وہ اپنا بیڑا بندرگاہ کی ایک رکاوٹ کو جو مغربی شاخ کے دہانے کو بالکل روکے ہوئے تھی دور کر کے پار لیجانے میں کامیاب ہوا[1]۔ باد مخالف کی وجہ سے اسے آگے چل کر (۲۴) دن تک ایک محفوظ بندرگاہ میں پناہ لینی پڑی جس کا نام اس نے سکندر کا بندرگاہ (الکزنڈرس ہیمون) رکھ دیا۔ ساحل افزائش زمین اور اس کی بربادی کی وجہ سے اس قدر بدل گیا ہے کہ دریا کے دہانے کے قریب کے مقامات کے موقع کے تعین کی کوشش کرنا بالکل بے حاصل ہے۔ مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بندرگاہ جہاں نیارکس نے پناہ لی تھی موجودہ شہر کراچی کے قریب واقع ہوگا۔ اس کے بعد امیر البحر نہایت احتیاط سے اس خطرناک ساحل کے پاس پاس

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ!۔ (سٹریبو باب ۱۵ فصل ۱۷) کو اس بات کی سند میں پیش کیا جاتا ہے کہ دریاؤں کے سفر میں دس مہینے لگے تھے بیڑا پٹالہ میں جولائی یا اگست میں پہنچا تھا۔ ان تمام کاموں میں جو پٹالہ میں کئے گئے یا اختتام پر پہنچائے گئے بہت کچھ وقت صرف ہوا ہوگا۔

[1] بعض مصنفوں نے اس لفظ کا ترجمہ بجائے "رکاوٹ" کے "چٹان" کیا ہے اور اس ترجمے کی بناء پر "موقع" کا تعین کرتے ہیں۔ مگر آرین آگے کہتا ہے کہ نیارکس نے اس "رکاوٹ" کے خصے میں ایک نہر کھودی تھی"۔ ۱۲

آگے بڑھا۔ اور اس عرصے میں اس کے بیڑوں کے لوگوں کو اکثر پانی اور خوراک کی کمی کی وجہ سے بہت تکلیف اُٹھانی پڑی۔ (۱۰۰) میل یا اس کے قریب قریب (۸۵۰ سٹیڈیا) سفر کرنے کے بعد بیڑا دریائے اربس (پُرالی) کے دہانے پر پہنچا۔ جو اربوی یعنے ہندی نسل کی آخری قوم جو اس اطراف میں آباد تھی۔ اور ارٹئی قوم کے درمیان جو دریا کے مغربی جانب ایک وسیع قطعے میں آباد تھے۔ حد فاصل تھا[۱]

قوم اورٹئی۔ اندازاً (۸۰۰) سٹیڈیا کا فاصلہ اور طے کرنے کے بعد بیڑا ایک مقام پر پہنچا جسے کوکلا کہتے تھے۔ یہاں جو لوگ تھکے ماندے تھے ان کو اجازت دی گئی کہ وہ خشکی پر اتریں اور آرام لیں۔ جس کی ان کو بہت ضرورت تھی۔ اس اثنا میں کہ ملاح ایک قلعبند چھاؤنی میں آرام لے رہے تھے۔ (انڈیکا۔۲۳)۔ نیارکس نے لیوناٹاس کی خبر سنی جسے سکندر نے ایک فوج کے ساتھ اورٹئی قوم کو زیر کرنے کے لئے روانہ کیا تھا (انبس آف الگزنڈر۔ باب ۶ فصل ۲۲)۔ یہ معلوم ہوا کہ ایک عظیم جنگ میں ہولناک قتل و خونریزی کے بعد لیوناٹاس نے دیسی لوگوں کو شکست دی۔ اورٹئی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس جنگ میں ان کے (۶۰۰۰) آدمی اور تمام سردار کام آئے۔ ان کی فوج کی کل تعداد (۸۰۰۰) پیادے اور تین سو سوار[۲] تھی۔ مقدونیوں کا نقصان اگرچہ بہت نہیں ہوا تھا۔ مگر اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس میں لیوناٹاس کا ساتھی[۳] اپالوفینز جو کچھ عرصے پہلے ہی اس علاقے کا صوبہ دار مقرر ہوا تھا شامل تھا۔ اس طرح اب چونکہ

---

[۱] دریائے اربس یا اربٹاس کا راستہ بہت کچھ بدل گیا ہے۔ ۱۲

[۲] کرٹئس۔ باب ۹۔ فصل ۹

[۳] آرین۔ انڈیکا۔۲۳۔ مگر یہی مصنف اپنی کتاب انبس (باب ۶۔ فصل ۲۷) میں بیان کرتا ہے کہ سکندر نے گدروسیہ کے پائے تخت پورا (موجودہ بام پور) میں پہنچ کر اپولوفینز کو معزول کر دیا تھا۔ کیونکہ اس نے اس کی ہدایتوں پر بالکل عمل نہیں کیا تھا۔ آرین اس کے بعد بیان کرتا ہے کہ

نیارکس اور لیوناٹاس کے درمیان سلسلۂ آمدورفت قائم ہو گیا تھا۔ اس لیئے بیڑے کے جہازوں کی مرمت کی گئی۔ اور نئی رسد مہیا کی گئی۔ وہ ملاح جو سمندر کے کام میں بیکار ثابت ہوئے تھے فوج میں داخل کر دیئے گئے۔ اور ان کی جگہ لیوناٹاس کی فوج میں سے آدمی منتخب کیئے گئے؛

وحشی لوگ

سفر میں آگے بڑھکر بیڑا ساحل کے پاس پاس گذرتا ہوا دریائے ٹومیرس[1] کے دہانے کے پاس سے گذرا۔ یہاں ایک وحشی قوم آباد تھی جو لوہے کے استعمال سے بالکل بے خبر تھی۔ اور صرف لکڑی کی برچھیوں سے مسلح تھی جس کے سرے تیز کرنے کے لیئے جلائے جاتے تھے۔ ان وحشیوں کے تمام بدن پر جھبرے بال تھے۔ ان کے ناخن پنجے کی قسم کے تھے اور اتنے مضبوط تھے۔ کہ ان سے وہ کچا گوشت چیر پھاڑ سکتے تھے اور نرم قسم کی لکڑیوں کو چیر لیتے تھے۔ ان کا لباس وحشی جانوروں یا بڑی بڑی مچھلیوں کی کھالوں کا بنا ہوا تھا۔ ان وحشیوں سے ایک چھوٹی سی لڑائی کے بعد بیڑا وہاں پر پانچ دن تک مرمت کے لیئے ٹھیرا رہا۔ اور چھٹے دن وہ اس کوہی راس پر پہنچا جسے ملنا (یا راس مالن) کہتے ہیں۔ جو قوم اورٹئی کی مغربی سرحد تھی۔ یہ لوگ خود وحشی نہ تھے۔ بلکہ ہندوستان کے باشندوں کی طرح[2] مسلح اور ملبوس تھے۔ اگرچہ زبان اور رسم و رواج کے لحاظ سے ان سے مختلف تھے؛

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: تھوس جو اس کا جانشین ہوا جلد مر گیا۔ سبرٹاس اس کے بعد مقرر ہوا۔ کرٹئس لکھتا ہے (باب ۹۔ فصل ۱۰) کہ سبرٹاس سے پہلے میمنن صوبہ دار تھا۔ "جو کسی بیماری سے مر گیا۔" میں بذات خود ان متضاد باتوں کو کسی طرح حل نہیں کر سکتا؛

[1] آجکل اس کو ہنگول کہتے ہیں؛

[2] ڈیوڈرس اس امر میں متفق ہے کہ اورٹئی بہت سی باتوں میں ہندوستانیوں کے مشابہ تھے۔ مگر وہ یہ اضافہ کرتا ہے کہ وہ لوگ اپنے مردوں کو ننگا کر کے جنگلوں میں چھوڑ آتے تھے کہ وحشی جانور ان کو کھا جائیں؛

اقوام گدروسئیؤ اور اختھوفے گئو

راس مالن سے گذرنے کے بعد اندرونی ممالک کے باشندوں کا نام گدروسئیو تھا۔ نہ کہ اوریٹی[۱] ساحل سمندر کے رہنے والوں کے اوضاع و اطوار اور رسوم سے اب بھی یہ اجنبی مسافر متحیر ہوتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "ان کم نصیبوں کے پاس مچھلی کے سوا اور کچھ کھانے کو نہ تھا" اور اسی لیئے یونانیوں نے ان کا نام "اختھوفے گئو" یعنے "ماہی خور" رکھ دیا۔ ویلز جو بکثرت ساحل سمندر پر پائے جاتے تھے اگرچہ بیڑے کے ملاحوں کے لیئے باعث خوف وتردد تھے ساحل کے باشندوں کے لیئے بہت کار آمد تھے۔ کیونکہ انھیں کی ہڈیوں سے ان کے اچھے اچھے مکان بنتے تھے۔ اور ان کے زبردست جبڑے جیسے آجکل دروازوں کا کام دیتے ہیں اس وقت بھی دیتے تھے[۲]؛

جزیرۂ مسحور

نیارکس کے بیڑے کے ملاح جو ہر زمانے اور ہر ملک کے ملاحوں کی طرح سخت اوہام پرست تھے۔ ایک غیر آباد جزیرے کی جسے آرین نوسلا (انڈیکا ۳۰) کہتا ہے بہت سی جادو سحر کی باتیں سن کر

---

۱ آرین گدروسئیؤ کی اصطلاح کو سٹریبو کی نسبت زیادہ محدود معنوں میں استعمال کرتا ہے۔ موخر الذکر آریانہ تو بیان کرتے ہوے۔ (باب ۱۵۔ فصل ۲ صفحہ ۹ و ۸) اس کی حدود کو مشرق میں دریائے سندھ تک وسعت دیتا ہے۔ مگر اس میں کسی قسم کا تناقض نہیں۔ گدروسیہ کے صوبے میں بلاشک وشبہ اوریٹی اور اربوئی کا ملک اور اصل صوبۂ گدروسیہ شامل تھا۔ اوریٹی کے متعلق فرض کیا جاتا ہے کہ اب ان کے قایم مقام لاس بیلا کی لمری قبائل ہیں۔ جو راجپوت ہونے کے مدعی ہیں گدور جو لمری قوم میں ہی شامل ہیں ممکن ہے کہ گدروسئیؤ کے قایم مقام ہوں؛

۲ ساحل کے ان باشندوں کی عادات میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوی۔ مرد وزن۔ بچے۔ کتے۔ اونٹ اور مویشی سب مچھلیاں کھاتے ہیں۔ (جیاگریفیکل جرنل سنہ ۱۸۹۶ صفحہ ۳۸۸) فلاسٹریٹس کو بالکل صحیح بتلایا گیا تھا کہ "ان باشندوں کی بھیڑیں عجیب ہیں ان کے گڈریئے انھیں مچھلیاں کھلاتے ہیں جیسا کہ کیریا میں کتوں کو" اپولونئس باب ۳۔ فصل ۵۵؛

بہت خوف زدہ ہو گئے تھے۔ یہ جزیرہ آجکل استولا۔ اُستلُو۔ ہَشتلُو۔ یا ہفتلا کہلاتا ہے۔ اور یہی جزیرہ ہے جسے فلاسٹریٹاس نے سلیرا لکھا ہے۔ یہ راسہائے اُرمیرا۔ اور پسنی کے درمیان میں واقع ہے۔ اور اس وقت بھی وہ ماہی گیروں کے لیئے ایسا ہی تردد انگیز ہے جیسا کہ اس وقت یونانی ملاحوں کے لیئے باعث فکر و خوف تھا۔[1]

بیڑے کا اُرمُز کے مقام پر پہنچنا۔

اس طرح تمام حقیقی یا خیالی خطرات میں سے گذرتا ہوا۔ یہ بیڑا بدیس کی بندرگاہ پر پہنچا جو راس جیسک کے قریب آبنائے اُرمُز کے دہانے پر واقع تھا۔ اور اب وہ کرمانیہ کے زیادہ شائستہ علاقے میں داخل ہوا۔ آبنائے کے اندر جا کر شاداں و فرحاں ملاح ہرموزیہ (ہرمزا) (اُرمُز) کے مقام پر پہنچے۔ یہ نہایت ہی خوشگوار جگہ تھی۔ اور سوائے زیتون کے سب ضروری چیزیں وہاں پیدا ہوتی تھیں۔ یہاں یہ لوگ خشکی میں اتر ے۔ اور جب سب آرام و استراحت میں مشغول تھے چند لوگ اندرون ملک کی طرف روانہ ہوئے۔ اور ایک شخص کو یونانی لباس پہنے اور یونانی زبان بولتے دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔ اس دور و دراز اور اجنبی ملک میں اپنی زبان سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ دونوں طرف سے سوال و جواب کے بعد یہ معلوم ہوا کہ وہ سکندر کی فوج کا ایک گم کردہ راہ شخص تھا۔ اور اس نے

---

[1] ہولڈچ کی "دی انڈین بورڈر لینڈ" (شایع کردہ میوتھن ۱۹۰۱ء) صفحہ ۲۰۶۔ دی گیٹس آف انڈیا صفحہ ۱۶۰۔ اس مصنف کے خیال کے مطابق مکران کے ساحل میں بہت تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اور نیارکس کے بہت سے بندرگاہوں کا تعین ہو سکتا ہے۔ مگر بعض جزائر کٹ کٹ کر برباد ہو گئے ہیں۔ اس صوبے کے نام کو ریورٹی مکران لکھتا ہے۔ گدروسیہ کے درمیان کوچ کے لیئے ہولڈچ کا لکچر "اے ریٹریٹ فرام انڈیا" موجودہ سند ہے۔ (جرنل یونائیٹڈ سروس انسٹیٹیوٹ۔ انڈیا ۱۸۹۴ء صفحہ ۱۱۲۔ مع نقشہ)۔ یہی مصنف اپنے مضمون "نوٹس آن انیشنٹ اینڈ میڈیول مکران" (جیاگرفیکل جرنل ۱۸۹۶ء) میں سکندر کے راستے کا ایک نقشہ دیتا ہے۔

ان کو یہ خوش خبری سنائی کہ بادشاہ بھی وہاں سے صرف پانچ منزل کے فاصلے پر مقیم تھا؛

سکندر اور نیارکس کی ملاقات۔

نیارکس اور آرکیش نے فوراً اپنے بادشاہ سے ملاقات کے لئے اندرون ملک میں جانے کا انتظام کیا اور بہت کچھ تکالیف و مصائب برداشت کرنے کے بعد وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مگر ان کی حالت ایسی ردی اور زدہ تھی کہ شروع شروع میں سکندر ان کو شناخت نہ کر سکا۔ اور انجام کار جب اسے اپنے دونوں افسروں کی شخصیت کے متعلق اطمینان ہو گیا۔ تو اس نے فوراً یہ فرض کر لیا کہ یہی دو شخص اس کے تمام بیڑے سے بچے ہوئے ہیں۔ اور بیڑا تباہ ہو گیا۔ اور اس خیالی مصیبت کا خیال کر کے وہ بہت غمگین ہو گیا۔ مگر جلد ہی نیارکس نے اسے اطمینان دلا دیا اور کہا کہ جہاز صحیح و سالم دریائے انمل کے دہانے پر مرمت کے لیے ٹھیرے ہوئے ہیں؛

دریائے دجلہ کیطرف بحری سفر۔

امیر البحر نے اپنے آپ کو اس خدمت پر پیش کیا کہ وہ بیڑے کو خلیج سوسہ تک لیجائے گا۔ اس کے بعد وہ ساحل کیطرف واپس ہوا۔ مگر وہاں پہنچنے کے لئے اس کو لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ اس کے بعد وہ سفر کے لئے روانہ ہو گیا اور بغیر کسی بڑے واقعے کے دریائے فرات کے دہانے پر پہنچ گیا۔ اب اس نے سنا کہ سکندر سوسہ کے قریب پہنچ گیا ہے۔ اس لئے وہ واپس پھرا اور اس سے ملنے کے لیے دریائے دجلہ میں داخل ہوا۔" اس طرح وہ مہم جو دریائے سندھ کے دہانے سے روانہ کی گئی تھی پھر صحیح و سالم سکندر سے آملی"۔ (آرین۔ انڈیکا ۴۲)؛

سکندر کی فوج کے مصائب۔

وہ مصائب جو سکندر کی زیر کمان فوج کو برداشت کرنے پڑے ان سے کہیں زیادہ تھے جن کا نیارکس کے بیڑے نے مقابلہ کیا۔ اور وہ ان پر غالب آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سکندر سلسلۂ کوہ ہالہ کے وجود سے بالکل ناواقف تھا۔ جو راس مالن کے قریب آکر ختم ہو جاتا ہے۔ اس بڑی رکاوٹ نے جس کے گرد گھوم کر اس کو گذرنا پڑا۔

اس کے تمام منصوبوں اور تدبیروں پر پانی پھیر دیا۔ وہ مجبور ہو گیا کہ بہت دور اندرون ملک میں چلا جائے۔ اور اس طرح ایک عرصے کے لئے اس کا تعلق بیڑے سے بالکل جاتا رہا۔ فوج نے پیاس سے سخت تکلیف اٹھائی۔ اور بدقسمت سپاہی ہزاروں کی تعداد میں مر گئے۔ ایرین لکھتا ہے کہ "دھوپ جھلسائے دیتی تھی اور پانی کی کمی نے فوج کے ایک بڑے حصے کو تباہ و برباد کر دیا۔ اور خاص کر باربرداری کے جانوروں نے بہت نقصان اٹھایا۔ اور ریت کی گہرائی کی وجہ سے مر گئے۔ گرمی آگ کی طرح سب کو جھلسے دیتی تھی۔ اور آدمیوں کی ایک کثیر تعداد پیاس کے مارے تڑپ کے مر گئی"۔ آخرکار باقی ماندہ فوج بمشکل تمام ساحل کی طرف واپس روانہ ہوئی۔ اور پسنی کی بندرگاہ کے پاس تقریباً اس جگہ جہاں آجکل تار برقی کا تار جاتا ہے۔ ساحل پر نمودار ہوئی۔ اب اس کے مصائب و شدائد کا خاتمہ ہو گیا۔ مگر سپاہیوں نے مجبور ہو کر "اس تمام مال غنیمت کو جو انھوں نے اپنے دشمنوں سے حاصل کیا تھا۔ اور جس کے حاصل کرنے کے لئے وہ مشرق اقصیٰ کی حد تک ہو آئے تھے۔ جلا کر خاکستر کر دیا"۔ سپہ سالار کی عالیشان کامیابی کا خاتمہ بربادی پر ہوا۔

پنجاب میں بغاوت

فوج ابھی کرمانیہ ہی میں مقیم تھی کہ یہ خبر ملی کہ فلپوس جو دریائے اسینز اور دریائے سندھ کے مقام اتصال کے شمالی صوبوں کا سترپ (صوبہ دار) تھا۔ اپنی غدار تنخواہ دار فوج کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اگرچہ اس منحوس خبر کے ساتھ یہ تفصیل بھی تھی کہ صوبہ دار کی مقدونی محافظ فوج نے قاتلوں کا قلع قمع کر دیا ہے۔ مگر سکندر کی اس وقت حالت ایسی نہ تھی کہ کوئی مستقل انتظام کر سکتا۔ اور مجبوراً اس کو اسی پر قانع ہونا پڑا کہ وہ ایک پیغام ہندوستان بھیجدے کہ ٹیکسلا کا راجہ امبھی اور تھریس کی حصۂ فوج کا افسر یوڈیمس جو بالائے دریائے سندھ میں مقیم تھا (کرٹیس۔ باب ۱۰۔ فصل ۱-۱۱) صوبے کا کام اس وقت تک اپنے ہاتھ میں سالے لیں جب تک کہ کوئی مستقل صوبہ دار مقرر نہ کیا جائے۔ مگر آئندہ سال بابل (جون ۳۲۳ قم[1]) میں سکندر کی موت

[1] جرمن علماء کی تاریخ و ماہ کو صحت کے ساتھ تعین کرنے کی کوششیں ناکافی اسناد پر مبنی ہیں۔

اس امر میں قطعی طور پر موثر ثابت ہوئی کہ دریائے سندھ کے مشرقی مقبوضہ علاقے پر کسی قسم کی نگرانی قائم نہ رہ سکی ۔

ہندوستان کو مقدونیوں نے بالکل چھوڑ دیا۔

۳۲۱ سنہ ق م میں جب ٹری پراڈیسوس کے مقام پر سکندر کی تمام سلطنت کی دوبارہ تقسیم ہوئی تو انٹی پیٹر[۱] نے پورس اور امبھی کو دریائے سندھ کی وادی اور پنجاب کا بادشاہ مقرر کر کے بہ ہیئت مجموعی ہندوستان کی خود مختاری تسلیم کر لی۔ پیتھون جس کو سکندر نے دریائے سندھ کے ڈلٹا کا ستر پ (صوبہ دار) مقرر کیا تھا اب ان صوبوں میں منتقل کر دیا گیا جو پروپٹی سیڈی کے ساتھ ملحق تھے یعنی دریائے سندھ کے مغرب میں ارکوسیہ وغیرہ کے علاقے اور اس طرح مقدونی حکومت نے ہندوستان کو درحقیقت اگر بظاہر نہ سہی بالکل ترک کر دیا۔ تمام مقدونی افسروں میں صرف یوڈیمس نے تقریباً ۳۱۷ سنہ ق م تک دریائے سندھ کی وادی میں اپنا کچھ اقتدار قائم رکھا۔

سکندر کی مہم کی مدت۔

بہ ہیئت مجموعی سکندر کی ہندی مہم کی مدت تین سال ہے۔ یعنی مئی ۳۲۷ سنہ ق م سے جب اس نے کوہ ہندوکش کو قطع کیا مئی ۳۲۴ سنہ ق م تک جب وہ سوسہ کے مقام میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) :۔ (دیکھو ہوگرتھ کی فلپ اینڈ الکزنڈر آف میسڈون ضمیمہ) ۱۲ ڈ

[۱] ڈیوڈرس (باب ۱۸ فصل ۳۹) لکھتا ہے "انٹی پیٹر نے پھر صوبوں کو نئے سرے سے تقسیم کیا۔ اور ہندوستان کے علاقے جو پروپٹی سیڈی سے ملحق تھے اگنور کے بیٹے پیتھون کو دے دیا۔ سابقہ علاقوں میں سے اس نے اس علاقے کو جو دریائے سندھ کے ساتھ تھا پورس کو۔ اور ہائی ڈس پیز کے ساتھ کے علاقوں کو ٹکسلا کے راجہ کو۔ کیونکہ ان بادشاہوں کو ان علاقوں سے بغیر شاہی فوج اور کسی بڑے سپہ سالار کی مدد کے بے دخل کرنا ناممکن تھا۔" اس عبارت میں پورس اور امبھی کے نام بدل گئے ہیں۔ دریائے سندھ کی وادی بظاہر ٹکسلا کے راجہ کے قبضہ میں جانی چاہئے تھی۔ کیونکہ پورس کی سلطنت دریائے ہائی ڈس پیز کے مشرق میں واقع تھی۔ ۱۲ ڈ

داخل ہوا۔ اس مدت میں سے تقریباً انیس مہینے دریائے سندھ کے مشرق میں ہندوستان کے علاقے میں پورے ہوئے۔ یعنے فروری یا مارچ ۳۲۶ء ق م سے جب اس نے اوہنڈ کے مقام پر پل کو عبور کیا ستمبر یا اکتوبر ۳۲۵ء ق م تک جب وہ قوم اربوئی کے علاقے میں داخل ہوا۔

سکندر کی طبعی ذہانت۔ اگر ان تمام واقعات کو ایک سپاہی کی نظر سے دیکھا جائے تو اس کے وہ کارنامے جو اس نے اس محدود مدت میں پورے کئے یقیناً عجیب و غریب اور بے نظیر ہیں۔ اس کی صف آرائی۔ فوجی پیش بندی۔ اور فوجی عملدرآمد کو پڑھکر ناظرین کے دل میں لامحالہ یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے ان کاموں کو تکمیل کے درجے تک پہنچا دیا تھا۔ ممکن ہے کہ ایک سپاہی پیشہ سکندر کے سپاہیوں کی طرح اس کے ذاتی تہور کی وجہ سے اس کو مورد الزام بنائے۔ کیونکہ وہی ایک فرد تھا جس کی زندگی پر تمام فوج کی سلامتی منحصر تھی۔ مگر اس قسم کی تنقید تعریف و توصیف میں آکر گم ہو جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی خیال رکھنا چاہئیے کہ بادشاہ کے اس قسم کے تہورانہ افعال کا ان فوجیوں کی بہادری اور دلیری پر کتنا کچھ اثر پڑتا ہوگا جو عموماً جلد فتح اور کامیابی سے مایوس ہو جاتے ہیں۔

تین بڑے کارنامے دریاؤں کے راستے سے سمندر میں ایسی شائستہ اور مسلح اقوام کے علاقوں سے گذر کر داخل ہونا جو مسلم طور پر ایشیا کی سب سے بہادر ترین قومیں تھیں۔ اور نیارکس کا دریائے سندھ سے دجلہ کا بحری سفر ایسے کارنامے ہیں جو بلا کم و کاست کامیاب کارنامے کہے جا سکتے ہیں۔ تیسرا کارنامہ یعنے سکندر کی زیر کمان فوج گدروسیہ کے علاقے میں سے گذرنا بھی ویسا ہی کامیاب ثابت ہوتا اگر اس میں بعض قدرتی موانع حائل نہ ہو جاتے جن کو خبروں کے ناتمام ہونے کی وجہ سے بادشاہ پہلے سے نہ معلوم کر سکا۔ مگر بہرحال اس کے متعلق بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بالکل ناکامیابی ہوئی۔ باوجود ان تکلیفوں کے جو اس کو برداشت کرنا پڑیں۔ اور ان ناقابل تلافی نقصانات کے جو اسے اٹھانے پڑے یہ فوج پھر بھی

جب اس ریگستان سے نکلی تو پیشتر سی ترتیب یافتہ اور منتظم فوج تھی۔ اور اسکے علاوہ اسکے سپہ سالار کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔

حقیقی کامیابی

مجموعاً سکندر کی ہندی مہم بالکل کامیاب رہی۔ اور اس کامیابی میں دریائے ہائی فے سس پر فوج کے غدر نے کوئی رخنہ نہیں ڈالا۔ اگر اس کے سپاہی اور اندرون ملک میں چلے جانے پر راضی ہوتے تو غالباً وہ یورپ کے ساتھ اپنے فوجی مرکز کا سلسلۂ آمد و رفت قائم رکھنے میں کامیاب ہوتا۔ جس پر کہ اس کی سلامتی کا انحصار تھا۔ اور اس کا تن تنہا لشکرِ دشمنوں کی محض تعداد کے نرغے میں آکر مغلوب ہو جاتا۔ کیونوسس اور اس کے ہمراہیوں کی مخالفت کی قدر کرنی چاہئے کہ انھوں نے مقدونی فوج کو کامل بربادی اور تباہی سے بچا لیا۔

ایشیائی ممالک کی کمزوری۔

سکندر کے کوہستان ہمالیہ سے لیکر سمندر تک فاتحانہ کوچ نے عظیم الشان ایشیائی فوجوں کی اصلی کمزوری کو بمقابلۂ یوربین اقوام کی ماہر فن اور تربیت یافتہ افواج کے بخوبی روشن کر دیا۔ مہیب ہاتھیوں کا خوف و خطر زائل ہو گیا۔ اور یہ ثابت ہوا کہ مقدونی سواروں کے مقابلے میں ان پر اعتماد کرنا بالکل ہیچ ہے۔ سندھ سے لیکر کریٹراس کا ایران کی طرف بلامزاحمت سفر سے ایک دوسری خشکی کا راستہ کھل گیا۔ اور خشکی کی راہ سے یورپ اور ایشیا کے درمیان راستے کا مسئلہ حل ہو گیا نیارکس کے ساحل سمندر کے پاس پاس سفر کرنے سے سکندر کے لیے ایک تیسرا بحری راستہ قائم ہو گیا۔ اور اگر وہ زندہ رہتا تو یہ خیال کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ اسے سندھ اور پنجاب پر اپنا تسلط قائم رکھنے میں کوئی دقت پیش آتی۔

سکندر کی موت کا اثر۔

اس کے تمام کاموں سے بلاخوف تردید یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان صوبوں کو مستقل طور پر اپنی سلطنت میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ اور وہ ذرائع جو اس نے اس کام کو پورا کرنے کے لئے اختیار کئے بظاہر کامیابی کے لیے کافی و وافی تھے۔

لیکن سکندر کی قبل از وقت موت نے اس کی تمام کامیابیوں اور ذریعوں پر پانی پھیر دیا۔ اس کی مراجعت کے بعد تین ہی سال کے اندر اس کے افسروں کو نکال باہر کیا گیا۔ اس کی فوجیں تباہ و برباد ہوگئیں۔ اور اس کی حکومت کے تمام نشان و آثار مٹ گئے۔ وہ نئی بستیاں جو اس نے ہندوستان میں قایم کیں۔ اور ایشیائی صوبوں کی بستیوں کے برخلاف یہاں بالکل نہ پھلیں پھولیں۔ یہ مہم اگرچہ اسے نہایت احتیاط سے مستقل فتوحات کے لئے آمادہ کیا تھا۔ آخر میں اپنے حقیقی نتائج کے لحاظ سے وسیع پیمانے پر ایک نہایت کامیاب یورش سے زیادہ ثابت نہ ہوئی۔ اور اس نے ہندوستان پر سوائے کشت و خون کے اور کوئی اثر نہ چھوڑا۔[1]

ہندوستان میں تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

اس مہم سے ہندوستان میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوا جنگ نے جو زخم ڈالے تھے جلد اچھے ہو گئے۔ اور ویران اور اُجاڑ کھیت بارکش بیلوں اور محنتی کاشتکاروں کی تندہی سے جو چند سال سے بے جتے پڑے تھے۔ پھر ہرے بھرے ہو گئے۔ اور بے شمار مقتولوں کی جگہ روز افزوں آبادی نے بھردی۔ جس میں انسان کے ظلم اور فطرت کے بے رحمانہ عمل کے سوا اور کوئی رکاوٹ کبھی پیدا نہیں ہوسکتی۔ ہندوستان پر یونانی تہذیب نے کوئی اثر نہیں کیا۔ اور وہ پہلے کی طرح اب بھی اپنی "شاندار علیحدگی" کی زندگی بسر کرنے لگا۔ اس نے مقدونی طوفان کو بہت جلد فراموش کردیا۔[2] کوئی ہندی مصنف خواہ وہ ہندو ہو یا بدھ۔ یا جین سکندر یا سکندر کے کارناموں کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتا۔

[1] نیس کا بعید از عقل خیال کہ سکندر کے حملے کے بعد ہندوستانی ترقیوں کا راز اسکے قائم کئے ہوئے دستوروں میں مضمر ہے میرے نزدیک کسی طرح درست نہیں۔ اور نہ کوئی واقعہ اُس کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ میرے نزدیک میتھیو آرنلڈ کے یہ الفاظ ہندوستان پر پورے صادق آتے ہیں:-

"مشرق نے طوفان کے آگے نفرت و حقارت سے سر تسلیم خم کردیا۔ فوجیں تمام تباہیوں کو ہمرکاب لیئے ہوئے اس کے سر پر سے گذر گئیں۔ اور وہ پھر اپنے خیال میں محو ہوگیا۔"

سکندر اعظم کی ہندی مہم کا جدول تاریخ

از مئی ۳۲۷ سنہ ق م تا مئی ۳۲۶ سنہ ق م

تاریخ ق م	واقعات
	ہندوستان میں داخلہ
اوائل مئی ۳۲۷ سنہ	کوہ ہندوکش کو دریائے خاوک اور کوشان ہیں سے ہو کر قطع کرنا ہے
جون	نیکیا (غالباً جلال آباد) کے مقام سے سکندر چیدہ فوج کو ہمراہ لے کر کوہستانی علاقے کو مطیع کرنے کے لئے روانہ ہوتا ہے۔ ہیفے اسٹئان باقی ماندہ فوج کے ساتھ غالباً دریائے کابل کی وادی سے ہوتا ہوا دریائے سندھ کی طرف بڑھتا ہے
اگست	ہیفے اسٹئان نے استیز (ہستی) کا قلعہ تیس دن کے محاصرے کے بعد فتح کیا
ستمبر	سکندر نے اپنی فوج کی تقسیم کی۔ اور بذات خود قوم اسپیسئن کے مقابلے کو روانہ ہوا۔ دریائے گوروئس (پنجکوڑ) کو عبور کیا اسکینسئن قوم کے شہر مسگا کو فتح کیا۔ اور (۷۰۰) ہندی سپاہیوں کا قتل عام کیا
نومبر	ارناس کا محاصرہ
دسمبر ۳۲۶ سنہ	ارناس کی فتح
جنوری	سکندر کی اوہند کے پل پر آمد
جنوری سے فروری تک	تیس دن تک فوج کا قیام

تاریخ قبل مسیح	واقعات
فروری سے مارچ تک اپریل	"موسم بہار کے شروع میں" دریائے سندھ کو عبور کرنا۔ ٹیکسلا میں قیام۔ مشرق کی طرف بڑھنا۔
مئی	دریائے ہائی ڈس پیز (جہلم) پر آمد۔
اوائل جولائی	جنگ ہائی ڈس پیز۔ پورس کی شکست۔
جولائی	نیکیا اور بوکفل کی بِنا۔ دامن کوہ کے قریب دریائے اکسینز (چناب) کو عبور کرنا۔
اگست	دریائے ہائی ڈروٹس (راوی) کا عبور کرنا۔ اور کیتھئن قوم کے ساتھ جنگ۔
ستمبر	دریائے ہائی فے سس پر آمد۔ اور فوج کا آگے بڑھنے سے انکار۔
	مراجعت
ستمبر۔ اکتوبر۔	دریائے ہائی ڈس پیز (جہلم) کی طرف واپس ہونا۔
ختم اکتوبر ۳۲۵	دریائی سفر کا آغاز۔ اور "بیرس" کی محافظ فوج کے کوچ کا شروع۔
جنوری	ملوئی قوم کی طاقت کا خاتمہ۔
ستمبر تک	بحری سفر کا جاری رہنا۔ سگدی۔ سمباس۔ موسی کناس وغیرہ کے ساتھ جنگ۔
اوائل اکتوبر	سکندر کی گدروسیہ کے کوچ کرنے کی غرض سے روانگی۔
آخر اکتوبر ۳۲۵	نیارکس کا خلیج فارس میں سفر کے لیے روانہ ہونا۔
اوائل جنوری	سکندر کی پورا (بامپور) گدروسیہ کے دارالسلطنت پر آمد۔ جو اور اس سے ساٹھ دن سفر کے فاصلے پر واقع تھا۔
جنوری	فوج کا پورا مقام پر قیام۔
فروری	کرمانیہ میں گذرنا۔ تقریباً (۳۰۰) میل کا فاصلہ۔

تاریخ قبل مسیح	واقعات
اپریل کا خاتمہ یا مئی کا شروع سنہ ۳۲۳ جون	ایران میں سوسہ کے مقام پر کرمانیہ کے مغربی سرحد پر سے تقریباً (۵۰۰) میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد آمد ۔ بابل کے مقام پر سکندر کی موت ۔

نوٹ :- خاص ہندوستان میں اس کے دریائے سندھ کو مارچ ۳۲۶ سنہ ق م میں عبور کرنے کے بعد سے لے کر اواخر ستمبر یا اوائل اکتوبر ۳۲۵ سنہ ق م میں گدروسیہ کے کوچ کے لئے روانگی تک سکندر نے تقریباً (۱۹) مہینے بسر کئے۔ اس مدت میں دس مہینے دریائی سفر میں گذرے۔ اور ہندوستان سے سوسہ کی طرف کوچ میں سات مہینے گذرے۔ باختر کی سرحد یعنے ہندوکش سے لے کر دریائے سندھ تک اور ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر کوہستانی اقوام کے مطیع کرنے میں دس مہینے گذرے ۔

اوّل - مئی ۳۲۷ سنہ ق م سے فروری ۳۲۶ سنہ ق م تک (جس میں فروری شامل ہے) :- ہندوکش سے دریائے سندھ تک کوچ - تقریباً دس ماہ ۔

دوم - مارچ ۳۲۶ سنہ سے ستمبر ۳۲۵ سنہ تک (جس میں ستمبر شامل ہے) :- خاص ہندوستان میں تقریباً انیس ماہ ۔

سوم - اکتوبر ۳۲۵ سنہ سے اپریل ۳۲۴ سنہ تک (جس میں اپریل شامل ہے) :- سوسہ کی طرف کوچ - تقریباً - سات ماہ ۔

کل مدت ہم ؛ تین سال

باب پنجم

چندرا گپتا موریا اور بندُسار

از ۳۲۱ ق م تا ۲۷۲ ق م

یوڈمس - جب سکندر پنجاب سے گیا تو اُس نے اس صوبے میں کوئی مقدونی فوج نہیں چھوڑی۔ بلکہ اپنے تمام کام کو راجہ پورس کے سپرد کر دیا۔ جو یقیناً عملی طور پر خود مختار ہی ہو گا۔ ٹکسلا کا راجہ اُبھی بھی پورس کے شریک کے طور پر مقرر کیا گیا۔ فلپوس کے قتل کے بعد سکندر نے کرمانیہ سے یوڈمس کے نام جو دریائے سندھ پر تھرلیس کی فوج کا افسر اعلیٰ تھا احکامات جاری کئے تھے کہ جب تک کوئی خاص صوبہ دار مقرر نہ ہو اس وقت تک وہ وہاں ریذیڈنٹ کا کام انجام دے اور دیسی راجاؤں پر نگرانی قایم رکھے۔ مگر اس افسر کے پاس ایسی کوئی فوج نہ تھی جس سے وہ اپنے اختیارات کو برقرار رکھ سکتا۔ اور اسی وجہ سے یہ اقتدارات بالکل برائے نام ہوں گے۔ بہرحال اس نے اتنا ضرور کیا کہ غالباً دریائے سندھ کی وادی میں کسی نہ کسی طرح ۳۱۷ ق م تک ہندوستان میں ٹھیرا رہے اس کے بعد وہ انٹیگونس کے مقابلے کو یومینیز کی مدد کے واسطے اپنے ساتھ ایک سو بیس ہاتھی۔ اور سوار اور پیادوں کی ایک چھوٹی سی جمعیت لے کر روانہ ہو گیا۔ ہاتھی اس نے بے ایمانی سے ایک ہندی راجہ کو قتل کر کے حاصل کئے تھے۔ یہ راجہ غالباً پورس ہو گا۔ جس کا سکندر نے اس کو شریک مقرر کیا تھا؛

پیتھون وغیرہ

سندھ کا صوبہ۔ یعنے جنوبی دریائے سندھ اور دریاؤں کے مقام اتصال کے نیچے کا علاقہ جس کو سکندر نے پیتھون اگینور کے بیٹے کے سپرد کیا تھا۔ اس سے بھی کم مدت تک یونان کے زیر اثر رہا۔ ۳۲۱ء ق م میں سکندر کی سلطنت کی دوسری مرتبہ تقسیم کے وقت انٹی پیٹر کے لئے صاف طور پر ناممکن تھا کہ وہ ہندوستانی راجاؤں پر کسی قسم کی نگرانی قائم رکھ سکے۔ اور اس سے قبل ہی پیتھون مجبور ہو گیا تھا کہ وہ دریائے سندھ کے مغرب میں ہٹ آئے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دریا کی مشرقی جانب کے ہندی صوبوں کو اس تقسیم کے وقت بالکل نظر انداز کر دیا۔ اور پیتھون نے غنیمت سمجھکر صرف کابل کے علاقے کو قبول کر لیا۔ غالباً یہ ملک بدستور سابق روشنک کے باپ آکسیر ٹینز کے زیر انتظام رہا۔ جس کو سکندر نے وہاں کا صوبہ دار مقرر کیا تھا۔ سبرٹیاس کو اراکوسیہ اور گدروسیہ کی سلطنت پر مستقل کر دیا۔ سٹیسنڈر اس کو ایریہ اور ڈرنگیانہ کے ممالک دیئے گئے۔ اور اس کے ہم وطن سٹیسنار کو باختر اور صغدانیہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔[۱] ان تمام انتظامات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ۳۲۱ء ق م میں سکندر کی موت سے دو سال کے اندر ہی اندر دریائے سندھ کے مشرق میں یونانی طاقت کا بالکل خاتمہ ہو گیا تھا۔ اور اس سے صرف وہی علاقہ جہاں کہیں وہ واقع ہو مستثنیٰ تھا جس پر کسی نہ کسی طرح یوڈیمس نے چار سال تک اپنا قبضہ قائم رکھا۔

ہندوستانیوں کی بغاوت۔

تو مفتوحہ ہندی صوبوں میں مقدونی طاقت کا غیر محفوظ ہونا تو فلپوس کے قتل سے ثابت ہو چکا تھا۔ اس واقعے کی خبر جبکہ سکندر کرمانیہ ہی میں تھا کہ اسے پہنچ گئی تھی۔ اور اس زمانے میں یہ ہر طرح ممکن تھا کہ وہ پھر کسی وقت ہندوستان میں واپس آجائے۔ جون ۳۲۳ء ق م میں اس کی موت نے تمام خوف و خطر کو زائل کر دیا۔ اور

[۱] میک کرنڈل نے اپنی کتاب "ان ویشن آف انڈیا بائی الگزینڈر دی گریٹ" دوسری ایڈیشن صفحہ ۴۱۱ میں ان دونوں افسروں کے ناموں کو خلط کر دیا ہے۔ ۱۲

ہندی راجاؤں نے بلا شک و شبہ جس قدر جلد ممکن تھا۔ اپنی گئی ہوئی خود مختاری کو پھر حاصل کر لیا۔ اور غیر ملکی کمزور فوج کو تباہ و برباد کر دیا۔ سکندر کے مرنے کی خبر غالباً ہندوستان میں اگست ہی کے مہینے میں معلوم ہو گئی ہو گی۔ مگر معمولی افسروں نے موسم سرما کے شروع ہونے یعنے اکتوبر سے پہلے کسی قسم کی فوجی کارروائی نہ کی ہو گی۔ کیونکہ سکندر کی طرح ہندی راجہ موسم اور آب و ہوا سے بالکل بے پروانہ تھے۔ بلکہ فوجی نقل و حرکت میں اپنے سلف کے پیرو تھے۔ ہم کو یقین کر لینا چاہیئے کہ جونہی فاتح سکندر کی موت کا یقین ہو گیا اور اب اور موسم آیا جس میں فوجی نقل و حرکت آسانی سے ہو سکے تو تمام ہندیوں نے ایکا کر کے بغاوت کی۔ اور ہندوستان میں مقدونی طاقت کا خاتمہ اوائل ۳۲۲ ق م ہی میں ہو گیا۔ سوائے اس علاقے کے جو یوڈیمس کے پاس اور تھوڑی مدت تک رہا۔

چندر اگپتا کی اوائل زندگی کے حالات

غیر ملکی قوم کے مقابلے میں اس بغاوت کا سرغنہ ایک شخص چندر اگپتا نامی تھا۔ یہ اس زمانے میں بالکل نوجوان تھا۔ اور غالباً اس کی عمر اس وقت پچیس برس سے زیادہ نہ تھی۔ اگرچہ وہ باپ کی طرف سے شمالی ہند کی سب سے بڑی سلطنت مگدھ کے شاہی خاندان کا ایک فرد تھا مگر اس کی ماں یا بقول بعض اس کی نانی ایک نیچ ذات کی عورت تھی۔ ہندوؤں کے قانون کے بموجب اس کا تعلق بجائے باپ کی ذات کے ماں کی ذات سے تھا۔ اور اسی وجہ اسے نیچ ذات ہونے کی تمام ذلتیں برداشت کرنا پڑیں۔ موریا کا خاندانی نام جو چندر اگپتا کے قائم کردہ شاہی خاندان کے افراد نے اختیار کیا تھا کہا جاتا ہے کہ اس کی ماں یا نانی کے نام مُورا سے مشتق تھا۔ کسی نہ کسی وجہ سے اس نوجوان چندر اگپتا سے اس کا رشتہ دار فرمانروا راجہ غالباً مہانند ناراض ہو گیا تھا۔ اور اسے جلاوطنی اختیار کرنی پڑی تھی[۱]۔ اس جلاوطنی کے اثنا میں اس کی قسمت نے یاوری کی اور

[۱] وہ نہایت ہی ادنی درجہ کے لوگوں میں پیدا ہوا۔ جب نند رُس (یعنے نند) کی ہتک

سکندر سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے یہ رائے دی تھی کہ اگر مقدونوی بادشاہ آگے بڑھتا تو وہ بڑی آسانی سے دریائے گنگ کے آس پاس کی سلطنت کو فتح کر لیتا۔ چونکہ اس وقت کا حکمراں بادشاہ اپنی رعایا میں نہایت ہی بدنام تھا[1]۔ مہاپدم نند کے متعلق مشہور تھا کہ وہ ایک نائی کا بیٹا تھا جس نے متوفی راجہ کی ملکہ کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا تھا۔ ان دونوں مجرموں نے بادشاہ کو قتل کر دیا۔ اور نائی نے اس کے تخت پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کا بیٹا جو اب برسر حکومت تھا۔ بخیل اور حد درجہ بدچلن تھا۔ اور اسی وجہ سے بہت کم لوگ اس کے یار و مددگار رہتے تھے۔

مگدھ کے تخت کو غصب کرنا ۳۲۲ ق م

اپنی جلاوطنی کے زمانے میں چندراگپتا نے شمال مغربی سرحد کی جنگجو لٹیری اقوام سے ایک بڑی زبردست فوج جمع کی۔ اور سکندر کی موت کے بعد مقدونی فوجوں پر حملہ کر کے پنجاب کو فتح کیا۔ غالباً غیر ملکی افواج کو ملک بدر کرنے سے پہلے اس نے اپنے بدنام رشتہ دار یعنی مگدھ کے نند راجہ کو مغلوب کر لیا تھا۔ اور اسے تخت سے اتار کر قتل کر ڈالا تھا۔ ناٹک لکھنے والا جس نے یہ تمام واقعہ لکھا ہے۔ بلاشک و شبہ صحیح بیان کرتا ہے۔ کہ نند خاندان کی نسل بالکل برباد ہو گئی اور اس کا کامل استیصال ہو گیا۔ اس انقلاب کے اثنا میں نوجوان اور ناتجربہ کار چندراگپتا کا مشیر کار ایک لائق اور ہوشیار برہمن چانکیا یا کوتلیا نامی تھا جس کی مدد سے وہ تخت و تاج کا مالک اور متصرف ہو گیا۔ لیکن عام رعایا کو بادشاہوں کے رد و بدل سے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ کیونکہ چندراگپتا نے "اپنی فتح و نصرت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ کرنے کی وجہ سے بادشاہ نے اسکے قتل کا حکم دیا تو اس نے وہاں سے بھاگ کے اپنی جان بچائی"۔ (جسٹن باب ۱۵ فصل ۴۔ میک کرنڈل صفحہ ۴۰۵ و ۳۲۷)۔ مدرا راکشس کے ناٹک نے چندراگپتا کے نیچ ذات اور نند راجہ کے رشتہ دار ہونے پر بہت زور دیا ہے۔ ان معاملات میں مجھے کامل یقین ہے کہ یہ ناٹک واقعات صحیحہ پر مبنی ہے۔ ۱۲

[1] پلوٹارک۔ الکزنڈر۔ باب ۶۲

کے بعد ظلم و تعدی کی وجہ سے آزاد کنندہ کے نام کو برقرار نہ رکھا۔ بلکہ ان ہی لوگوں کے ساتھ جنھیں اس نے دوسروں کی غلامی سے آزادی دلائی تھی خود ایسا سلوک کیا جو غلاموں سے کیا جاتا ہے۔" اپنے نند پیشرو سے اُسے ایک زبردست فوج ورثے میں ملی تھی۔ اس میں اس نے اور اضافہ کیا یہاں تک کہ اس کی تعداد (۳۰۰۰۰) سوار (۹۰۰۰) ہاتھی (۶۰۰۰۰۰) پیادے اور ایک بڑی تعداد رتھوں تک پہنچ گئی۔ اس ناقابل مقاومت فوج کو لے کر اس نے تمام شمالی سلطنتوں کو غالباً دریائے نربدا یا اس سے بھی آگے دور تک زیر فرمان اور مطیع کر لیا۔ اس طرح چندر اگپتا کی سلطنت جو شمالی ہند کا از روئے تاریخ سب سے پہلا قیصر یا شاہنشاہ ہوا خلیج بنگالہ سے لے کر بحیرۂ عرب تک پھیلی ہوئی تھی۔

سائلوکس نیکٹار کا حملہ۔

عین اس وقت جبکہ چندر اگپتا اپنی سلطنت کو مضبوط اور مستحکم کرنے میں مشغول تھا۔ اس کا ایک حریف مغربی اور وسطی ایشیا میں اپنی طاقت کی بنیاد قائم کر رہا تھا۔ اور سکندر کی ہندی فتوحات کو دوبارہ حاصل کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ سکندر کے مختلف جنرلوں کی آپس کی خانہ جنگی کے اثنا میں دو جنرل ایشیا میں طاقت قائم کرنے کے لئے ایک دوسرے کے مدمقابل تھے۔ یعنے انٹی گناس اور سائلوکس جو آخر میں نیکٹار یعنے فاتح کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اول اول انٹی گناس کی قسمت نے یاوری کی اور اس نے اپنے حریف کو ملک بدر کر دیا۔ لیکن ۳۱۲ سنہ ق م میں سائلوکس نے بابل پر دوبارہ قبضہ کیا۔ اور چھ سال کے بعد اس نے یہ محسوس کیا کہ وہ بادشاہت کا لقب اور خطاب اختیار کرنے میں بالکل حق پر ہے۔

۳۱۲ سنہ ق م

وہ عام طور پر بادشاہ شام کے نام سے مشہور ہے۔ مگر در اصل وہ مغربی اور وسطی ایشیا کا بادشاہ تھا۔ اس کی سلطنت کے مشرقی صوبے ہندوستان کی سرحد تک پہنچتے تھے۔ اور قدرتی طور پر اس کی دلی خواہش یہ تھی کہ اس ملک میں بھی ان مقدونی مفتوحہ علاقوں کو نئے سرے سے حاصل کر لے جن سے کہ اس کے ہم وطن گویا دست بردار

لہ دیکھو مسٹر بیون کی کتاب "دی ہاؤس آف سائلوکس" صفحہ ۲۹۶۔

ہو گئے تھے۔ اگرچہ حقیقتہً ان کا دعویٰ ابھی تک ان ملکوں پر قائم تھا۔ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے سائلوکس نے ۳۰۵ ق م میں دریائے سندھ کو عبور کیا۔ اور سکندر کے فاتحانہ راستے پر قدم بقدم چلنے کی کوشش کی۔ اس مہم کی تفصیل معلوم نہیں۔ اور صحت کے ساتھ یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ حملہ آور فوج اگر دریائے گنگ کی وادی میں بڑھی بھی تو کہاں بڑھتی چلی گئی۔ مگر بہر حال جنگ کا نتیجہ یقینی ہے۔

سائلوکس اور چندر اگپتا کے صلح نامے۔

جنگ میں چندر اگپتا کی فوج کے سامنے حملہ آور فوج نہ ٹھیر سکی۔ اور سائلوکس کو مجبور ہو کے پیچھے ہٹنا پڑا اور نہایت بے عزتی سے صلح کی۔ صرف یہی نہیں کہ اس کو ہندوستان کے فتح کرنے کے خیال سے قطعاً دست بردار ہونا پڑا بلکہ وہ ایسا مجبور ہوا کہ اس نے چندر اگپتا کو دریائے سندھ کے مغرب میں آریانے کا ایک بہت بڑا حصہ تفویض کر دیا۔ نسبتہً ہیچ اور ناچیز تحفہ یعنے پانچ ہاتھیوں کے بدلے میں اس نے چندر اگپتا کو پیرو پنی سیڈی۔ آریہ۔ اور اراکوسیہ کے علاقے جن کے مستقر حکومت آجکل کابل۔ ہرات۔ اور قندھار کے نام سے مشہور ہیں دے دیئے۔ گدروسیہ ستراپی (صوبہ) یا کم از کم اس کا مشرقی حصہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس مقبوضہ علاقے میں شامل تھا۔ اس کے علاوہ دونوں بادشاہوں نے شادی کے ذریعے سے اس اتحاد کو مضبوط کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائلوکس نے اپنی ایک بیٹی اپنے ہندی حریف سے بیاہ دی تھی۔

۳۰۳ ق م

یہ عہد نامہ غالباً ۳۰۳ ق م میں ہوا۔ جونہی اس عہد نامے پر دستخط ہو گئے۔ سائلوکس اپنے دور و دراز مسافت پر انٹی گناس کے مقابلے کے لئے مغرب کی طرف روانہ ہوا۔ اور ۳۰۱ ق م میں اسے اپساس کے مقام پر فرانگیہ کے علاقے میں شکست دی اور اسے قتل کیا۔[۱] اپساس دریائے سندھ سے کم از کم (۲۵۰۰) میل کے فاصلے پر ہے

۱۔ نیس کا یہ خیال کہ چندر اگپتا نے سائلوکس کی بادشاہت کو تسلیم کر لیا تھا۔ سوا اس حکایت کے بالکل بے بنیاد ہے کہ چندر اگپتا ہمیشہ ان قربان گاہوں کی تعظیم و تکریم کیا کرتا تھا جنھیں سکندر نے

اس لئے اس کوچ میں ایک سال یا اس سے بھی کچھ زیادہ وقت صرف ہوا ہوگا ؎

شمالی مغربی سرحد

اس طرح ہندوکش کا سلسلۂ کوہ جسے یونانیوں نے کوہ پیروپنی ساس یا ہندی کوہ تاف لکھا ہے جنوب میں چندراگپتا کے صوبۂ ہرات و کابل اور شمال میں سائلوکس کے صوبۂ باختر کی سرحد قرار پایا۔ آج سے دو ہزار برس پہلے ہندوستان کے اول شاہنشاہ کو وہ "سائنٹیفک سرحد" حاصل ہوگئی تھی جس کے لئے اس کے جانشین انگریز صرف سرد آہیں بھر کے رہ جاتے ہیں۔ اور جسے سولھویں اور سترھویں صدی میں مغل بادشاہ بھی پوری طرح قابو میں نہ رکھ سکے ؎

چندراگپتا کے کارنامے۔

اٹھارہ برس کے عرصے میں چندراگپتا نے مقدونی افواج کو پنجاب اور سندھ سے باہر نکالا۔ سائلوکس فاتح کو شکست دے کر ذلیل کیا۔ اور اپنے آپ کو بلا شرکت غیرے کم از کم تمام شمالی ہند اور آریانہ کے ایک بڑے حصّے کا شاہنشاہ بنا لیا۔ یہ ایسے کارنامے ہیں جو اس کو اس قابل بناتے ہیں کہ وہ دنیا کے عظیم الشان اور سب سے کامیاب بادشاہوں کی صف میں جگہ پائے۔ وہ سلطنت جو چندراگپتا کی سلطنت کی طرح وسیع ہو اور جس میں مختلف عناصر جمع ہوگئے ہوں کمزور شخص کے ہاتھ میں نہیں رہ سکتی۔ وہ زبردست ہاتھ جس نے اس سلطنت کو حاصل کیا اس پر حکومت کرنے میں بھی کامیاب ہوا۔ اور تمام نظم و نسق کا کام

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گذشتہ:۔ ہائی نے سس کے مقام پر قائم کیا تھا۔ مگر یہ واقعات (کہ سائلوکس ہندوستان سے واپس چلا گیا۔ اور چندراگپتا کے (۹۰۰) ہاتھیوں میں سے صرف (۵۰۰) ہاتھیوں کے بدلے میں عظیم اور قابل قدر صوبے اس کو تفویض کر دیئے۔ اس کو اپنی بیٹی بیاہ دی۔ اور اس کے دربار میں ایلچی روانہ کیا) ایسے ہیں جن سے ان دونوں کے تعلقات کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ میگاستھنیز ہندی بادشاہ کا بہت ادب کرتا معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ کبھی نہیں معلوم ہوتا کہ وہ ایک باجگذار بادشاہ کے دربار میں ایلچی ہے۔ آریانہ کے مفوضہ علاقہ کی وسعت کے متعلق دیکھو ضمیمۂ ج ؎

نہایت درشتی اور سختی کے ساتھ کیا جاتا تھا[۱]۔ سائلوکس کے واپس جانے کے تقریباً چھ سال بعد چندر اگپتا یا تو تخت سے دست بردار ہو گیا۔

سنہ ۲۹۸ قم

اور یا مر گیا (سنہ ۲۹۸ ق م)۔ اور تخت و سلطنت کو اپنے بیٹے بندُسار کے حوالے کیا۔ جو "امرت گھاٹ" یعنی "دشمنوں کے قاتل" کے نام سے مشہور ہے۔

مگاس تھنیز

سنہ ۳۰۲ ق م یا اس کے قریب کے عہد نامے کے بعد سائلوکس نے ایک افسر مگاس تھنیز کو جو پہلے سپر ٹاس ارا کوسیہ کے صوبہ دار کی خدمت میں رہا تھا اپنا ایلچی بنا کر چندر اگپتا کے دربار میں بھیجا تھا۔ یہ ایلچی ایک مدت تک پاٹلی پتر (یعنے پٹنہ) میں جو سلطنت ہند کا دار السلطنت تھا رہا۔ اور اپنا فرصت کا وقت اس نے ہندوستان کے جغرافیہ۔ پیداوار۔ اور نظم و نسق کے متعلق ایک بیش بہا تالیف میں گذارا۔ یہی تالیف زمانۂ حال تک سب سے زیادہ اس مضمون کی مستند کتاب خیال کی جاتی تھی۔ اگرچہ بسا اوقات سنی سنائی باتوں کو لکھ لینے سے اس کو مغالطہ ہوا ہے لیکن باوجود اس کے مگاس تھنیز ان معاملات کے متعلق جو خود اس کی آنکھوں کے سامنے پیش آئے ایک نہایت سچی اور معتبر سند ہے۔ اور چندر اگپتا کے فوجی اور ملکی انتظامات کے متعلق اس کا صاف اور روشن بیان بلا تامل صحیح اور درست مانا جا سکتا ہے[۲]۔

۱؎ جسٹن باب ۱۵ فصل ۴۔ اور وہ تفصیلات جو مگاس تھنیز نے دی ہیں جسٹن کی کتاب کی عبارت چندر اگپتا کے متعلق بہت اہم بیانات پر مشتمل ہے۔ یونانی اور رومی مصنفین کی اس کے بارے میں شہادتیں میک کرنڈل نے اپنی کتابوں میں اور ولسن نے مدرا راکشس کے ترجمے کے دیباچے میں جمع کر دی ہیں یہ ناٹک جو غالباً پانچویں صدی میں لکھا گیا۔ بلاشک و شبہ حقیقی روایات پر مبنی ہے۔ اور میں نے ذرا احتیاط کے ساتھ اس سے استفادہ کیا ہے۔

۲؎ مگاس تھنیز کے یہ تمام اجزا شوان بیک نے جمع کیے ہیں۔ اور بعد تصحیح ان کو مگاس تھنیز انڈیکا کے نام سے شائع کیا ہے) (جون سنہ ۱۸۴۶)۔ اور ان کا ترجمہ میک کرنڈل نے

اگرچہ اس بیان کے چند اجزا ہی اب محفوظ رہ گئے ہیں لیکن پھر بھی وہ ایسا مفصل ہے کہ ایک موجودہ زمانے کا پڑھنے والا بعض امور میں چندر اگپتا کے زمانے کے معاملات سے زیادہ تر واقف ہو سکتا ہے بہ نسبت اور ہندی بادشاہوں کے حتی کہ اکبر کا زمانہ جو ملکہ الیزبیتھ کا معاصر ہے ؛

دار السلطنت پاٹلی پتر

شاہنشاہی دار السلطنت پاٹلی پتر جس کی بنیاد پانچویں صدی قبل مسیح میں ڈالی گئی تھی دریائے سون اور گنگا کے سنگم پر پہلے دریا کے شمالی کنارے پر اور دوسرے سے چند میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ اسی موقع پر اب پٹنہ کا ہندوستانی شہر۔ اور بانکی پور کی یوروپین آبادی واقع ہے۔ مگر متعدد صدیاں ہوئیں کہ دریاؤں نے اپنا راستہ بدل دیا ہے۔ اور زمانہ حال میں سنگم دیناپور کی چھاؤنی کے قریب پٹنے سے تقریباً (۱۲) میل اوپر کی طرف ہوتا ہے۔ یہ قدیم شہر جو اپنے موجودہ جانشین شہر کے نیچے مدفون ہے۔ اسی کی طرح ایک لمبے اور تنگ مستطیل کی شکل میں آباد تھا۔ اور (۹) میل لمبا اور صرف ڈیڑھ میل چوڑا تھا۔ اس کے گرد لکڑی کے شہتیروں سے بنی ہوئی ایک فصیل تھی۔ جس میں (۶۴) دروازے تھے۔ اور اس کے اوپر (۵۷۰) برج تھے۔ باہر کی طرف سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- "ان شنٹ انڈیا ایز ڈسکرائبڈ بائی مگاس تھنیز اینڈ ایرین" (لنڈن۔ ٹیوبنر ۱۸۷۷ء) میں کر دیا ہے۔ ایرین (انڈکا۔ ۱۷) نے بالکل صحیح طور پر بنارکس اور مگاس تھنیز کو معتبر ہونے کی حیثیت سے ہم پلہ مانا ہے۔ سٹرابو نے جو مگاس تھنیز سے منقول اکثر نامعقول روایتوں کی وجہ سے اس سے ناراض ہو گیا۔ ناواجب طور سے اس کو کذب کا عیب لگایا ہے۔ وہ تمام باتیں جو مگاس تھنیز نے جمع کی تھیں ان میں اور مصنفوں کی کتابوں سے اضافہ ہوا ہے۔ جن کی کتابوں کے اجزا ان مصنفوں نے محفوظ رکھے ہیں جن کا ہم کو مگاس تھنیز کی معلومات کا ممنون ہونا چاہیئے۔ ان مصنفوں کی فہرست کے لئے دیکھو شوان بک کی کتاب مذکورۂ بالا ضمیمہ ۱۔ میک کرنڈل کی کتابیں جو تعداد میں چھ ہیں۔ اس نے یونانی اور رومی مصنفوں کے تمام بیانات ہند قدیم کے باب میں جمع کر دیئے ہیں ؛

وہ ایک وسیع اور عمیق خندق کے ذریعے سے محفوظ کیا گیا تھا۔ جو سون کے پانی سے بھرا جاتا تھا[۱]۔

شاہی محل شاہی محل اگرچہ زیادہ تر چوبی تھا۔ مگر اپنی شکوہ و شوکت اور تزک و احتشام کے لحاظ سے سوس اور ہمدان کے محلات سے زیادہ شاندار سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کے ستونوں اور رواق پر سونے کا پانی پھرا ہوا تھا۔ اور ان پر سونے کی بیلیں اور چاندی کے پرند منقوش تھے۔ تمام عمارتیں ایک وسیع میدان میں تھیں جس میں کہ مچھلیوں کے تالاب اور انواع و اقسام کے نمائشی درخت اور بیلیں پائی جاتی تھیں ؎

شاہی دربار یہاں شاہی دربار وحشیانہ اور عیش اور عشرت کی شان سے نمودار تھا۔ سونے کے آفتابے اور پیالے جن میں سے بعض چھ چھ فٹ چوڑے ہوتے تھے۔ نہایت ہی عمدہ مرصع پیڑھیاں اور شاہانی کرسیاں۔ تانبے کے برتن جو جواہرات سے مرصع ہوتے تھے اور زر بفت کے زرق برق لباس ہر طرف نظر آتے تھے۔ اور ان کی وجہ سے

---

[۱] دیکھو لفٹنٹ کرنل وڈیل کا رسالہ "ڈسکوری آف دی اگزکٹ سائٹ آف اسوکاز کلاسک کیپٹل آف پاٹلی پترا۔ (کلکتہ ۱۸۹۲ء۔ دوسری ایڈیشن ۱۹۰۳ء)۔ لکڑی کے شہتیروں کی فصیل کے چند اجزاء بھی پائے گئے ہیں۔ موریا خاندان کے ایک شاہی محل کے آثار کمرہار گاؤں کے مکانات اور کھیتوں کے نیچے مدفون ہیں جو پٹنہ اور بانکی پور کی درمیان کی ریل کے جنوبی جانب واقع ہے۔ ایک اور محل جس کا ذکر ہیون سانگ نے کیا ہے شہر میں ہی غالباً صدر گلی اور کلو خاں کے باغ کے نواح میں واقع تھا۔ جہاں اشوک کا ایک مینار بھی زنانے مکان میں آگیا ہے (پی سی۔ مکرجی۔ غیر مطبوعہ رپورٹ) کمرہار کے کھنڈر بظاہر نی لی کے آثار معلوم ہوتے ہیں جسے بقول فاہیان اشوک نے بنایا تھا۔ جنرل کننگھم نے غلطی کی کہ یہ سمجھا کہ پاٹلی پتر کو زیادہ تر دریاؤں نے برباد کر دیا تھا۔ پٹنہ شمالی عرض بلد ۲۵° - ۳۷ - مشرقی طول بلد ۸۵° - ۱۰ میں واقع ہے۔ چانکیا (آرتھ شاستر باب دوم۔ فصل ۳۔ میسور ریویو فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۵۔ اور علیحدہ رسالہ صفحہ ۵۸) نے نہایت مفصل قواعد دارالسلطنت کو قلعہ بند کرنے کے لئے لکھے ہیں ؎

عام درباروں کے موقعے پر چہل پہل اور شان و شوکت زیادہ ہو جاتی تھی۔ جب کبھی بادشاہ مہربانی کرکے شاہی جشنوں کے موقعہ پر اپنی رعایا کے سامنے ظاہر ہوتا تو وہ ایک سونے کی پالکی میں سوار ہوتا۔ جس میں موتیوں کی جھالر لگی ہوتی تھی۔ اور خود بادشاہ کا ملبوس خاص نہایت باریک ململ ہوتی جس پر قرمزا اور سونے کا کام ہوتا تھا۔ جب کبھی چھوٹے سے سفر پر کہیں جاتا تو وہ گھوڑے پر سوار ہوتا تھا۔ لیکن اگر مسافت ذرا طولانی ہوتی تو وہ آج کل کے راجاؤں کی طرح ہاتھی پر سوار ہوتا۔ جس کا سازوسامان سونے کا ہوتا تھا۔[1] جانوروں کی لڑائیاں آجکل کے ہندی راجاؤں کے درباروں کی طرح اس وقت بھی تفریح طبع کے لئے مناسب سمجھی جاتی تھیں۔ اور بادشاہ ہمیشہ سانڈوں۔ میڈھوں۔ ہاتھیوں۔ گینڈوں اور دوسرے جانوروں کی لڑائیوں کے دیکھنے سے خوش و خرم رہتا تھا۔ دو آدمیوں کے درمیان جنگ بھی اکثر اس کے تفریح طبع کا باعث ہوا کرتی تھی۔ ایک عجیب و غریب سامان تفریح بیلوں کی دوڑ تھی جس کا اب پتا نہیں ملتا۔ اس میں بہت بڑی بڑی شرطیں لگائی جاتی تھیں۔ اور بادشاہ نہایت دلچسپی سے اس کا تماشا دیکھتا۔ دوڑ کے میدان کا طول (۳۰) سٹیڈیا یا (۶۰۰۰) گز ہوتا تھا۔ اور بیلوں کو گاڑیوں میں جوت کر دوڑاتے تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک میں گھوڑے اور بیل جتے ہوتے تھے۔ اس طرح کہ گھوڑے دو طرفہ اور ان کے بیچ میں بیل ہوتا تھا۔ بیل آجکل بھی ہندوستان کے حصے میں سواری کی گاڑیوں میں جوتے جاتے ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ دوڑنے والے بیلوں کی نسل بالکل معدوم ہو گئی ہے۔[2]

---

[1] کرٹئس۔ باب ۸ فصل ۹۔ سٹریبو باب ۱۵۔ فصل ۶۹ ۔

[2] ایلین۔ باب ۱۳۔ فصل ۱۸۔ باب ۱۵۔ فصل ۱۰۔ یہاں برما کے اس واقعے سے اس کا مقابلہ کرو۔ "ایک دن جب میں باہر نکلا تو میں نے ایک گاڑی دیکھی جس میں چار بیل جوتے ہوئے تھے اور وہ بگٹٹ جا رہے تھے۔ ان کو ایک دیہاتی لڑکی گاڑی میں کھڑی ہوئی

شکار بادشاہ کا سب سے بڑا سامان تفریح شکار تھا۔ یہ نہایت تکلف اور نمود سے کیا جاتا تھا۔ ایک گھرے ہوے میدان میں جانور ایک چبوترے تک لائے جاتے تھے جہاں بادشاہ بیٹھتا تھا۔ اور وہیں بیٹھے بیٹھے وہ ان کو مارتا تھا۔ لیکن اگر شکار کھلے میدان میں ہوتا تو بادشاہ ہاتھی پر سوار ہوتا تھا۔ جب وہ شکار کے لئے جاتا تو اس کے ہمرکاب عورتوں کی فوج کا ایک دستہ ہوا کرتا تھا جن کو دوسرے ملکوں سے خرید کے لاتے تھے۔ اور یہ تمام قدیم ہندی راجاؤں کے دربار کا ایک ضروری جزو ہوا کرتی تھیں۔ شاہی گذر کی سڑکوں کے دونوں جانب رسّی بندھی ہوتی تھی۔ اور اس کے پار جانے والے کی سزا موت تھی۔[۱] شاہی شکار کے دستور کو چندر اگپت کے پوتے راجہ اشوک نے ۲۵۹ ق م میں موقوف کیا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- ہانک رہی تھی۔ جو بظاہر ایک لمبے چابک اور دونوں باگوں کو نہایت چالاکی اور ہشیاری سے سنبھالے ہوے تھی۔" (سائمز کی کتاب "ابسی ٹو آوا" جلد اول صفحہ ۲۹ - کانسٹبل)۔ اس طرح ایک لڑکی اس دوڑ میں شریک ہو سکتی تھی۔ زمانۂ حال کے برما میں قدیم ہند کی بہت سی باتیں پائی جاتی ہیں۔ ۱۲ ک

[۱] مگاس تھنیز کی فریگمنٹ نمبر ۲۷ - میک کرنڈل نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "مرد و عورت کے لئے اس رسّی کے پار گذرنے کی سزا موت ہوتی ہے۔" مگر یونانی محاورے کے مطابق یہ ترجمہ صحیح نہیں۔ ملر نے اس کا ترجمہ اور ہی کیا ہے۔ اور تقریبًا صحیح ہے۔ سنسکرت ناٹکوں میں بھی عورتوں کی فوج کا ذکر ہے۔ مدرا راکشس ایکٹ سوم میں چندر اگپتا کو ظاہر کیا گیا ہے کہ ایک لڑکی سونترا اس کے ساتھ ہے۔ لڑکیوں کو ان کے ماں باپ سے خرید لیا جاتا تھا (سٹریبو باب ۱۵ فصل ۵۵)۔ اور شاہی حرم کے لئے خوبصورت جوان لڑکیاں پہلی صدی عیسوی میں بری گازہ (بھڑوچ) کے مقام پر مغربی ساحل سے لائی جاتی تھیں۔ (پیری پلس باب ۴۹ - اور دیکھو باب ۸ - ۹ - ۳۱ - ۳۶ - ترجمہ شاف - لانگ مین ۱۹۱۲ء) چانکیا نے یہ مقرر کیا ہے کہ صبح کے وقت جب بادشاہ اٹھے تو سب سے پہلے کمانوں سے مسلّح عورتیں اس کے سامنے آئیں (ارتھ شاستر باب ۱ فصل ۲۱ ترجمہ در میسور ریویو فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۵۷ - دوسری ترتیب مطبوعہ صفحہ ۴۹)

بادشاہ کی عادات

عام طور پر بادشاہ محل میں زیادہ رہتا تھا۔ اور عورتوں کی فوج اس کو گھیرے رہتی تھی۔ محل سے باہر صرف مقدمات کی سماعت یا بھینٹ چڑھانے یا فوج کشی یا شکار کے موقعوں پر نکلا کرتا تھا۔ غالباً اس سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ کم از کم ہر روز ایک مرتبہ وہ ضرور اپنی رعایا کے سامنے آئے۔ جو عرائض وہ پیش کریں وہ سُنے اور بذات خود ان کے مقدمات کا تصفیہ کرے۔ موجودہ ہندوستانیوں کی طرح چندرا گپتا کو بھی چپّی کرانے میں خاص لطف آتا تھا۔ اور دستور یہ تھا کہ جب وہ باہر رعایا میں ظاہر ہو تو ساتھ ساتھ چپّی بھی کراتا جائے۔ جب وہ لوگوں کے مقدمے سنتا تو چار نوکر آبنوس کے تکیوں سے اس کو چپّی کرتے جاتے[1]۔ ایرانی دستور کے مطابق جس کا اثر ہندی درباروں اور نظم و نسق پر بہت پڑا تھا۔ بادشاہ اپنی سالگرہ میں نہایت تزک و احتشام سے اپنے سر کے بال دھوتا۔ سالگرہ کے موقع پر بڑی بھاری عید منائی جاتی تھی۔ اور اس وقت بڑے بڑے امراء سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ پیش بہا نذرانے بادشاہ کی خدمت میں گذرانیں گے[2]۔

---

[1] ایسا ہی ایک نوکر کا (سامواہک) "ٹائی کارٹ" یا "لٹل کلے کارٹ" کے ناٹک میں ذکر آتا ہے۔ جس کا رائڈر نے "ہارورڈ یونیورسٹی سیریز" میں ترجمہ کیا ہے جلد ۲۔ (۱۹۰۵ء)۔

[2] سٹرابو۔ باب ۱۵۔ فصل ۶۹۔ ہیروڈوٹس باب ۹ فصل ۱۱۰۔ ہیروڈوٹس نے یہ واقعہ مسسٹیز کی بیوی کی وحشتناک کہانی کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ کیونکہ ایران میں بادشاہ کے سر دھونے کی رسم اس کی سالگرہ کے موقع پر ادا کی جاتی تھی۔ اس لیے ہندوستان میں بھی اس رسم کو اسی موقع پر ادا کیا جاتا ہوگا۔ (دیکھو پرشین انفلوئنس آن مہریا آرٹ۔ انڈین انٹی کویری ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۰۱)۔ منڈے ہوئے سر جن کا آجکل کے ہندوؤں میں رواج ہو گیا ہے اس زمانے میں اس کا دستور نہ تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ "ہندو شاذونادر ہی اپنے بال کٹواتے تھے اور اکثر کنگھی کیا کرتے تھے۔ ڈاڑھی کے بال وہ کبھی نہیں کاٹتے تھے بلکہ باقی چہرے کے بال وہ منڈوا دیا کرتے تھے۔ (کرٹس باب ۸۔ فصل ۹)۔

سازشیں اس تمام تزک واحتشام اور شان وشوکت اور ہر قسم کی حفاظت کے باوجود بادشاہ کبھی بھی سازشوں اور بغاوتوں سے بے خوف نہ ہوتا تھا۔ بادشاہ کی زندگی سازشوں کی وجہ سے اس طرح متواتر خطرے میں رہتی تھی کہ وہ دن کے وقت سونے یا دو راتوں کو لگاتار ایک ہی کمرے میں سونے کو اپنے لیئے خطرناک سمجھتا تھا[1]۔ ناٹک نویس نے ہمارے سامنے نہایت بین طور پر وہ سین کھینچ دیا ہے کہ کس طرح زیرک اور تیز فہم برہمن مشیر سازشوں اور زہر خورانی کا سراغ لگایا کرتا تھا اور کس طرح ان بہادر لوگوں کا کھوج لگایا کرتا تھا جو:-

زیر زمین ان راستوں میں چھپے رہتے تھے جو چندر اگپتا کے سونے کے کمرے میں جاتے تھے۔ تاکہ رات کے وقت اس میں داخل ہوں اور سوتے ہوئے اس کو قتل کر دیں[2]؛

فوجی طاقت فوج جس پر چندر اگپتا کی سلطنت اور تخت کا انحصار تھا تعداد میں بہت زیادہ تھی۔ اس کا نظام۔ تربیت اور اسلحہ ایسے تھے ایشیائی افواج کے لحاظ سے وہ نہایت تکمیل کے درجے کو پہنچ گئی تھی۔ یہ قومی اور رضاکار سپاہیوں کی فوج نہ تھی بلکہ ایک مستقل فوج تھی جس کو نہایت عمدہ اور باقاعدہ تنخواہ ملا کرتی تھی۔ اور سرکار کی طرف سے ہی[3] اس کے لیئے گھوڑے۔ اسلحہ۔ سامان حرب رسد اور آذوقہ مہیا کیا جاتا تھا۔ مہا پدم نند کی فوج کی تعداد (۸۰۰۰۰) سوار (۲۰۰۰۰۰) پیادے (۸۰۰۰) رتھیں۔ اور (۶۰۰۰) لڑنے والے ہاتھی کہی جاتی ہے۔ اس عظیم الشان فوج میں

---

[1] سٹرییو باب ۱۵ فصل ۵۵۔ اسیطرح برما کا بادشاہ بیدن سیشن یا بودہ پر بھی ایک سازش سے بچنے کے بعد اپنے سونے کے کمرے اور بستر کو روز بدل لیا کرتا تھا۔ دسنگر منو کی کتاب برمیز ایمپائر۔ جارڈائن کی ایڈیشن صفحہ ۶۵) ۱۲۰ئ

[2] مدرا راکشس۔ ایکٹ دوم۔ (ولسن کا تھیٹر۔ باب ۲ صفحہ ۱۸۴ئ

[3] ڈیوڈرس باب ۲ فصل ۴۱ئ

چندرا گپتا نے اور اضافہ کیا۔ پیادوں کی تعداد کو (۶۰۰۰۰) کر دیا اور اس کے علاوہ (۳۰۰۰۰) سوار (۹۰۰۰) ہاتھی۔ اور رتھیں اس کے سوا تھیں۔ یہ تمام فوج باقاعدہ طور پر تنخواہ دار عملے میں شامل تھی۔[1] تمام شاہی فوج میں سے ہاتھی سب سے زیادہ قیمتی سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ جیسا کہ چانکیا لکھتا ہے "دشمنوں کی فوج کی تباہی کا انحصار ان ہی پر تھا"[2]

اسلحہ

ہر ایک سوار کے پاس دو نیزے ہوتے تھے جو یونانیوں کے سونیا سے زیادہ مشابہ تھے۔ اور ان کے علاوہ ایک ڈھال ہوتی تھی۔ تمام پیادے سپاہیوں کا اصلی اور حقیقی ہتھیار ایک تلوار ہوتی تھی۔ مگر اس کے علاوہ وہ یا تو ایک بھالا اور یا تیر کمان بھی اپنے پاس رکھتے تھے۔ کمان کو زمین پر رکھ کر اور بائیں پاؤں سے اس پر دباؤ ڈال کر تیر چلایا جاتا تھا۔ مگر اس تیر کی زد ایسی سخت ہوتی تھی کہ نہ زرہ اور نہ ڈھال اس کو روک سکتے تھے[3]

رتھیں اور ہاتھی

ہر ایک رتھ میں جس میں چار یا دو گھوڑے جتے ہوتے تھے ہانکنے والے کے علاوہ دو سپاہیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ اور ہاتھی پر مہاوت کے سوا تین تیر انداز سوار ہوتے تھے۔ اس طرح (۹۰۰۰) ہاتھیوں کا مطلب یہ ہے کہ (۳۶۰۰۰) آدمی فوج میں اور زیادہ تھے اور کم از کم (۸۰۰۰) رتھوں کے لئے جو مہاپدم نند کے زمانے میں موجود تھیں

---

[1] پلنی باب ۶ صفحہ ۱۹ - پلوٹارک - الکزنڈر باب ۶۲ ؎

[2] ارتھ شاستر باب ۷ - فصل ۱۱ - (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۸ء صفحہ ۶۸) ؎

[3] ایرین - انڈیکا فصل ۱۶ ؎

[4] سٹریبو باب ۱۵ فصل ۵۲ - ایلین باب ۱۳ فصل ۱۰ - پنجاب میں راجہ پورس کی رتھوں میں "چار گھوڑے جتے ہوتے تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک میں (۶) آدمی سوار ہوتے تھے۔ جن میں سے دو کے ہاتھوں میں ڈھالیں ہوتیں۔ دو تیر انداز ہوتے اور باقیماندہ دو رتھ ہانکنے والے۔ مگر وقت پڑنے پر جب گھمسان کا معرکہ شروع ہو جائے تو وہ بھی باگوں کو چھوڑ دشمن پر بھالے پھینکنے شروع کر دیتے تھے" (کرٹس باب ۸ فصل ۱۴) ؎

(۲۴۰۰۰) آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہوگی۔ اس طرح اگر فوج کی تعداد کو جمع کیا جائے تو (۶۰۰۰۰۰) پیادے اور (۳۰۰۰۰) سوار (۳۶۰۰۰) آدمی ہاتھیوں پر اور (۲۴۰۰۰) رتھوں پر تھے۔ یعنی نوکر چاکر کو چھوڑ کر فوج کی کل تعداد (۶۹۰۰۰۰) تھی ؏

ہندی فوجوں کی تعداد۔ یہ عظیم تعداد جو بادی النظر میں بالکل قصہ کہانی معلوم ہوتی ہے اس وقت بالکل قرین قیاس ہو جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ زمانۂ وسطیٰ میں ہندی راجاؤں کی فوج کی تعداد کس قدر زیادہ ہوا کرتی تھی۔ مثلاً پرتگیزی مورخ۔ نونیز جو بیجانگر کے راجہ کرشن دیو کا سولھویں صدی میں (۱۵۰۹ء سے ۱۵۳۰ء تک) ہمعصر تھا بیان کرتا ہے کہ اس راجہ کے رائچور پر حملہ کرنے کے وقت فوج کی تعداد (۷۰۳۰۰۰) پیادے۔ (۳۲۶۰۰) سوار اور (۵۵۱) ہاتھی تھے۔ اور نوکر چاکران کے علاوہ تھے[۱] ؏

جنگ کا محکمہ یہ فوجی انبوہ کثیر چندر راگپتا کے اشارے پر کام کرتا اور اس وقت ہندوستان میں سب سے بڑا اور عظیم الشان تھا۔ اس کے نظام اور نگرانی کے لئے ایک فوجی محکمہ مقرر تھا جس کا انتظام نہایت ہی اعلیٰ پیمانے پر تھا۔ تیس اراکین کی ایک مجلس کو چھ پنچایتوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اور ہر ایک پنچایت کے سپرد بہ تفصیل ذیل ایک محکمہ تھا:- پہلی پنچایت:- امیر البحر کی ہمراہی میں۔ بحری جنگ کے معاملات۔ دوسری پنچایت:- باربرداری۔ سامان رسد۔ اور فوجی خدمات جس میں طبلچیوں۔ سائیسوں۔ گھسیاروں۔ اور دیگر کاریگروں کا مہیا کرنا بھی شامل تھا۔ تیسری پنچائت:- پیادہ فوج۔ چوتھی پنچایت:- سوار فوج۔ پانچویں پنچایت:- جنگی رتھیں۔ چھٹی پنچائیت:- ہاتھی ؏

---

[۱] سیول کی کتاب "اے فارگاٹن امپائر" صفحہ ۱۴۷۔ اس کے علاوہ ہندی فوجوں کی عظیم تعداد کی اور مثالیں بھی بیان کی جاتی ہیں ؏

فوج کی کارگزارانہ ترکیب وترتیب

نہایت قدیم زمانے سے تمام ہندی فوجوں کو عام طور پر چار حصوں یعنے سوار۔ پیادے۔ ہاتھی اور رتھوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ اور طبعی طور پر فوج کا ہر حصہ ایک جداگانہ افسر کے ماتحت ہوا کرتا تھا۔ مگر اس نظام میں رسد اور امیر البحر کے محکمے کا اضافہ چندر اگپتا کی جدت طبع معلوم ہوتی ہے۔ اس کا یہ فوجی نظام جس طرح بظاہر مکمل تھا اسی طرح جنگ کے موقعے پر ضرور کامل ثابت ہوتا ہوگا۔ کیونکہ اسی کے بل بوتے نہ صرف اس نے بقول پلوٹارک "تمام ہندوستان کو مفتوح و مغلوب کیا" بلکہ مقدونی افواج کو نکال دیا اور سائلوکس کے حملے کو روکا۔

ملکی انتظام

چندر اگپتا کی سلطنت کے اندرونی اور ملکی انتظامات کے متعلق جتنی تفصیلیں ہم کو پہنچی ہیں اگرچہ وہ اتنی وسیع تو نہیں جتنی کہ چاہیئے تھیں مگر بہر حال اس قدر ہیں کہ ہم ان کے ذریعے سے اس کے زمانے کے سلسلۂ حکومت کو کافی و وافی طور پر سمجھ سکیں۔ یہ نظام حکومت اگرچہ اس کا انحصار تامتر بادشاہ کی خود مختاری پر ہی تھا۔ مگر ظلم و جور کی بے قاعدہ سلطنت سے پھر بھی بہتر تھا۔

مجلس بلدیہ

دار السلطنت یعنے پاٹلی پتر کے نظم و نسق کے لیئے مجلس بلدیہ مقرر تھی جس میں تیس آدمی شامل تھے اور محکمۂ جنگ کی طرح اس کو بھی چھ پنچایتوں یا کمیٹیوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ یہ پنچایتیں در اصل عام معمولی پنچایتوں کی ایک سرکاری صورت تھی جن کے ذریعے سے نہایت قدیم زمانے سے ہندوستان کی مختلف ذاتیں اور پیشہ ور اپنے باہمی قضیوں کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔

صنعت و حرفت

بلدیہ کی پہلی پنچایت کے ذمے صنعت و حرفت کے متعلق تمام معاملات کی نگرانی تھی۔ اور غالبًا مزدوری کی شرح کا تعین بھی اسی کے ہاتھ میں تھا۔ اور شاید یہ ہر وقت اس امر کے لیئے تیار رہتی ہو کہ کاریگروں کو مجبور کرے کہ عمدہ اور خالص چیز استعمال کریں۔

اور حکومت نے جتنی مزدوری ان کے لئے مقرر کردی ہو اتنا ہی کام تمام دن میں انجام دیں۔ صنّاع اور کاریگروں کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ خاص طور سے شاہی ملازم ہیں۔ اور اگر کوئی شخص کسی صنّاع کے ہاتھ یا آنکھ کو گزند پہنچا کر اس کی کارگذاری کو کم کردیتا تو اس کی سزا موت ہوا کرتی تھی۔

بیرونی ممالک کے لوگ۔ بلدیہ کی دوسری پنچایت کے اختیار میں غیر ممالک کے رہنے والوں اور مسافروں کے معاملات تھے۔ اور وہ وہی فرائض ادا کرتے تھے جو آجکل موجودہ یورپ میں دول خارجہ کے قونصل ادا کرتے ہیں۔ تمام اجنبیوں کو سرکاری افسر اپنی نگاہوں میں رکھتے تھے۔ اور ان کے لئے ان کے حسب حیثیت مکانات بدرقہ اور ضرورت کے وقت طبی امداد بہم پہنچاتے تھے۔ جو اجنبی مرجاتے ان کی تجہیز و تکفین معقول طور پر کی جاتی۔ ان کی جائدادوں کا انتظام اسی پنچایت کے اراکین کرتے اور ان کا منافع ان کے وارثوں کو بھیجتے رہتے[1]۔ ان تمام کامل انتظامات کا وجود ہی اس بات کا نہایت بیّن ثبوت ہے کہ تیسری صدی قبل مسیح میں ہی ہندوستان کی موریا کے رہنے والوں کی سلطنت کے تعلقات بیرونی سلطنتوں کے ساتھ قائم تھے۔ اور کاروبار کے لئے غیر ممالک کے رہنے والوں کی ایک بڑی تعداد دارالسلطنت میں آتی جاتی رہتی تھی۔

اعداد ممات و حیات۔ تیسری پنچایت کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ اموات اور پیدائش کا باقاعدہ طور پر اندراج کرتی رہے۔ اور ہم کو صاف بتلایا گیا ہے کہ یہ اندراج اول تو حکومت کو اعداد سے

[1] یہ افسر بالکل صحیح طور پر یونانی افسروں کی طرح تھے۔ اور یہ ممکن ہے کہ چندرا گپتا نے اس دستور کو یونانیوں سے ہی سیکھا ہو۔ مگر اس کے دیگر انتظامات میں یونانی اثر کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا۔ ان یونانی افسروں کے متعلق دیکھو نیوٹن کے "ایسیز آن آرٹ اینڈ آرکی آلوجی" صفحہ ۱۳۱-۱۳۳۔ "گو انسلر آفیسرس ان انڈیا اینڈ گریس" انڈین انٹی کویری ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۰۰)۔ ۱۲ ق

باخبر رکھنے کے لیئے اور دوسرے محاصل کے عائد کرنے میں آسانی کے لیئے ہوا کرتا تھا۔ یہ محصول جس کا ذکر کیا گیا ہے کچھ رقم فی کس کے حساب سے سالانہ وصول کیا جاتا تھا۔ چندرا گپتا کے تمام قوانین میں ایسے شخص کے لیئے جو عام ایشیائی حکومتوں کی بے ضابطگی سے واقف ہو کوئی چیز اس سے زیادہ قابل تعجب وحیرت نہیں ہوتی جتنا کہ یہ اموات اور پیدائش کا باقاعدہ اندراج موجودہ زمانے کی ہندوستانی ریاستوں میں آج کل ایسا ہونا بالکل ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بخود اس قسم کی کسی تجویز پر عمل کریں۔ اور یہ ممکن نہیں کہ ایک پرانی وضع کے راجہ کے متعلق یہ خیال کیا جائے کہ اس کو یہ احساس پیدا ہوگا کہ "وضیع وشریف ہر دو قسم کے لوگوں کی اموات وپیدائش کا حال کسی طرح پوشیدہ نہ رہ جائے"۔ یہاں تک کہ انگریزی حکومت نے بھی اپنے پیچیدہ نظام حکومت اور اعداد وشمار کی قدر وقیمت کے متعلق یوروپین خیالات سے متاثر ہونے کے باوجود اموات وپیدائش کے متعلق اعداد وشمار جمع کرنے کی زمانہ حال سے پہلے کبھی کوشش نہیں کی۔ اور اب بھی برابر اس کو صحیح اعداد کے بہم پہنچانے میں دقت پیش آتی ہے؛

تجارت

چوتھی پنچایت کے ہاتھ میں تجارت اور بیوپار کے اہم معاملات تھے۔ یہ لوگ خرید وفروخت کا انتظام اور بندوبست کرتے تھے۔ اور باضابطہ مہر کیئے ہوئے اوزان اور پیمانوں کے استعمال پر لوگوں کو مجبور کرتے تھے۔ سوداگر اجازت نامہ کے لیئے ایک محصول ادا کرتے تھے۔ اور وہ سوداگر جو ایک سے زیادہ اشیاء کا بیوپار کرتا تھا دگنا محصول ادا کیا کرتا تھا؛

دست کاری

ایسے ہی اصول سے پانچویں پنچایت دست کاری کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ ایک عجیب وغریب قانون کی رو سے پرانے اور نیئے مال کو جدا جدا رکھنا پڑتا تھا۔ اور اس قاعدے کی خلاف ورزی کرنے والا سزا کا مستوجب تھا۔ اس قانون کی اصل وجہ یہ تھی کہ پرانے مال کا لین دین خواہ خرید وفروخت کے لیئے ہو اور خواہ رہن رکھنے کے لیئے ممنوع تھا۔

تاوقتیکہ اس کے لئے حکومت سے اجازت نہ حاصل کرلی جائے۔ اور یہ اجازت چند شرطوں سے دی جاتی تھی[1]

فروخت پر محصول

چھٹی پنچایت کا کام یہ تھا کہ فروخت شدہ اسباب کی قیمت سے ایک برائے نام حصہ محصول کے طور پر وصول کرے۔ اور اس محصول کی ادائی سے چشم پوشی کی سزا بھی موت ہوا کرتی تھی۔ فروخت شدہ اشیاء پر اس قسم کے محصول کا رواج عام طور پر ہندوستان میں رہا ہے۔ مگر شاذو نادر ہی اس کو اس سخت و سنگین سزا کا مستوجب سمجھا گیا تھا جیسا کہ چندرا گپتا کے زمانے میں ؛

شہروں کا عام انتظام

ہم تک صرف پاٹلی پتر یعنے دارالسلطنت کے انتظام کی تفصیلیں پہنچی ہیں۔ مگر ان سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ سلطنت کے اور بڑے شہر یعنے اجین ٹیکسلا وغیرہ کا بھی اسی اصول سے انتظام ہوتا ہوگا۔ راجہ اشوک کے صوبوں کے نام فرمان" میں کلنگ کے صوبے کے شہر ٹوسل کے ان افسروں کو مخاطب کیا گیا ہے جو اس کے انتظام کے مجاز تھے[2]

اُن جدا جدا محکموں کے فرائض کے علاوہ جن کی تفصیل اوپر دی گئی مجلس بلدیہ کے اراکین کا یہ بھی فرض تھا کہ بہ ہیئت مجموعی شہر کے تمام معاملات کی نگرانی کریں۔ اور بازاروں۔ مندروں۔ بندرگاہوں۔ اور عام طور پر تمام عمارتہائے عامہ کی تنظیم و ترتیب اپنے ہاتھ میں رکھیں[3]

---

[1] آرتھ شاستر جلد ۲۔ فصل ۲۲ ؛

[2] وی۔ اے۔ سمتھ۔ کی کتاب " اسوکا دی بدھسٹ امپرر آف انڈیا" دوسری ایڈیشن صفحہ ۱۲۶ ؛

[3] فرگمنٹ نمبر ۳۴۔ شونبیک کی کتاب میں۔ منقول از سٹربیو باب ۱۵۔ فصل ۱۰۵۱۔۔ جس کا ترجمہ میک کرنڈل نے کتاب " دیشنٹ انڈیا ایز ڈسکرائیڈ بائی مگاستھنیز اینڈایرین۔ صفحہ ۸۷۔ اور بعد از نظر ثانی اس کی کتاب اینشنٹ انڈیا ایز ڈسکرائیڈ ان کلاسیکل لٹریچر صفحہ ۴۴

نائبین سلطنت دور دراز صوبوں کی حکومت نائبین سلطنت کے سپرد کی جاتی تھی جو عموماً شاہی خاندان کے افراد ہوا کرتے تھے۔ نائبین سلطنت کے متعلق ہماری معلومات راجہ اشوک کے زمانے میں چندرا گپتا کے زمانے کی نسبت زیادہ ہے اس لیئے اس کے زمانۂ حکومت کے نظم ونسق کے ذکر کرتے وقت ہم پھر اس مضمون کی طرف رجوع کریں گے۔

وقائع نویس تمام ایشیائی سلطنتوں کے عام طرز عمل کے مطابق شاہی دربار دور دراز مقامات کے حکام پر خاص لوگوں یعنے وقائع نویسوں کے ذریعے اپنی نگرانی قائم رکھتا تھا جن کو یونانی مصنفین نے منتظم اور مہتمم لکھا ہے۔ اور ان کا ذکر اشوک کے فرامین میں شاہی "ملازمین" (یعنے پلسانی۔ بکتون کا فرمان نمبر ۶)۔ یا "اخبار نویس" کے نام سے کیا گیا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ جن الفاظ کا میک کرنڈل نے دونوں مرتبہ یہ غلط ترجمہ کیا ہے "عام اشتہار کے ذریعے"، اس کا اصل اور صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "سرکاری مہر سے"۔ اسی قسم کے قواعد وضوابط بہت زمانہ نہیں گذرا کہ ہندوستان میں جاری تھے۔ فرانسیس ٹاج ٹریورنئر (پہلی ایڈیشن ۱۶۷۵ء) کہتا ہے کہ بنارس میں "دو بازار تھے جہاں سوتی اور ریشمی کپڑے اور دوسری قسم کا مال فروخت ہوتا تھا۔ ان مال اور اسباب کے بیچنے والوں میں سے بڑی تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے جنھوں نے کہ خود اس کو تیار کیا ہے۔ اور اس طرح اجنبی لوگ خود کاریگر سے اشیاء خرید سکتے تھے۔ یہ کاریگر اپنے اسباب کو بازار میں لانے سے قبل ٹھیکے دار (یعنے فروخت پر محصول وصول کرنے کے ٹھیکے دار) کے پاس لے جاتے ہیں۔ اور سوتی یا ریشمی کپڑے پر شاہی مہر لگائی جاتی ہے۔ اگر ایسا نہ کریں تو یا تو ان پر جرمانہ کیا جاتا ہے۔ یا تازیانے کی سزا دی جاتی ہے۔ (دی بال۔ ترجمہ۔ ٹریورنئے کی ٹریولز ان انڈیا صفحہ ۱۱۸) اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ موریا خاندان کے زمانے میں بھی بنارس کا اونی کپڑا مشہور تھا۔ بہترین قسم کا کپڑا جنوب میں مدرا۔ کونکن کلنگ۔ بنارس۔ مشرقی بنگال (ونگا)، ونسا یا کوسامبی مھی شمتی (دریائے نربدا پر) سے آتا تھا (ارتھ شاستر باب ۲ فصل ۱۱)۔ بندرگاہ دریائے گنگا اور سون پر واقع تھے۔ اینٹوں کے بنے ہوئے بندوں کے آثار دریائے سون کے پرانے راستے کے قریب قریب اب بھی پائے جاتے ہیں۔

(پٹی ویدکا سنگی فرمان نمبر۶)۔ ان افسروں کا کام یہ تھا کہ شہر اور دیہات کے واقعات پر نظر رکھیں اور خفیہ طور پر ان کی خبر صدر حکومت کو دیتے رہیں۔ ایرین کا بیان ہے کہ ایسے افسر ہندوستان میں خود مختار اقوام کی حکومتیں اور شاہی حکومتیں دونوں مقرر کیا کرتے تھے۔ یہ حکومتیں اس بات میں بھی کسر نہ کرتی تھیں کہ چھاؤنی یا بازار کی فاحشہ عورتوں کو ان وقایع نویسوں کے شریک کے طور پر استعمال کریں۔ اور یقیناً یہ عورتیں اکثر اپنے افسران بالادست کے پاس بہت سے خفیہ بازاری چہ می گوئیوں کے حالات پہنچاتی ہونگی[1]۔ ایرین کے خبر رساں نے اس کو یقین دلایا تھا کہ یہ خبریں جو بھیجی جاتی تھیں ہر حال میں درست ہوتی تھیں۔ مگر اس بیان کی صحت کے متعلق شک و شبہ کی گنجائش ہے۔ باوجود اس امر کے قدیم ہندوستان کی اقوام اپنی راست گوئی اور دیانت داری میں نزدیک و دور تمام ممالک میں عام شہرت رکھتی تھیں[2]۔

ضابطہ تعزیرات

عوام الناس کی عام ایمان داری اور دیانت داری اور قانون جرائم کے عمل کا ثبوت مگاس تھنیز کے اس بیان سے ملتا ہے کہ جب وہ چندر گپتا کے کیمپ میں جس میں کہ (۴۰۰۰۰) آدمی جمع تھے رہتا تھا تو روزانہ چوری کی مقدار دو سو درم یا تقریباً آٹھ انگریزی پاؤنڈ سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ مگر جب کبھی کوئی جرم واقع ہوتا تو اس کی سزا بہت سخت دی جاتی تھی۔ قطع عضو کے خفیف زخم دینے کی سزا میں مجرم کو بھی ویسا ہی زخم لگایا جاتا تھا اور اس کے علاوہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جاتا تھا۔ اگر زخمی کوئی کاریگر ہوتا جو شاہی ملازم ہو تو اس جرم کی سزا موت ہوا کرتی تھی۔ جھوٹی گواہی دینے کے جرم کی سزا ہاتھ اور پاؤں کا

---

[1] یہ بیان کہ فاحشہ عورتوں سے جاسوسی کا کام لیا جاتا تھا اسٹرابو باب ۱۵ فصل ۱ میں ہے۔ ۱۲

[2] اس کے متعلق تمام شہادت کا خلاصہ میکس ملر کی کتاب "انڈیا وٹ اٹ کین ٹیچ اس" میں ملیگا (مطبوعہ ۱۸۸۳ء صفحہ ۳۴ ۵۲)

قطع کرنا تھی۔ اور چند غیر مصرحہ جرموں کی سزا یہ دی جاتی تھی کہ مجرم کے سر کے بال کٹوا دیئے جاتے تھے۔ اور یہ سزا اور تمام سزاؤں میں سے سب سے زیادہ شرمناک سمجھی جاتی تھی[۱]۔ کسی متبرک درخت کو گزند پہنچانا[۲]۔ فروخت شدہ مال پر بلدیہ کے محصول سے گریز کرنا۔ اور شاہی جلوس میں جب کہ وہ شکار کے لئے جا رہا ہو دخل دینا۔ یہ سب ایسے جرائم تھے جن کی سزا موت تھی۔ درشتی اور سختی کی ان بیان کی ہوئی مثالوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قانون تعزیرات بہ ہیئت مجموعی نہایت سخت اور ظالمانہ ہوگا۔ اور انسانی زندگی کی اس میں کچھ زیادہ پروانہ کی جاتی ہوگی؛

محصول اراضی | ہندوستان کے دیسی قانون کی رو سے ہمیشہ تمام مزروعہ زمین بادشاہی ملک قرار دی گئی ہے۔ اور بادشاہ کا یہ حق تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اس سے لگان یا محصول وصول کرے

[۱] یہ ایرانی سزا تھی۔ "چھوٹے جرائم کی سزا میں ناک یا شاید صرف بال کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ بعض دفعہ صرف آدھا سر ہی منڈوایا جاتا تھا۔ اور مجرم کی گردن میں ایک تختی لٹکا دی جاتی تھی۔ اور اس طرح اس کی تشہیر کی جاتی تھی۔" (کنگسل۔ رسالہ "اتھینیئم" ۱۹۔ جولائی سنہ ۱۹۰۲ء میں۔ یہ بیان اس نے چھٹی صدی کی ایک چینی کتاب "وے۔شو" نام سے نقل کیا ہے جس میں ساسانیوں کے زمانے کا ذکر ہے)۔ وہ جرائم جن کے واسطے سر منڈوانا خود اختیاری سزا تھی آرتھ شاستر باب ۲۔ فصل ۹ میں مندرج ہیں۔ ایسی چھوٹی چھوٹی چوریوں کے لئے جیسے $\frac{1}{4}$ یا $\frac{1}{2}$ چاندی کا پنہ (تقریباً ۳ پنس یا ۶ پنس) کی سزا یا تو (۱) ۶ پنہ کا جرمانہ۔ یا (۲) سر کا منڈوانا۔ یا (۳) جلاوطنی تھا۔ اگر چوری کے مال کی قیمت ایک اور دو پنوں کے درمیان میں ہوتی تو اس کی سزا یا تو (۱) ۲۴ پنوں کا جرمانہ ہوتی یا (۲) یا اینٹ سے سر کا منڈوانا۔ اور یا (۳) جلاوطنی۔ اینٹ سے سر منڈوانے کی سزا یقیناً سب سے سخت عذاب ہوگا۔ اور ایسی چھوٹی چوری کے لئے بڑی سخت سزا تھی۔ ایک چاندی کے پنہ یعنے (۱۴۶) غیر خالص چاندی کے گرین کی قیمت ایک شلنگ فرض کی جاتی ہے؛

[۲] کرٹس باب ۸ فصل ۹؛

جو یا تو اس کی پیداوار یا اس پیداوار کی قیمت کا ایک معتد بہ حصہ ہوتا تھا۔[1]
انگریزی قانون بھی جو عام قدیم دستور کے برعکس مزروعہ اراضی میں حق مالکانہ
تسلیم کرتا ہے اس بات پر مصر ہے کہ محصول اراضی کی ادائی نہایت
ضروری ہے۔ اور وہ اپنے افسروں کو اس کے نہ ادا ہونے کی صورت
میں یہ اختیار دیتا ہے کہ زمین کو فروخت کر کے وصول کر لیا جائے۔
اس وقت بھی محاصل زمین ہندوستانی مالیہ کا سب سے بڑا جزو ہے۔
اور یہی حال یقیناً چندر اگپتا کے زمانے میں ہوگا۔ اس کے زمانے میں
بندوبست اراضی کی تفصیل ہم تک نہیں پہنچی۔ اور ہم کو یہ معلوم نہیں کہ
آیا ہر سال نیا بندوبست ہوا کرتا یا اس سے زیادہ مدت میں برائے نام
تمام پیداوار کا چوتھائی حصہ سرکار محصول کے طور پر جمع کیا کرتی تھی۔ مگر عملی طور پر
بلاشک و شبہ اس نسبت میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی جیسے کہ آج تک کے
زمانے میں بھی ہوتی ہے اور یہ ناممکن تھا کہ تمام صوبوں کے ساتھ یکساں سلوک
کیا جائے۔ اس کے علاوہ چند اور غیر مصرحہ ابواب بھی وصول کئے جاتے تھے۔
چونکہ فوج میں سپاہی پیشہ نوکر رکھے جاتے تھے اور ان کو جنگجو اقوام سے منتخب
کیا جاتا تھا اس لئے کاشتکار فوجی خدمت سے بالکل مستثنیٰ تھے۔ اور
میگاستھنیز نہایت تعجب اور حیرت سے یہ بیان کرتا ہے کہ عین اس وقت
جبکہ دو حریف بادشاہوں کی فوجوں میں مقابلہ ہو رہا ہو کاشتکار نہایت
اطمینان اور امن کے ساتھ اپنا کام کرتا رہتا تھا۔[2]

آبپاشی ہندوستان میں آبپاشی کا مناسب انتظام ایک نہایت ہی

---

[1] وہ لوگ جو شاستروں کی تعلیم سے اچھی طرح واقف ہیں وہ تسلیم کرتے ہیں کہ بادشاہ زمین اور سمندر دونوں کا ہوا کرتا ہے۔ اور لوگ سوائے ان دو چیزوں کے تمام اشیا پر اپنا حق مالکانہ استعمال کر سکتے ہیں" (شرح آرتھ شاستر۔ باب ۲۔ فصل ۲۴) ۱۲ ق

[2] سٹرابو باب ۱۵ فصل ۴۰۔ اس عبارت میں یہ غلط بیان پایا جاتا ہے کہ کاشتکار کو پیداوار کا چوتھائی حصہ ملا کرتا تھا۔ ڈایوڈرس نے بالکل صحیح بیان کیا ہے۔ کہ محصول زمین تمام پیداوار کا چوتھائی حصہ ہوا کرتا تھا۔ ۱۲ ق

اہم امر ہے۔ اور اس بات سے چندر اگپتا کی سلطنت کی خوبی معلوم ہوتی ہے کہ اس نے ایک خاص محکمۂ آبپاشی قائم کیا۔ جس کا یہ فرض تھا کہ زمینوں کی پیمائش کرے۔ اور پانی کی نالیوں کا ایسا انتظام کرے کہ ہر ایک شخص کو حصہ رسدی معتد بہ مقدار پانی کی مل سکے۔ اراضی کی پیمایش کی طرف سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ پانی کا محصول ضرور لگایا جاتا ہوگا۔[1] اور نالیوں کے ذکر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آبپاشی کا انتظام بالکل باقاعدہ تھا۔

سدرسن جھیل

ستر پ ردردامن کے کتبے سے جو ۱۵۰ء میں کاٹھیاوار کے مقام گرنار کی اس مشہور و معروف چٹان پر کندہ کیا گیا جس پر چار صدی قبل راجہ اشوک نے اپنے فرمان کو کندہ کرایا تھا جو ہمیشہ برقرار رہے گا۔ یہ صاف اور صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مرکزی حکومت کو اپنے دور دراز صوبوں کی آبپاشی کا بھی کتنا خیال تھا۔ اگرچہ گرنار بجیرۂ عرب کے پاس موریا سلطنت کے مستقر سے تقریباً (۱۰۰۰) میل کے فاصلے پر واقع ہے مگر وہاں کے کاشتکاروں کی ضرورتیں بھی شاہنشاہ کی آنکھ سے چھپی ہوئی نہ تھیں۔ پشی گپتا نے جو چندراگپتا کی حکومت کی طرف سے مغربی صوبوں کا عامل تھا دیکھا کہ ایک چھوٹی سی ندی کو روک لینے سے آبپاشی کے لئے ایک نہایت عمدہ تالاب بن سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے ایک جھیل سندرسن (یعنے خوبصورت) نامی قلعے کی مشرقی جانب ایک پہاڑی اور اس کے آگے کی چٹان تک مشرقی زمین کو لے کر تیار کی۔ مگر اس سے سوا اور ضروری نالیاں بنانے میں وہ کامیاب نہ ہوا۔ یہ چندراگپتا کے پوتے راجہ اشوک کے زمانے میں اس کے نائب راجہ تشاسف ایرانی کی زیر نگرانی جو اس وقت وہاں کا گورنر تھا۔ تیار ہوئیں۔ یہ سودمند تعمیر جو موریا بادشاہوں کے عہد حکومت میں تیار ہوئی تھی چار سو برس تک کام دیتی رہی۔ لیکن ۱۵۰ء کے ایک طوفان نے جو

[1] ہم کو ارتھ شاستر سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی پر نہایت بھاری محصول لگایا جاتا تھا اور نہریں سخت قواعد و ضوابط کے تابع تھیں۔ ۱۲

غیر معمولی طور پر نہایت شدید تھا اس کے بند کو توڑ دیا - اور ساتھ ہی اس جھیل کو بھی تنا کر دیا

بند کی از سر نو تعمیر

بند نئے سرے سے "سہ چند استحکام" کے ساتھ قوم سکسا کے ستریپ رودر دامن کے حکم سے تعمیر کیا گیا - اور اس نے اس کی تاریخ ایک پتھر پر کندہ کرادی - جو اپنی وضع میں اس وجہ سے نادر و بے نظیر ہے کہ یہی کتبہ ہے جس میں چندر اگپتا اور اشوک دونوں کے نام پائے جاتے ہیں - مگر باوجود رودر دامن کی تعمیر کی سہ چند مضبوطی کے بند عناصر کی شدت کا مقابلہ نہ کر سکا - اور وہ پھر برباد ہوا - ۴۵۶ء میں سکند گپت کے زمانے میں وہاں کے گورنر نے پھر اس کی مرمت کی - ایک غیر معلوم وقت میں یہ تعمیریں بالکل منہدم ہو گئیں اور یہ جھیل آخر کار معدوم ہو گئی - اس کا موقعہ جو نہایت گھنے جنگل میں واقع ہے اس طرح لوگوں کے دلوں سے محو ہو گیا تھا کہ موجودہ محققین کو اس کی اصلی جگہ کے پتہ لگانے میں دقت ہوئی

آبپاشی کے لئے شاہی نگرد احتیاط

یہ امر کہ سلطنت کے ایک ایسے دور دراز صوبے آبپاشی کے کام پر اتنا روپیہ اور محنت صرف کی گئی صاف ظاہر کرتا ہے کہ موریا خاندان کے بادشاہ کھیتوں کے لئے پانی کا بہم پہنچانا اپنا ایک اہم فرض تصور کرتے تھے - اور ساتھ ہی یہ ایک نہایت صریح مثال ہے مگاس تھنیز کے اس بیان کی صحت کی کہ شاہی عمال "جیسا کہ مصر میں دستور تھا - یہاں بھی زمین کی پیمایش کرتے اور ان راج بہوں کی نگاہداشت کرتے ہیں جن کے ذریعے سے چھوٹی نالیوں میں پانی تقسیم کیا جاتا تھا - تاکہ ہر شخص اپنا حصہ اس میں سے لے اور اس سے فائدہ اٹھائے"

لہ فرگمنٹ نمبر ۳۴ - سٹریبو میں باب ۱۵ فصل ۱ - ۵۰ - گرنار (جوناگڑھ) کی قدیم عجائبات کو برگس نے "رپورٹس آرکی آلوجیکل سروے ویسٹرن انڈیا" جلد دوم میں بیان کیا ہے - اور اس موقعے کے متعلق مذکورۂ بالا سروے بابت ۹-۱۸۹۸ء کی "پراگرس رپورٹ" میں مسٹر کوسنس نے بحث کی ہے - رودر دامن کے کتبے کے لئے دیکھو سب سے آخر ایڈیشن -

سخت نگرانی مرکزی حکومت مقامی عُمّال کے ذریعے سے تمام چیزوں کی نہایت سخت نگرانی کرتی تھی۔ اور اس کی ایسی ہی نگرانی آبادی کی تمام جماعتوں اور ذاتوں پر قائم تھی۔ یہاں تک کہ برہمن نجیم اور جوتشی اور قربان گاہ کے مذہبی پیشوا جن کو مکاس تھینیز غلطی سے فلسفیوں کی ایک علیحدہ جماعت قرار دیتا ہے[1] اس سرکاری نگاہداشت سے نہ بچ سکتے تھے۔ اور ان کو ان کی پیش گوئیوں کے صحیح یا غلط ہونے کے مطابق یا تو انعام واکرام تقسیم ہوتا تھا اور یا ان کو سزا دی جاتی تھی۔ کاریگروں اور صناعوں کے طبقے میں اسلحہ سازوں اور جہاز سازوں کو سرکار کی طرف سے تنخواہ ملتی تھی۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ مصر کیلہارن ایپی گریفیا انڈ کا جلد آٹھ صفحہ ۳۶ میں۔ اور اس کا مختصر ترجمہ لیوڈر کی "فہرست" نمبر ۹۶۵ (ایپی گریفیا انڈ کا جلد دس ضمیمہ صفحہ ۹۹)۔ یہ کتبہ سنسکرت زبان میں لکھا ہوا سب سے قدیم بڑا کتبہ ہے۔ اس کے علاوہ اس سے قدیم۔ مگر مختصر سنسکرت کتبہ جو دریافت ہوا ہے وہ متھرا کے نزدیک ایسا پور کے مقام پر ایک قربان گاہ کے ستون پر کندہ ہے۔ اور اس کی تاریخ سنہ ۲۴ (یعنی سنہ ۱۱۲ء؟) شاہی واسشک کے دوران حکومت کی ہے۔ (جے آر اے ایس پر سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۱۸)۔ "راشتریا" کے لفظ کا ترجمہ جو اس کتبے میں یشی گپتا کے نام کے ساتھ آتا ہے اصل میں گورنر ہے۔ تشاسف کا تذکرہ بھی ہے۔ مگر نام کی شکل سے صاف ظاہر ہے کہ وہ یقیناً کوئی ایرانی ہوگا۔ (ایپی گریفیا انڈ کا۔ جلد ۸۔ صفحہ ۴۶۔ حاشیہ)۔

[1] مکاس تھینیز نے پیشہ ور جماعتوں کو عجیب وغریب طور پر تقسیم کیا ہے۔ اور اسی جماعت کے لفظ کا غلط ترجمہ "ذات" کر دیا جاتا ہے۔ اس نے ان کو سات حصوں میں تقسیم کیا ہے (۱) فلسفی۔ (۲) زراعت پیشہ لوگ۔ (۳) گوالے۔ گدڑیئے اور چرواہے۔ (۴) اہل حرفہ اور تاجر۔ (۵) سپاہ۔ (۶) ناظر۔ (۷) مشیر کار۔ (شوبنیک کی کتاب کا فرگمنٹ نمبر ۳۳ منقول از آرین کی کتاب انڈکا۔ ۱۱۔ و۔ ۱۲۔) سٹرابو نے ان کے نام اور ہی بیان کیے ہیں۔ ان میں سے نمبر ۲۔ ۵ کے نام آرین کے ناموں سے ملتے جلتے ہیں۔ برہمنوں کی کتابیں جیسا کہ سب کو بخوبی معلوم ہے تمام آدمیوں کو چار حصوں (ورن) میں تقسیم کرتی ہیں۔ یعنے برہمنی۔ چھتری یا راجنیا۔ ویش اور شودر۔ "ورن" کا ترجمہ ذات کرنا غلطی ہے۔

ان کو سوائے سرکار کے اور کسی کے کام کرنے کی اجازت نہ تھی۔ لکڑی کاٹنے والے۔ نجار۔ لہار اور کان کن بعض خاص قواعد وضوابط کے پابند تھے۔ مگر ان قواعد کی نوعیت کا ذکر ہم تک نہیں پہنچا؛

سواری کے قواعد

سٹربو کے بیان کے مطابق ہر کس وناکس مجاز نہ تھا کہ گھوڑا یا ہاتھی رکھے۔ ان کا رکھنا صرف بادشاہوں کا منصب سمجھا جاتا تھا۔ مگر اس بیان کا اطلاق اگر تمام ملک پر کیا جائے تو بلاشک وشبہ یہ غلط ہے۔ اور ایرین (انڈکا ۱۷) کے تفصیلی اور قابل فہم بیان سے اس کی صحت ہوتی ہے۔ یہ مصنف بیان کرتا ہے کہ عام طور پر سواری کے لیئے گھوڑے اونٹ گدھے اور ہاتھی استعمال ہوتے تھے۔ ان میں سے ہاتھی صرف امیر اور دولتمند لوگ کام میں لاتے تھے۔ اور وہ خاص طور پر بادشاہوں کی خدمت کے شایاں سمجھے جاتے تھے۔ گدھوں کے سوا جن کو کہ آجکل نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور جن کا استعمال کمہاروں اور دھوبیوں کی باربرداری کے جانوروں ہی تک رہ گیا ہے۔[۱]

سٹربو کا بیان موجودہ ہندوستان کی حالت کے عین مطابق ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہاتھی یا اونٹ پر سوار ہونا یا چار گھوڑوں کی رتھ کو استعمال کرنا اعلیٰ رتبے کا نشان تھا۔[۲] لیکن ہر شخص مجاز تھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو یا اسے رتھ میں جوتے

---

۱ مگر بہرحال گدھے قدیم ہند یعنے پنجاب اور کوہستانی سرحد کے قریب کثرت سے مستعمل تھے جیسے کہ ایران میں۔ ان کا ذکر رگ وید میں آتا ہے۔ اور مہابھارت کی چند عبارتوں میں بھی ان کا اونٹوں کا اور خچروں کا نام ساتھ ساتھ پایا جاتا ہے کہ پنجاب میں واہیک اور مدرک کی اقوام جن کا دارالسلطنت ساکلا (یعنے سیالکوٹ) تھا انھیں کام میں لاتے تھے (سلوین لیوی انڈین انٹی کویری ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۷)۔ دیکھو آرتھ شاستر باب ۲۔ فصل ۲۹۔ باب ۷۔ فصل ۱۲۔ اور باب ۹۔ فصل ۱۔ خچر فوجی کام کے لئے استعمال ہوتے تھے؛

۲ چانکیا نے ہاتھی کے مارنے والے کی سزا موت تجویز کی ہے۔ (باب ۲ فصل ۲) بر بایں بادشاہ تمام ہاتھیوں کا مالک متصور ہوتا تھا۔ اور خود اس کے پاس (۶۰۰) ہاتھی تھے۔

اِکّا جو آجکل بھی شمالی ہند میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ ہندوستان کی ایک نہایت قدیم سواری ہے ؛

سڑکیں سڑکوں کا انتظام ایک خاص محکمے کے افسران کے ہاتھ میں تھا۔ (۱۰) سٹیڈیا یعنی ہندوستانی حساب سے آدھ کوس اور انگریزی حساب سے (۲۲ ۱/۲ ۲) گز کے فاصلے پر ستون تعمیر کیئے گئے تھے تاکہ وہ فاصلے کی علامت اور نشان کا کام دے سکیں۔ اس طرح شاہان مغلیہ کے زمانے سے جنھوں نے ہر کوس پر ایک ستون قائم کرایا تھا اس زمانے میں ان مفید علامات کا انتظام بہتر تھا۔ ایک شاہراہ جو مسافت میں (۱۰۰۰۰) سٹیڈیا تھی شمال مغربی سرحد کو دارالسلطنت سے ملاتی تھی[۱] ؛

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- ہاتھی پر سوار ہونے یا ان کو رکھنے کا استحقاق صرف نہایت اعلیٰ طبقے اور ذی اقتدار لوگوں کو عطا کیا جاتا تھا۔ (دیکھو سائمز کی کتاب "ابسی لوآوا" جلد دوم صفحہ ۸۔ شائع کردہ کانسٹیبل) ؛

[۱] سٹرابو باب ۱۵ فصل ۱۱۔ مغلیہ کوس یعنی ان ستونوں کے درمیان کا فاصلہ جو اب تک باقی ہیں۔ اوسطاً (۴۵۵۸) گز ہوا کرتا تھا (ایلیٹ۔ گلاسری۔ مضمون "کوس")۔ فلیٹ نے "ادہ کوسیا" کے لفظ کے معنے جو اشوک کے ستونی فرمان نمبر ۷ میں آتا ہے "آٹھ کوس کے فاصلے" کے نہ کہ "آدھا کوس" کے فاصلے کے لیئے جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۰۶ صفحہ ۱۷۱ ۔ سنہ ۱۹۱۲ صفحہ ۲۳۸)۔ اور وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ قدیم ہند میں صرف ایک ہی کوس کا فاصلہ ہوتا تھا اور یہ انگریزی ایک میل اور (۲۴۰) گز کے برابر ہوتا تھا۔ مگر یہ مشکل معلوم ہوتا ہے کہ ادہ ہواشت یعنے آٹھ کے برابر مان لیا جائے۔ تین سٹیڈیا یا رومتہ الکبریٰ میں پہلی صدی عیسوی میں رائج تھے۔ یعنے فلیٹیرین فاصلہ جو تقریباً (۶۵۰) انگریزی فیٹ یا تقریباً ایک فرلانگ ہوا کرتا تھا۔ المپک (۶۰۰) فیٹ کا ہوتا تھا۔ اور ارا ٹوستھنیز فاصلہ تقریباً (۵۲) فیٹ کا۔ کتاب پریپلس کا مستعملہ سٹیڈیم یہی ارا ٹوستھنیز معلوم ہوتا ہے۔ جو تقریباً ایک انگریزی میل کا دسواں حصہ ہوتا تھا۔ اور غالباً مکاستھنیز نے بھی یہی فاصلہ استعمال کیا ہے۔ (شاف کی کتاب "دی پیریپلس آف دی اریری تھرین سی" سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۵۴) ؛

تہذیب کا نہایت بلند معیار

مذکورۂ بالا ملکی اور فوجی نظامِ حکومت سے جو چندرا گپتا کے زمانے میں قائم تھا یہ بات بالکل صاف ظاہر ہوتی ہے کہ سکندر اعظم کے زمانے میں شمالی ہند تہذیب کے بلند مرتبے پر پہنچ چکا تھا۔ اور یہ تہذیب یقیناً چند گذشتہ صدیوں کے ارتقاء کے بعد ہی پیدا ہوئی ہوگی۔ بدقسمتی سے اب تک کوئی ایسی یادگار دریافت نہیں ہوئی جو قابل یقین کے ساتھ چندرا گپتا یا اس کے بیٹے کے زمانے کی کہی جا سکے۔ اور اسی وجہ سے آثار قدیم کے ماہر اب تک کوئی ایسی بیّن شہادت نہ پیش کر سکے جو یونانی مصنفین کے بیان کو ثابت کرتی ہو۔ ہندوستانی عمارتیں اور فنون لطیفہ کی سب سے قدیم مثالیں سوائے چند غیر ضروری مستثنیٰ اشیا کے اشوک ہی کے زمانے کی ہیں۔ لیکن اگر پاٹلی پتر۔ ویسالی۔ ٹکسلا اور دوسرے قدیم اور مشہور مقامات کھودے گئے اور ان کی تفتیش و تحقیق کما حقّہ کی گئی تو یہ ممکن ہے کہ موریا خاندان کے اوائل اور اس سے بھی قدیم زمانے کے آثار ظاہر ہو جائیں اور محققین کی سعی مشکور ہو۔ یہ بات ممکن نہیں کہ کسی عمارت کے ایسے کھنڈر پائے جائیں جسے پہچان سکیں۔ کیونکہ موجودہ برما کی طرح ہند قدیم کی بڑی بڑی عمارتیں عام طور پر لکڑی کی بنی ہوئی ہوتی تھیں۔ اور اینٹ کو صرف بنیاد رکھنے اور ستون کے نیچے کے حصے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اشوک کے زمانے سے پہلے کی کسی پتھر کی بنی ہوئی عمارت کے نشان ابتک دریافت نہیں ہوئے۔ چندرا گپتا کے زمانے سے بہت پہلے فن تحریر آبادی کی بعض جماعتوں میں عام طور پر رائج ہو چکا تھا۔ اس زمانے میں یونانی مصنفین کی تحریروں کے مطابق درختوں کی چھال اور روئی کے کپڑے کو کاغذ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا[1]۔ لیکن یہ تعجب کی

[1] نیارکس سب سے پہلا شخص ہے جس نے روئی کے کپڑے کے اس استعمال کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (سٹریبو باب ۱۵ فصل ۶۷) ایک صدی قبل میسور کے دکاندار اور تاجر عموماً (۸) سے (۱۲) انچ عریض اور (۱۲) سے (۱۸) فیٹ طویل روئی کے کپڑے کا ٹکڑا

بات ہے کہ اس کے زمانے کا کوئی کتبہ اس وقت تک ایسا دریافت نہیں ہوا جو زیادہ پائدار چیز پر کندہ کیا گیا ہو۔ مگر غالباً پتھر یا دھات پر کندہ کیئے ہوئے کتبے موجود ہیں۔ اور ممکن ہے کہ جب کبھی اصلی قدیم جگہوں کو کھودا گیا اور ان کی تحقیق کی گئی تو وہ دریافت ہوں؛

چانکیا کا "سیاست نامہ"

چندرا گپتا موریا کے دربار ملکی اور فوجی انتظام کے متعلق تمام مواد یونانی اسناد سے اخذ کیا جاتا تھا۔ اور اس مواد کے سنہ ۱۹۰۴ء میں جب اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شایع ہوا۔ صحت یا عدم صحت کی جانچ کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہ تھا۔ مگر اسی دوران میں ایک ہندوستانی عالم نے ترجمے کے ذریعے سے ایک کتاب سیاست نامہ کو جس کا مصنف چانکیا یا کوتلیا چندرا گپتا کا زیرک اور تیز فہم وزیر کہا جاتا ہے۔ دنیا سے روشناس کرا دیا ہے۔ جرمن علماء کی تحقیقات نے اس بات کو قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ آرتھ شاستر یقیناً موریا خاندان کے زمانے کی ایک مصدقہ کتاب ہے۔ یہ بات کہ آیا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- لکھنے کے لئے استعمال کیا کرتے تھے۔ قدیم زمانے میں یہ ٹکڑے مسلیں اور دستاویزیں لکھنے کے لئے کام آتے تھے۔ کنڑی زبان کو ان پر ایک ایسی چیز سے لکھتے تھے کہ جو مٹ سکتی تھی اور مٹنے کے بعد کپڑے کو پھر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ یہ پارچے نہایت احتیاط سے طے کیئے جاتے تھے اور صندوقوں میں بند رہتے تھے۔ (ولسن۔ میکنزی کولیکشن صفحہ ۲۴۲- دوسری ایڈیشن۔ مدراس سنہ ۱۸۸۲ء) میگاس تھنیز کا یہ بیان۔ (سٹریبو باب ۱۵- فصل ۵۳) "یہ ہندوستانی فن تحریر سے بالکل نابلد تھے" غلط ہے۔ آگسٹس نے جو خط ایک ہندی راجہ کے نام بھیجا تھا وہ جھلی پر لکھا ہوا تھا۔ درخت کی چھال جس کا ذکر ہوا وہ بھوج پتر تھا۔ اور صرف شمالی ہند میں اس کا استعمال تھا۔ "درختوں کی چھال کے نرم حصے پر کاغذ کی طرح الفاظ لکھے جا سکتے ہیں" (کرٹس باب ۸ فصل ۹)۔ یونانی مصنفین کی کتابوں میں ہندوستان کے متعلق جو ظاہری تناقض معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف مصنف مختلف حصص ملک کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اس قسم کے عام بیان ہندوستان کے متعلق ہمیشہ غلط ہوا کرتے ہیں۔ ۱۲ ذ

جیسا کہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب چانکیا ہی کی لکھی ہوئی ہے یا نہیں۔ کچھ زیادہ اہم نہیں ہے۔ کتاب ان اصول سے بحث کرتی ہے جو سیاست مدن کے متعلق مصنف کے زمانے میں رائج تھے اور جن کے ذریعے سے اس کے زمانے کی پالیسی ایسی کامیاب ہوئی تھی۔ یہ ایک نہایت ہی بیش قیمت اور دلچسپ چیز ہے۔ اور یہ ہندوستان قدیم کی حالت خصوصاً اس کے انتظام۔ قوانین۔ تجارت۔ جنگ اور صلح کے متعلق اتنی روشنی ڈالتی ہے کہ جتنی اور کوئی کتاب نہیں ڈال سکتی ہے۔ یہ کتاب اس طرح بھی استعمال کی جاسکتی ہے کہ ہم اس کو یونانی مصنفین کی باتوں کی شرح یا تفصیل سمجھیں۔ چند تفصیلوں کے متعلق اس کی تھوڑی سی عبارتوں کا حوالہ پہلے بھی حاشیوں میں دیا جاچکا ہے۔ مگر اس کے مضامین کا ایک تفصیلی بیان لابدی اور ضروری ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوگا کہ اب یونانی مصنفین کے بیانات کے علم پر اس کے ذریعے سے بہت کچھ اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

آرتھ شاستر میں خاندان موریا کے قبل کے حالات مندرج ہیں

آرتھ شاستر کے قواعد وضوابط اور یونانی مصنفین کے بیانات کو آپس میں ایک دوسرے سے ملانا نہ چاہیئے۔ کیونکہ یہ صرف اس اثر کا تذکرہ کرتے ہیں جو ایک اجنبی کے دل پر ان قواعد وضوابط نے کیا جو ایک خاص وقت یعنی غالباً سنہ ۳۰۰ ق م میں ہندوستان میں موریا خاندان کے عہد میں موجود تھے۔ اس کے برخلاف آرتھ شاستر میں ان قواعد کا ذکر ہے جن کو برہمن وزراء اچھا سمجھتے تھے۔ اور جن کی نسبت ان کا خیال تھا کہ وہ ہر زمانے میں ایک خودمختار سلطنت کے لیے مفید اور سود مند ثابت ہوسکتے ہیں۔ آرتھ شاستر اور قدیم مصنفین کے اقوال بھی نقل کرتا ہے۔ جن کی قدامت کے متعلق ہم کو کچھ بھی معلوم نہیں۔ اور اس میں ہندوستان کی اس وقت کی سیاسی حالت درج ہے جو ایک عظیم طاقت یعنی موریا خاندان کے

۱۔ یہ آرتھ شاستر یا شیاست نامہ خلاصہ ہے تمام اُن آرتھ شاستروں کا جو قدیم استادوں نے

قیام سے پہلے تھی - اس کو ہم ایک نہایت ہی مستند کتاب ہندوستان کی سیاسی اور معاشرتی حالت کے متعلق سکندر اعظم یعنی ۳۲۵ ق م کے زمانے کی تسلیم کر سکتے ہیں - اس کتاب کا جنوبی ہند کی دراوڑ سلطنتوں سے کوئی تعلق نہیں - ان کا نظام حکومت بالکل جدا گانہ تھا ؁

حکومت خودمختاری میں برہمنوں کا ادب ملحوظ رکھا جاتا تھا -

کتاب میں جس قسم کی حکومت کا ذکر ہے وہ شاہانہ خود مختاری حکومت ہے - لچھوی یا لکھوی یا دیگر اقوام کے جمہوری نظام حکومت کے صرف سرسری طور پر حوالے ہی دیئے گئے ہیں - خود مختار بادشاہ کی مرضی جو کسی دستوری حکومت کی روایتوں یا آئین کی رو سے محدود نہ تھی - ایک حد تک رسم و رواج کے لحاظ سے برہمنوں کے ادب کی وجہ سے دبی رہتی تھی - یہ ادب اس زمانے سے بہت پہلے پورے طور پر اپنا سکہ جما چکا تھا - عام طور پر برہمن سزائے موت یا اور سنگین سزا سے بالکل مستثنیٰ تھے - اس قاعدے سے صرف وہ برہمن مستثنیٰ تھے جن پر بادشاہ سے بغاوت کا الزام لگایا گیا ہو - ان کو یہ سزا دی جاتی تھی کہ وہ پانی میں غرق کر کے مار ڈالے جاتے تھے - اور دوسری ذاتوں کے لوگوں کی طرح اس جرم میں ان کو زندہ نہ جلوایا جاتا تھا[۵۱] - اور چند جرائم میں ماخوذ شدہ برہمنوں کے چہرے پر گرم لوہے سے داغ لگا دیا جاتا تھا - اور اس کے بعد یا تو ان کو جلاوطن کر دیا جاتا تھا اور کانوں میں کام کرنے کے لیئے بھیج دیئے جاتے تھے - برہمن لوگ کہ انتہا سادھو اقبال جرم کے لیئے بھی عذاب و عقاب برداشت کرنے سے مستثنیٰ تھے[۵۲] ؁

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- زمین کے محاصل اور اس کے انتظام کے متعلق بادشاہوں کی ہدایت کے لیئے لکھے تھے " (باب ۱۵ - فصل ۱ - انڈین انٹی کویری ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۷۵) بلا شمار ہیں کی شاستروں کی شرحوں میں بے شمار متضاد باتوں کو دیکھ کر وشنو گپتا نے یہ مقولے تصنیف کیئے اور ان پر خود اپنی طرف سے شرحیں زیادہ کیں " (رسالۂ مذکورۂ بالا صفحہ ۱۱۷) ؁

۵۱ آرتھ شاستر باب ۴ - فصل ۱۱ ؁

۵۲ آرتھ شاستر باب ۴ - فصل ۸ ؁

کتاب کے قواعد صرف چھوٹی سی سلطنت کے لئے ہیں

مصنف شروع میں ہی یہ فرض کر لیتا ہے کہ وہ اصول جن کی اس نے تشریح کی ہے محض ایک چھوٹی سی سلطنت میں کام آئیں گے جو اور اپنے ہی مثل چھوٹی چھوٹی سلطنتوں سے گھری ہوئی ہو۔ اور یہ سب آپس میں یا تو کھلم کھلا یا خفیہ ایک دوسرے سے برسر نزاع و پرخاش ہوں۔ اس کتاب کے قواعد وضوابط بلا شک وشبہ ایک وسیع اور مستحکم سلطنت کی ضروریات کو بھی مہیّا کرتے ہیں۔ اور یہ تو بالکل صریح ہے کہ کتاب اس وقت کی حالت سے بحث کرتی ہے جو موریا خاندان کے ہندوستان میں استحکام و استقلال سے پہلے کی تھی۔

تمام سلطنتیں حقیقی یا انتظامی طور پر ایک دوسرے کی دشمن ہوتی ہیں۔

ہمسایہ سلطنتوں میں دائمی امن وصلح ناممکن تسلیم کی گئی ہے اور یہ تعلیم دی گئی ہے کہ:-

جو زیادہ طاقتور ہو دوسرے پر فوج کشی کرے۔[۵۱]
اور جس کی طاقت رفتہ رفتہ زیادہ ہو رہی ہو
وہ بلا پس وپیش صلح کے معاہدے کو توڑ دے۔[۵۲]

کوئی بادشاہ جو فاتح کی سلطنت کی سرحد کے قریب قریب واقع ہو اس کا دشمن ہوتا ہے۔[۵۳]
جب مساوی طاقت کا بادشاہ صلح کو پسند نہ کرے تو اس کے حریف جس کو اس نے تکلیف دی ہو بدلے میں اسی قدر تکلیف اس کو بھی پہنچانی چاہیئے۔ کیونکہ طاقت کے وجود اور استعمال ہی سے دو بادشاہوں میں صلح اور امن قائم رکھی جا سکتی ہے۔ کبھی کوئی لوہا جو گرم کرکے پہلے سرخ

---

۵۱ باب ۷، فصل ۱۔ (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۰۴)۔
۵۲ باب ۷۔ فصل ۱۷۔ (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۰ صفحہ ۵۹)۔
۵۳ باب ۶ فصل ۲۔

نہ کر لیا گیا ہو۔ دوسرے لوہے کے ساتھ ضم نہیں ہوا کرتا[۱]؛

سیاست مدن میں اخلاق کوئی چیز نہیں۔

اس حالت کا نتیجہ یہ تھا کہ موریا سلطنت کے استحکام اور قیام سے پہلے سلطنتوں کے تعلقات ہمیشہ کشیدہ رہتے تھے اور ان میں تنازع للبقاء ہمیشہ جاری رہتا تھا۔ زبردست کا بول بالا رہا کرتا تھا۔ کوئی بادشاہ کسی دوسرے حکمراں پر ایک لمحے کے لئے بھی بھروسہ نہ کر سکتا تھا۔ اور نہ پرانے عہود کو توڑنے میں تامل کرتا تھا بشرطیکہ وہ یہ محسوس کر لے کہ وہ ان کو توڑنے کی طاقت رکھتا ہے کسی قسم کے اخلاق و تہذیب کے خیالات کو سیاست میں جگہ نہ دی جاتی تھی۔ اور اس میں بالکل کھلم کھلا عیاری اور دغا بازی (جس میں چھپ کر قتل کرنا بھی شامل تھا) کے وسائل و ذرائع اختیار کئے جاتے تھے۔ یہ اصول کہ عوام کے معائب بادشاہوں کے محاسن ہوتے ہیں۔ صریحاً جاری و ساری تھا۔ اور تاریخ کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس پر متواتر عمل بھی کیا جاتا تھا۔ سازش اور منصوبہ سازی میں مہارت اور دسترس بادشاہت کے لئے طاقت یا حزم سے زیادہ قابلیت متصور ہوتی تھی[۲]؛

عام حالت شک اور جاسوسی

جس طرح دو راجاؤں کے تعلقات گہرے اور عام شکوک پر مبنی ہوتے تھے۔ اس طرح ہر ایک بادشاہ اپنے افسروں اور رعایا کے لئے ان ہی اصول پر کاربند ہوتے تھے۔ کسی شخص کو معتبر نہ سمجھا جاتا تھا۔ حکومت ایک نہایت ہی باقاعدہ محکمۂ تفتیش و تجسس پر جو سلطنت کے تمام محکموں اور رعایا کی ہر ایک جماعت پر حاوی ہوتا تھا۔ بھروسہ کرتی تھی۔ جاسوسوں کے متعلق

---

[۱] باب ۷۔ فصل ۳۔ (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۰۷)؛
[۲] باب ۷۔ فصل ۳ (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۰۷)؛

قواعد وضوابط کو اس کتاب میں نہایت ممتاز جگہ دی گئی ہے۔ اور اس کے ہر باب میں یہ بات فرض کر لی گئی ہے کہ حکومت کی کل کے ٹھیک کام کا انحصار زیادہ تر اس بات پر ہے کہ خفیہ طور پر جو خبریں وصول ہوں ان کو کام میں لائیں[1]؛

فاحشہ عورتوں کی ملازمت

فاحشہ عورتوں سے جاسوسی کا کام لئے جانے کی بابت سٹریبو کے بیان کی تصدیق اس مضمون کے متعلق ان قواعد سے ہوتی ہے جو اس کتاب میں پائے جاتے ہیں۔ یہ فاحشہ عورتیں ایک بڑی حد تک دربار کی ملازم خیال کی جاتی تھیں۔ اور اس قسم کی عورتیں ناظم اور نائب ناظم کے حکم کے مطابق شاہی چتر کے تھامنے۔ سونے کے آفتابے اور پنکھے کے اٹھانے۔ اور جب کبھی بادشاہ تخت پر بیٹھے یا رتھ یا پالکی میں سوار ہو تو اس کے ہم رکاب رہنے کا کام کرتی تھیں۔ ایک طول وطویل باب ان ہی فاحشہ عورتوں کے متعلق قواعد وضوابط سے بھرا ہوا ہے[2]۔ جاسوس خط مرموز استعمال کرتے تھے[3]۔ اور خفیہ خبروں کے پہنچانے کے لئے پیغامبر کبوتر سے کام لیا جاتا تھا[4]۔ خفیہ پولیس کا محکمہ "جاسوسی کے قواعد وضوابط" کے زیر نگرانی تھا۔ اور ان ہی قواعد وضوابط کے موافق تمام رپورٹوں کو جانچا جاتا تھا؛

شہزادے کیکڑوں کی مانند متصور ہوتے تھے۔

بادشاہ اپنے خاندان کے اراکین سے ہمیشہ ڈرتا رہتا تھا۔ "سلطنت کی وجہ سے باپ سے بیٹے اور بیٹا باپ سے دشمنی کرتا تھا"۔ جہانگیر نے صدیوں بعد اسی اصول کا اعادہ ان الفاظ میں کیا کہ "بادشاہت کے معاملے میں

---

[1] اس کے متعلق قواعد زیادہ تر باب ۱- فصل ۱۱-۱۲ میں ہیں؛

[2] باب ۲- فصل ۲۷؛

[3] باب ۲- فصل ۲۸؛

[4] باب ۵- فصل ۲ (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۰۸)؛

بیٹے اور داماد کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ اور بادشاہ کا کوئی حقیقی رشتہ دار نہیں ہوتا[1]" اسی قسم کا ایک اور مقولہ یہ ہے کہ "شہزادے کیکڑوں کی مانند ہیں۔ اور وہ ان کی طرح اپنے والدین کو کھا کر ہضم کر جانے میں مشاق ہوتے ہیں[2]"۔

بادشاہ کے فرائض۔

ایک خود مختار اور غیر ذمہ دار بادشاہ سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ سخت محنت و تندہی سے کام کرے گا۔ ان الفاظ میں جن سے پڑھنے والے کو عام طور پر اشوک کے فرامین کا شبہ ہوتا ہے ہمارا مصنف کہتا ہے کہ:۔

بادشاہ کو چاہیئے کہ وہ بذات خود۔ دیوتاؤں۔ ملحدوں۔ برہمنوں۔ وید کے عالموں۔ مویشیوں۔ عبادت گاہوں۔ کم عمروں۔ مصیبت زدوں۔ بیکسوں اور عورتوں کے کاموں کو انجام دے۔ یہ تمام کام جس طرح سے لکھے گئے ہیں اس ترتیب سے یا جس طرح کہ ان کی ضرورت محسوس ہو انجام دینے چاہئیں۔

تمام ضروری مقدمات کی سماعت فوراً کرنی چاہیئے۔ اور ان کو ملتوی کبھی نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر ان کو ایک مرتبہ معرض التوا میں ڈال دیا گیا تو پھر ان کو سنبھالنا اور انجام دینا ناممکن ہو جائے گا[3]۔

شاہی مجلس

بادشاہ کی مدد کے لیئے ایک شاہی مجلس مقرر تھی۔ جس کے اراکین کی تعداد بعض مصنفوں کی رائے کے مطابق بارہ یا سولہ ہونی چاہیئے۔ لیکن چانکیا کی رائے کے مطابق ان مشیروں کی تعداد اتنی ہونی چاہیئے جتنی کہ سلطنت کی ضرورت کے لیئے

[1] تزک جہانگیری۔ مترجمۂ راجرس اور بیوریج۔
[2] باب ۱۔ فصل ۱۷۔
[3] باب ۱۔ فصل ۱۹۔

کافی ہو[1]۔

محکمے حکومت کے بارہ محکموں کا مفصل ذکر ہے۔ اور تمام بڑے بڑے عمّال کی لمبی چوڑی فہرست اس میں مندرج ہے۔ ان میں حاجب۔ صدر محاسب۔ صدر نگران مال۔ مہتمم محکمۂ زراعت۔ مہتمم محکمۂ حرفت و صنعت وغیرہ شامل ہیں[2]۔

وہ پنچایتیں جن کا ذکر مگاس تھنیز نے کیا ہے کہ دار السلطنت اور افواج کے تمام کام ان کے سپرد تھے۔ ان کا چانکیا کی کتاب میں کہیں پتہ نشان نہیں۔ اور وہ ان کا ذکر اس طرح کرتا ہے کہ ان میں ہر ایک محکمہ صرف ایک ہی عامل کی سپردگی میں کام کرتا تھا۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ پنچایتیں چندر اگپتا کی ہی خود ساختہ اور جدت طبع کا نتیجہ ہوں۔ مگر اس کے علاوہ یہ کتاب بہت سے یونانی بیانات کی موٴید اور مصدق ہے۔

مشاہرے اور سکّے اس میں مشاہروں کی شرح کی ایک نہایت عجیب و غریب جدول بھی پائی جاتی ہے۔ تنخواہوں کی شرح ولی عہد اور چند اور بڑے بڑے ملکی عہدے داروں کے مشاہرے (۴۸۰۰۰) سالانہ چاندی کے پنوں سے لے کر ایک مزدور کی تنخواہ (۶۰) پنوں تک دی جاتی تھی[3]۔ چاندی کے پنہ کا کوئی نمونہ دریافت نہیں ہوا۔ مگر گمان غالب یہ ہے کہ اس کا وزن تانبے سکے ایک کرش کے برابر یعنی (۱۴۶) گرین ہوتا ہوگا[4]۔ "چھدے ہوئے" غیر خالص چاندی کے سکے (پران یا دہرن) جن کے متعلق معلوم ہے کہ وہ تصنیف کے زمانے میں عام طور پر مستعمل ہوتے تھے۔ وزن میں (۵۶) گرین کے معیار سے مسکوک کیے جاتے تھے۔

---

[1] باب ۱۔ فصل ۱۵۔

[2] باب ۱۔ فصل ۱۲ و ۱۵۔

[3] باب ۱۰۔ فصل ۳۔ (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۶۳)۔

[4] سکّے کے لیے دیکھو باب ۲۔ فصل ۱۲ و ۱۴۔

ممکن ہے کہ یہ چاندی کا پینہ صرف حساب وکتاب کے لئے کام آتا ہو۔ ایک چاندی کے پینہ کی قدر جس میں "چھدے ہوئے" سکے کی طرح بہت کھوٹ ملا ہوا ہوتا تھا۔ ایک شلنگ سے کچھ زیادہ نہیں ہوسکتی ؎

مالیات

نہایت درست اصول کی تلقین یہ ہے کہ "تمام کارروائیوں کا دارومدار مالیات پر ہے۔ اور اسی وجہ سے خزانے پر سب سے زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے"؎ یہ ناممکن ہے کہ میں مالی انتظامات کی ہر ایک شق کو تفصیل سے بیان کروں۔ مگر چند امور کا ذکر کیئے دیتا ہوں ؎

محصول اراضی اور محصول آب

موجودہ زمانے کے افسر بندوبست کی طرح مہتمم محکمۂ زراعت کا یہ کام تھا۔ کہ اراضی کی جمعبندی آب پاشی کے مختلف وسائل کے لحاظ سے کرے۔ زمین کی پیداوار کا وہ حصہ جو سلطنت کو "مالگذاری" یا شاہی لگان کے طور پر ادا کیا جاتا تھا۔ عموماً چوتھائی ہوا کرتا تھا۔ اور محصول آب کے طور پر بھی اسی کے قریب قریب یعنے پانچویں حصے سے تیسرے حصے تک ان کو ادا کرنا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے ابواب بھی ان پر لگائے جاتے تھے۔ ان سب کو ادا کرنے کے بعد مصنوعی طور پر سیراب کی ہوئی زمین کے کاشت کار کے پاس بمشکل اس کی کھیت کی پیداوار کا آدھا حصہ رہ جاتا تھا ؎

نذرانے

اس کے علاوہ خاص خاص موقعوں پر تمام رعایا برایا کا یہ فرض تصور کیا گیا تھا کہ وہ بادشاہ کی خدمت میں نذرانے گذرانیں۔ ان نذرانوں کو بادشاہ اپنی سمجھ سے جب چاہے عائد کر دیتا تھا۔ وہ تجاویز جن کے ذریعے اور وسیلے سے ایک نادار بادشاہ اپنی رعایا سے روپیہ وصول کر سکتا تھا اپنی نوعیت میں مکاولی کی تجاویز سے کسی صورت میں کم نہیں۔ کشمیر کی تاریخ میں ایسی بہت ہی افسوس ناک مثالیں ملتی ہیں جن میں

؎ باب ۲۔ فصل ۸ ؎

؎ باب ۲۔ فصل ۲۴ ؎

مصنف موصوف کے اصول پر عمل کیا گیا ہے ؏

اعزازات کی فروخت۔ موجودہ زمانے کے ماہر مالیات کچھ بہت اس بات کے خلاف نہیں پائے جاتے کہ "دولتمندوں پر نہایت بھاری بھاری محصول لگا لگاکر غریب کر دیا جائے۔ یا کوئی ایسی ترکیب کی جائے وہ ان سے ان کے جمع کئے ہوئے مال کو اگلوا لینے میں کامیاب ہوں[1]"۔ اسی طرح اعزازات کے فروخت کا طریقہ بھی یورپ میں بالکل غیر معلوم نہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار اس صاف گوئی سے نہیں کرتے جتنا کہ چانکیا نے کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:-

دولتمند اشخاص سے یہ درخواست کی جائے کہ وہ اپنی دولت میں سے جتنا ہو سکے بادشاہ کو دے دیں۔ وہ لوگ جو خود بخود یا کسی رفاہ عام کی خاطر بادشاہ کی خدمت میں اپنا روپیہ پیش کریں۔ ان کو دربار میں کوئی نہ کوئی مرتبہ یا عہدہ دے دیا جائے۔ جیسے کہ ایک چتر۔ یا پگڑی۔ اور یا اسی قسم کا کوئی اور زیور جو ان کے روپے کے بدلے میں دیا جائے[2] ؏

فروخت پر محصول قلعہ دار شہروں میں جیسا کہ مگاس تھنیز نے بیان کیا شاہی محاصل کا بڑا حصہ فروخت پر محصول لگانے سے وصول ہوتا تھا۔ پبلک آمدنی کی اہم مد کے جمع کرنے میں آسانی پیدا کرنے کے لئے یہ قاعدہ کلی مقرر کر دیا گیا تھا۔ کہ چیزیں اسی جگہ جہاں وہ پیدا ہوں یا تیار کی جائیں فروخت نہ ہوں[3]۔ قانون کے مطابق تمام قابل فروخت اشیا (سوا غلہ۔ مویشی اور چند اور چیزوں کے) شہر کے دروازے کے قریب ایک بازار میں

---

[1] باب ۴۔ فصل ۳ ؏

[2] باب ۵۔ فصل ۲ (انڈین انٹی کویری ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۶۱) ؏

[3] باب ۲۔ فصل ۲۲ ؏

لائی جاتی تھیں - اور وہاں اگر وہ فروخت ہو جائیں، تو ان پر محصول وصول کیا جاتا تھا۔ محصول اسی وقت لگایا جاتا تھا کہ بیع قطعی واقع ہو جائے - اس کی شرحیں بہت مختلف تھیں - بیرونی ممالک سے مال کی درآمد پر سات قسم کا محصول لگایا جاتا تھا - اور یہ بہ ہیئت مجموعی بیس فی صدی ہو جاتا تھا - خراب ہو جانے والی اشیا (جیسے میوے یا ترکاریوں) پر قیمت کا چھٹا حصہ یا ۱۶ $\frac{2}{3}$ فی صدی کے حساب سے لگایا جاتا تھا - اسی طرح اور قسم کی اشیا پر محصول کی شرح ۴ سے ۱۰ فیصدی تک تھی - نہایت بیش بہا چیزیں جیسے جواہرات پر خاص شرح لگائی جاتی تھی جس کو ماہرین فن مقرر کرتے تھے - تمام ان اشیا پر جو قابل فروخت ہوں سرکاری طور پر مہر کی جاتی تھی[51]۔

اعداد و شمار پیدائش و اموات کے اعداد و شمار محفوظ رکھنے کے متعلق یونانی بیانات کی تصدیق ان قواعد سے ہوتی ہے جن کی رو سے ناگرک (یعنے کوتوال شہر) کے لئے لازمی تھا کہ اپنے علاقے کے آیند و روند کے اعداد و شمار کو محفوظ رکھے - اس کا یہ فرض تھا کہ مردم شماری کا بیان بالکل درست رکھے جس میں ہر ایک باشندۂ شہر کی جنس - ذات - نام - خاندانی نام - پیشہ - آمدنی - خرچ اور مقبوضہ مویشیوں کی تعداد کے متعلق مفصل اطلاع مندرج ہو - قواعد مالیات کی خلاف ورزی کرنے کی سزا عام طور پر جائداد کی ضبطی یا جرمانہ ہوا کرتا تھا - مگر دیدہ و دانستہ جھوٹے بیانات بنانے والا اسی سزا کا مستوجب ہوتا جو چوری کے لئے مقرر تھی - اور یہ سزا موت تک ہو سکتی تھی[52]۔

آبکاری کا محصول آبکاری کے اجازت ناموں کا باقاعدہ اور باضابطہ انتظام تھا - بیرونی ممالک کی شراب پر خاص شرحوں سے محصول لگایا جاتا تھا - ان میں کپس یا افغانستان کی شرابیں بھی شامل تھیں -

---

[51] باب ۲ فصل ۲۱-۲۲ - بعد کے زمانے اور غالباً موریا خاندان کے زمانے میں عام طور پر یہ مہر سیندور سے لگائی جاتی تھی۔
[52] باب ۲ فصل ۳۵-۳۶۔

شرابخواری کے موجودہ مصلحین کو شاید مندرجہ قواعد وضوابط بہت ناگوار گذریں گے :-

"شرابخانوں میں متعدد کمرے ہونے چاہئیں اور وہ کرسیوں اور نشستوں سے آراستہ ہونے چاہئیں۔ شرابخانوں میں موسم کی تبدیلی کے لحاظ سے تمام آسایش کی چیزیں ہونی چاہئیں۔ اور پھولوں کے ہار۔ خوشبوئیں اور عطریات ان میں ہر وقت مہیّا رہنے چاہئیں[1]"

ضابطۂ تعزیرات مصنف کہتا ہے کہ سیاست مدن کی تعریف دوسرے الفاظ میں "فن سزا" کی جاسکتی ہے۔ اسی وجہ سے ضابطۂ تعزیرات نہایت ہی سخت تھا۔ اس کتاب میں ان معاملات کی تفصیل سے یونانی بیانات کی ایک حد تک تصدیق ہوتی ہے۔ سزا کی سختی کی مثال کے طور پر صرف یہ بیان کر دینا کافی ہوگا کہ کسی سرکاری عامل سے اگر ۸ سے لے کر ۱۰ پنے تک کی چوری سرزد ہو تو اس کی سزا موت تھی۔ اور غیر سرکاری آدمی سے اگر ۴۰ سے لے کر ۵۰ پنے تک کی چوری کی بھی یہی سزا تھی[2]

قانونی تعذیب اقبال جرم کرانے کے لئے تعذیب کے عمل کو تسلیم کیا جاتا تھا۔ اور اُسے کھلّم کھلّا استعمال کرتے تھے۔ اس کے متعلق بہت سے نکروہ قواعد اس میں مذکور ہیں۔ عام اصول یہ تھا کہ "وہ لوگ جن کے متعلق یقین ہو کہ وہ مجرم ہیں ان کی تعذیب ہونی چاہیئے"۔ اس کی اٹھارہ قسمیں تھیں اور ان میں سات قسم کی تازیانے ہی کی سزا تھی۔ بعض حالات میں اس آفت رسیدہ شخص کو "ان میں سے کسی ایک یا سب قسم کی تعذیب کی جاسکتی تھی"۔ عورتوں کی

[1] باب ۳۔ فصل ۲۵ ؎
[2] باب ۱۔ فصل ۴ ؎

تعذیب کے متعلق یہ فرض کیا جاتا تھا کہ ان کو مردوں سے آدھی تعذیب کرنی چاہیئے[1]۔ اس زمانے میں بھی پولیس کے ہر ایک ہندوستانی جوان کا یہ عقیدہ ہے کہ تحقیق و تفتیش کا اصلی مقصد یہ ہے کہ مجرم سے اقبال جرم کرالے اور اس کے خیال میں اقبال کرانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ وہ اس کو تعذیب کرے۔

چانکیا کا تعزیرات نہ صرف تعذیب اور معمولی جرائم کے سنگین سزا ہی تجویز کرتا ہے۔ بلکہ بہت سے جرائم کے لئے اس نے قطع اعضا بھی تجویز کیا ہے۔

ارتھ شاستر ایک عملی کتاب ہے۔

اگرچہ اکثر حیرت انگیز اور دلچسپ تفصیلیں ضرورۃً قلم انداز کردی گئی ہیں۔ مگر امید ہے کہ مندرجۂ بالا خلاصے سے ناظرین کو بخوبی ان اصولوں کا صحیح اندازہ ہوگیا ہوگا جن پر کہ سکندر اعظم کے زمانے میں شمالی ہند کی چھوٹی چھوٹی مملکتوں کا نظم و نسق قائم تھا۔ اگرچہ چانکیا کی کتاب میں بہت سے قواعد ایسے ہیں جو محض تماشا معلوم ہوتے ہیں اور محض قیاسات پر قائم ہیں مگر پھر بھی یہ یقینی ہے کہ اس کتاب کا اصلی مقصد یہ ہے کہ اس کے قواعد و ضوابط نظم و نسق کے لئے کام میں لائے جائیں۔ اور ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو کتاب مطالعے کے قابل ہے منو کی کتاب یا دوسری دھرم شاستروں میں برہمنوں کی اعلیٰ درجے کی تعلیم مضمر ہے۔ مگر چندرا گپتا کے وزیر نے اپنی کتاب میں ان تعلیمات سے بالکل سروکار نہیں رکھا بلکہ بالکل صریح اور صاف طور پر چوتھی صدی قبل مسیح کے راجاؤں اور ان کے برہمن مشیروں کی بد اخلاقیوں کا مرقع ہمارے سامنے رکھدیا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ کوئی بڑی سلطنت[2] ایسی قائم نہیں ہوئی تھی جو تقریباً تمام ہندوستان پر حاوی ہو جائے۔

---

[1] باب ۴۔ فصل ۸۔

[2] دیکھو ضمیمہ خ۔

چندراگپتا کی کامیابی۔

چندراگپتا جوانی کے عالم میں تخت پر بیٹھا اور کیونکہ اس نے صرف چوبیس برس حکومت کی اس لئے جس وقت وہ تخت و تاج سے دست بردار ہوا یا مر گیا اس کی عمر زیادہ سے زیادہ صرف پچاس کی ہوگی[1]۔ اپنی زندگی کے اس تھوڑے سے زمانے میں اس نے بڑے بڑے کام کئے مقدونی فوجوں کو ہندوستان سے نکالنا۔ سائلوکس فاتح کو کامل شکست دے کے ملک سے نکال دینا۔ کم سے کم ایک طرف سے لے کر دوسری طرف تک تمام شمالی ہند کو زیر کرنا۔ ایک زبردست فوج تیار کرنا۔ اور ایک عظیم الشان اور وسیع سلطنت کا کامل نظم و نسق، یہ تمام کارنامے ایسے ہیں جو کسی طرح بھی بے وقعت نہیں ہو سکتے۔ چندراگپتا کی طاقت ایسی مستحکم ہو چکی تھی کہ وہ نہایت امن و اماں کے ساتھ اس کے بیٹے اور پوتے تک منتقل ہو گئی۔ اور یونانی بادشاہوں نے اس سے اتحاد و ارتباط کی خواہش کی یونانیوں نے سکندر اعظم اور سائلوکس کے ہندوستانی حملوں کی یاد کو پھر کبھی تازہ نہ کیا۔ اور صرف اسی پر کفایت کی کہ اس کے بادشاہوں کے ساتھ تین پشتوں تک

---

[1] جب وہ ۳۲۶ یا ۳۲۵ ق م میں سکندر سے ملا تو وہ نہایت کم عمر تھا۔ (پلوٹارک کی الکزنڈر۔ باب ۶۲)۔

"یہ چندراگپتا جو ابھی بالکل ہی جوان تھا دفعتہً ایک بڑی مملکت کا بادشاہ ہو گیا۔ اور ہزاروں محکوموں پر حکومت کرنے لگا" (مدراراکشس ایکٹ ۷۔ ولسن کا صفحہ ۲۴۹)۔ ٹرنر اور وجی سنہا کے مہاونس کے ترجموں میں جو یہ بیان پایا جاتا ہے کہ چندراگپتا نے چونتیس ۳۴ برس حکومت کی یہ کاتب کی غلطی ہے (دیکھو رہیس ڈیوڈس کی کتاب اینشنٹ کائنز اینڈ میژرمس آف سیلون۔ صفحہ ۴۱)۔ گیگر کے ترجمے میں باب ۵ صحیح طور پر چوبیس ۲۴ برس کا ذکر ہے۔ اس معاملہ میں چونکہ بدھ مذہب اور برہمنوں کے اسناد متفق ہیں۔ اس لئے اس میں شک کی گنجایش نہ سمجھنا چاہئے"۔

دوستانہ مصلحتی اور تجارتی تعلقات قائم رکھے[۱۵]۔

یونانی اثرات کی عدم موجودگی۔

جیسا کہ بعض مصنفین کا خیال ہے موریا سلطنت کسی صورت سے بھی سکندر اعظم کی عالیشان ناپائدار فوجی مہم کا نتیجہ نہ تھی۔ انیس مہینے جو اس کو ہندوستان میں گذرے تمامتر تباہ کن جنگلوں کی نذر ہو گئے۔ اور اس کی موت کی وجہ سے اس کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ اور چندراگپتا کو ضرورت نہ تھی کہ وہ سلطنت کے مفہوم کو سکندر کی مثال سے حاصل کرے۔ اس کے اور اس کے ہم وطنوں کی نظروں کے سامنے ایران کی کیانی سلطنت کا عظیم الشان کارخانہ موجود تھا۔ اور یہی وہ سلطنت تھی جس نے ان لوگوں کے دل و دماغ پر اثر کیا تھا۔ اُنھوں نے اسی کے نمونے پر اپنی سلطنت کے آئین کو بنایا جس حد تک کہ وہ خالص ہندی نہ تھے۔ چندراگپتا کے دربار اور انتظام میں جہاں کہیں غیر ممالک کے اثر کا شائبہ جن کا ذکر ہماری متفرق اسنادیں ہے پایا جاتا ہے وہ یونانی نہیں بلکہ ایرانی ہیں۔ صوبہ دار کے لئے ستریپ کا ایرانی خطاب ایک بڑی مدت یعنے چوتھی صدی عیسوی کے آخر تک ہندوستان میں مروج رہا[۱۶]۔

۱۵ چندراگپتا کے سائلوکس کے پاس زود اثر قوت مردی کی دوائیں بھیجنے کے عجیب و غریب قصے کیلئے دیکھو فیلارکس۔ اور اپولونئس وسکولوس جولر کی کتاب "فرگمنٹا۔ ہسٹاریکورم گریکورم" جلد اول صفحہ ۳۴۴ میں منقول ہے۔

۱۶ سوراشٹر (یعنے کاٹھیاوار) مغربی ہند میں سک قوم کے ستریپ کو آخر میں چندرگپت (ثانی) نے بکرماجیت ۳۹۰ء میں فتح کیا۔ دیکھو "پرشین انفلوائنس آن موریا انڈیا" (انڈین انٹی کویری ۱۹۰۵ء۔ صفحہ ۲۰۱۔ اس محب وطن ہندو نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ چندراگپتا کو نمونے کی خاطر ایران تک جانے کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ اس کے لئے رامائن میں دسرتھ ہی کی کہانی کافی تھی۔

ہندوستان کا فوجی نظام۔

چندراگپتا کے فوجی نظام میں بھی کوئی یونانی اثر نہیں پایا جاتا۔ یہ مبنی ہے اسی قدیم ہندی نمونے پر۔ اس کی عظیم الشان فوج محض ایک ترقی یافتہ صورت اس عظیم فوج کی تھی جو کسی زمانے میں مگدھ میں موجود تھی۔ ہندی بادشاہ عموماً فتح کے لئے زیادہ تر اپنے ہاتھیوں پر اعتماد کرتے تھے۔ ان سے اتر کر جنگی رتھوں اور پیادہ فوج کی کثرت پر سوار فوج نسبتاً تعداد میں کم اور بیکار ہوتی تھی۔ اس کے خلاف سکندر نے نہ ہاتھیوں سے کام لیا اور نہ رتھوں سے بلکہ اس نے تمام انحصار نہایت ہی اعلیٰ درجے کے قواعد داں رسالے پر کیا۔ جن کو وہ نہایت ہنرمندی اور جلادت سے کام میں لاتا تھا۔ خاندان سائلوکس کے بادشاہ بھی ایشیائی طریقے پر کاربند ہوئے اور اسی پر قناعت کی اور ہاتھیوں پر بھروسہ کرنے لگے[1]۔

چندراگپتا کی تخت سے دست برداری

جین روایات بیان کرتی ہیں کہ چندراگپتا موریا مذہباً جین تھا۔ اور اس موقعہ پر جب بارہ سال علی الاتصال قحط پڑا تو وہ تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا۔ اور جین کے ایک بزرگ بھدرا باہو کے ہمراہ جنوبی ہند کی طرف چلا گیا۔ اور سنیاسی کی حیثیت سے موجودہ ریاست میسور کے سراون بلگول مقام پر رہتا رہا۔ بالآخر اسی جگہ جہاں اب بھی اس کا نام یادگار ہے فاقہ کر کے جان دے دی۔ اس کتاب کی دوسری ایڈیشن میں میں نے اس روایت کو بالکل رد کر دیا تھا۔ اور اس کے متعلق کہا تھا کہ یہ "محض خیالی تاریخ ہے"۔ مگر اب دوبارہ تمام اسناد اور ان تمام اعتراضات پر جو اس حکایت کی صداقت کے متعلق کئے جاتے ہیں غور کرنے کے بعد میرا یہ خیال ہے کہ غالباً یہ روایت ایک حد تک صحیح ہے۔ اور درحقیقت چندراگپتا تخت سے دست بردار ہوا تھا۔ اور جین سنیاسی ہو گیا تھا۔ تمام

---

[1] دیکھو بیون کی کتاب "ہاؤس آف سائلوکس" جلد دوم صفحہ ۲۸۹۔

روایتوں کے بیان اس قسم کے اور بیانات کی طرح بلاشک وشبہ قابل تنقید ہوتے ہیں۔ اور نوشتے اور تحریری سندیں واقعی ثبوت کے لئے کافی نہیں۔ لیکن پھر بھی میرا اس وقت قیاس ہے کہ یہ روایت یقیناً صحیح واقعے پر مبنی ہے[1]؛

۲۹۸ سنہ ق م بندسار۔

جب چندراگپتا ۲۹۸ سنہ ق م میں تخت سے دست بردار ہوگیا یا مر گیا۔ تو اس کا بیٹا بندسار اس کا جانشین ہوا۔ مگر یونانی مصنف اس نام سے بالکل ناواقف ہیں۔ اور چندراگپتا کے جانشین کے ناموں کو وہ ایسے یونانی الفاظ میں ادا کرتے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنسکرت لقب "امتراگھاٹ" (یعنی دشمن کش) کا ترجمہ کرنا چاہتے ہوں[2]۔ ہندوستان اور یونان کی

---

[1] مسٹر لیوس رائس نے نہایت زور شور سے اس روایت کی اپنی بعض کتابوں میں تصدیق کی ہے۔ ان میں سے آخری کتاب "میسور اینڈ کرگ فرام دی انسکرپشنز" ہے مطبوعہ سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۰۹۔ ڈاکٹر فلیٹ اس کے برخلاف اس کی اس روایت کے غلط ہونے پر مصر ہے۔ اور اپنے خیالات کا اظہار "انڈین انٹی کویری" جلد ۲۱۔ (سنہ ۱۸۹۲) صفحہ ۲۸۷۔ ایپی گریفیکا انڈیکا جلد ۳ صفحہ ۱۷۱ لوٹ میں اور چند مرتبہ جے۔ آر۔ اے۔ ایس میں کیا ہے؛

[2] موریا خاندان کے متعلق سنین کے لئے دیکھو "اشوکا۔ دی بدھسٹ امپرر آف انڈیا" (کلیرنڈن پریس۔ دوسری ایڈیشن سنہ ۱۹۰۹ء) صفحہ ۷۲ - ۷۳۔ بندسار کا نام ہندوؤں کے "وشنو پران" جینوں کی "پری سشٹپرون" اور بدھ مذہب کی "مہاومس" اور "دیپاومس" میں پایا جاتا ہے۔ دوسری پرانوں میں اس نام کے متعلق جو اختلاف ہے وہ محض کاتب کی غلطی پر مبنی ہے۔ سٹریبو کے بعض نسخوں میں "ایلی ٹروگیڈیس" بھی پایا جاتا ہے۔ مگر یہ بھی نام کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ اتھینوس نے جو نام لکھا ہے وہ غالباً سنسکرت لفظ کے ترجمہ کرنے کی کوشش ہے۔ ہندوستان کے بادشاہ اکثر ایک سے زیادہ ناموں سے موسوم ہوتے ہیں؛

طاقتوں میں وہ دوستانہ تعلقات جو چندر اگپتا اور سائلوکس کے زمانے میں پیدا ہوئے اس کے بیٹے بندسار کے عہد میں برابر جاری رہے۔ اس کے دربار میں بجائے مگاس تھنیز کے ڈیمکاس سفیر کے طور پر رہا۔ اس سفیر نے بھی اپنے پیشرو کی پیروی کی اور اس ملک کے حالات برابر لکھتا رہا۔ مگر بدقسمتی سے اس کے لکھے ہوئے حالات بہت ہی کم ہم تک پہنچے ہیں۔ جب خاندان سائلوکس کا معمر بانی سنہ ۲۸۰ قم میں قتل کیا گیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا انٹی آکس سوٹر تخت نشین ہوا تو وہ ہندوستان کے متعلق اپنے باپ کی مصلحت پر کاربند رہا۔

انٹی آکس سوٹر سے خط و کتابت۔

بندوسار اور انٹی آکس کے درمیان خط و کتابت کی حکایت اگرچہ بذات خود بالکل فضول ہے۔ مگر اس وجہ سے قابل نقل ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے راجہ اور اس کے مغربی ایشیا کے متحد بادشاہ میں کس طرح بے تکلفی سے خط و کتابت ہوتی تھی۔ بندسار سے یہ کہا گیا کہ انجیر سے زیادہ کوئی چیز شیریں نہیں ہوتی۔ چنانچہ بندسار نے اپنے دوست کو لکھا کہ وہ اس کے لئے کچھ تھوڑی انجیر اور کشمش کی شراب روانہ کردے۔ اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ وہ ایک ماہر فن معلم بھی خرید کر ساتھ کردے۔ انٹی آکس نے اس خط کا یہ جواب دیا کہ وہ نہایت خوشی سے انجیر اور کشمش کی شراب روانہ کرتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ وہ دوسری چیز روانہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یونانیوں کے ہاں ماہر فن معلم کا فروخت کرنا قانوناً ناجائز ہے۔

ڈیونی سئاس کی سفارت۔

ٹولمی فلیڈلفس جس نے مصر پر سنہ ۲۸۵ سے سنہ ۲۴۷ قم تک حکومت کی اُس نے بھی ایک سفیر ڈیونی سئاس نام ہندوستان کے بادشاہ کے دربار میں روانہ کیا۔ اس نے بھی اور سفیروں کی طرح اپنے تجربوں کو قلمبند کیا۔ یہ پہلی صدی عیسوی میں موجود تھا۔ اور پلینی نے اس کے بیانات سے استفادہ کیا ہے[1]۔ یہ بات یقینی نہیں کہ

[1] پلینی کی ہسٹری نٹ (۶) - جلد چہارم صفحہ ۱۷ (۶) پلینی کی کتاب کے متعلق خیال ہے کہ وہ

ڈیونی سئاس نے اپنی اسناد سفارت بندسار کے دربار میں پیش کیں یا اشوک کے دربار میں؛

فتح دکن - بندسار کی اندرونی پالیسی کے متعلق بالکل کچھ مواد نہیں ملتا۔ (جس کی حکومت ۲۵ یا ۲۸ برس تک رہی)۔ اور نہ اس کے زمانے کی کوئی عمارت یا کتبہ اب تک دریافت ہوا۔ گمان غالب یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کے قدم بقدم چلتا رہا۔ اور ہندوستان کی حدود کے اندر اندر الحاق اور فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ بندسار کے بیٹے اور جانشین راجہ اشوک کی مملکت کے حدود کافی صحت کے ساتھ معلوم نہیں۔ اور یہ یقینی ہے کہ اس کی سلطنت جس میں نیم خودمختار زیر حمایت ریاستیں بھی شامل تھیں تقریباً ضلع نلور ۱۴° - ۲۷° شمال کی عرض بلد تک پہنچی تھی[1]۔ دریائے نربدا کے جنوب کا علاقہ اشوک کی فتوحات سے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس نے صرف کلنگ کے علاقے کو جو خلیج بنگالہ کے ساحل پر واقع تھا فتح کیا تھا۔ اور یقیناً یہ فتح ابتدائی زمانے میں ہوئی ہوگی جس کی اطلاع ہم تک نہیں پہنچی۔ خود چندرا گپتا کی چوبیس سالہ حکومت کے زمانے کے متعلق ہم کو ان واقعات سے جو اس میں واقع ہوئے پوری واقفیت ہے۔ اور وہ ان واقعات میں بالکل مصروف معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ وہ گمنامی سے بادشاہت تک پہنچے۔

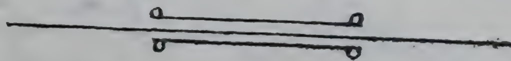
بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ ۱۸۷۷ء میں شائع ہوئی تھی؛

[1] مسٹر رائس کے خیال کے مطابق میسور میں تعلقہ شکارپور کے گاؤں بندن میں بارھویں صدی عیسوی کا ایک کتبہ پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کُنتلا موریا خاندان کا صوبہ تھا۔ یہ غالباً دریائے بھیما دیداوتی کے درمیان کا علاقہ ہوگا۔ اس کے شمال میں گھاٹ تھے۔ اور اس میں شموگا۔ چتیل درگ۔ بلاری۔ دھرور۔ بیجاپور۔ اور متصل احاطۂ بمبئی۔ اور سلطنت آصفیہ کے شمالی علاقے شامل ہوں گے (میسور گزیٹیر ۱۸۹۷ء جلد اول صفحہ ۲۸۹)؛

مقدونی افواج کو پسپا کرنے ۔ پاٹلی پتر ایس انقلاب برپا کر کے ایک شاہی خاندان کی بنیاد ڈالنے آریانہ پر قبضہ کرنے ۔ اور اپنی سلطنت کو خلیج بنگال سے بحیرۂ عرب تک وسعت دینے کے علاوہ اس کو اتنا وقت اور بھی ملا ہو کہ وہ کچھ اور کام انجام دے سکے ؛

غالباً یہ فتح بند سار کے ہاتھ پر ہوئی ۔

دکن یا جزیرہ نمائے ہند نلور کے عرض بلد تک اس حالت میں ضرور یا چندر اگپتا یا بند سار کے ہاتھوں فتح ہوا ہوگا ۔ کیونکہ اشوک کو یہ علاقہ اپنے باپ سے ترکے میں ملا تھا ۔ اور اس کی صرف ایک ہی جنگ یعنے فتح کلنگ کا تذکرہ ملتا ہے ۔ اور اغلب یہ ہے کہ یہ کام بند سار کا تھا ۔ اور اس کے باپ چندر اگپتا نے اپنی مشغولیت کی وجہ سے اسے نہ کیا ہوگا[1] ۔ لیکن چندر اگپتا کی تمام زندگی کے کارنامے جو اب تک معلوم ہوئے ہیں ایسے تعجب خیز ہیں اور اس کی طاقت ایسی حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے کہ یہ ممکن ہے کہ جنوب کی فتح بھی اُس کے فتوحات کی فہرست میں شامل کر دی جائے ۔ اس نگاہ غلط انداز کے ساتھ بند سار کی شخصیت سائے کی طرح ہماری نظر سے ہمیشہ کے لئے غائب ہو جاتی ہے ۔ آیندہ دو باب تمامتر راجہ اشوک کی تاریخ کے نذر ہوں گے جو واقعی طور پر نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے سب سے بڑے اور نامور بادشاہوں کی صف میں جگہ پانے کا ادعا کرتا ہے ؛



[1] تارناتھ (شیفنر صفحہ ۸۹) نے مشرقی اور مغربی سمندروں کے درمیان کے علاقے کی فتح بند سار اور چانکیا کے ساتھ منسوب کی ہے ۔ ۱۲ ؛

ضمیمۂ ح

سائلوکس نکیٹر کے مفوضہ ملک ایریانہ کے حدود

کتاب کے متن کا بیان کہ سائلوکس نیکیٹر نے ۳۰۳ ق م میں جو علاقہ چندراگپتا موریا کو تفویض کیا اس میں درحقیقت پیروپنی سڈی (کابل)- ایریہ (ہرات) - اراکوسیہ (قندھار)- اور غالباً گدروسیہ (مکران) یا اس صوبے کا بہت بڑا حصہ شامل تھا- میری کتاب راجہ اشوک کے مطابق[1] اور ڈرائسن- اور اور دوسرے مشہور و معروف علماء کے بیانات پر مبنی ہے؛

اس پر مسٹر بیون کی نکتہ چینی مگر مسٹر بیون نے میرے اس بیان تک کی مخالفانہ نکتہ چینی کی ہے- اس کا خیال ہے کہ "یہ بیان ثبوت کا تو کیا ذکر قرین قیاس ہونے کی حد سے بھی گرا ہوا ہے[2]"- اس لئے یہ ثابت کر دینا ضرور ہے کہ اس واقعے کے بہت مستحکم دلائل موجود ہیں- اس کے متعلق اصلی اسناد پانچ ہیں- سٹریبو (اس کی صرف دو عبارتیں ہیں)- اپین- پلوٹارک- جسٹن- اور پلینی- اور کیونکہ متنازعہ فیہ عبارتیں نہایت مختصر ہیں

---

[1] اشوکا- دی بدھسٹ امپرر آف انڈیا" دوسری ایڈیشن صفحہ ۱۵؛

[2] "مسٹر وی- اے- سمتھ (اشوکا صفحہ ۶۶) سٹریبو کی عبارت نقل کرتا ہے کہ سائلوکس نے آریانہ کا بڑا علاقہ اس کے تفویض کر دیا- مگر اس کا سٹریبو نے کہیں ذکر نہیں کیا- اراکوسیہ- کابل- اور یہاں تک کہ گدروسیہ کا علاقہ بھی ہندی راجہ کے حوالے کرنے میں مسٹر سمتھ کے ثبوت کا تو کیا ذکر قرین قیاس ہونے کی حد سے بھی زیادہ ہے ۱۲؛

اس لئے ان کو ہو بہو نقل ہی کر دیا جائے تو بہتر ہے تاکہ ہر ایک شخص ان کو دیکھ کر خود نتائج اخذ کر سکے۔ موجودہ مصنفوں نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ سب انہی عبارتوں پر مبنی ہے؛

سٹر بیو کے قول کی تشریح۔

یہی وہ عبارتیں ہیں جس میں اس مضمون کی بلاواسطہ شہادت شامل ہے۔ میرے نزدیک یہ بالکل بدیہی ہے کہ سٹر بیو کے دونوں بیان ایک ہی واقعے کے متعلق ہیں۔ اور جب وہ یہ کہتا ہے کہ مقدونیوں نے ہندیوں کو "آریانہ کا ایک بڑا حصہ دے دیا" جو سکندر کے زمانے تک ایرانیوں کے قبضے میں تھا تو وہ مختصراً دریائے سندھ کے مغرب میں ان علاقوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ایرانیوں کے قبضے میں تھے۔ اور جیسا کہ دوسرے بیان میں خصوصیت سے ذکر ہے یہی علاقہ سائلوکس نے چندراگپتا کو دیا تھا۔ میرے خیال میں اس بیان کے متعلق بحث کی کوئی وجہ نہیں رہ جاتی کہ "سٹر بیو نے کہا ہے کہ آریانہ کا بڑی علاقہ تفویض کیا گیا۔ اور اگر اس کے دونوں بیانوں کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کی صحت پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا؛

دیگر اسناد

اپیئن۔ پلوٹارک۔ اور جسٹن کے بیانات میں خاص طور پر اس علاقۂ مفوضہ کے حدود اور وسعت پر بحث نہیں ہے۔ مگر وہ اس وجہ سے قابل قدر ہیں کہ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سائلوکس نے واقعی دریائے سندھ کو عبور کیا۔ ایک ناکام جنگ شروع کی اور آخر مجبوراً اپنے دشمن سے ایسے شرائط پر صلح کی جو دشمن کے لئے مفید مطلب تھیں۔ اور اس کے لئے مضر تھیں؛

چار ستراپیاں

پلنی کا یہ بیاں کہ اکثر مصنف گدروسیہ۔ اراکوسیہ۔ آریہ۔ پیروپنی سیڈی چاروں صوبوں کو ہندوستان میں شامل کرتے ہیں۔ ضرور اس بات پر مبنی ہے۔ ۷۷ء یعنی اس کی کتاب کے سال اشاعت سے قبل کسی زمانے میں یہ چار صوبے حقیقت میں ہندوستان میں شمار ہوتے ہوں گے۔ اور یہ کس طرح ممکن ہے کہ اسی خاندان موریا کے

زمانے کے سوا یہ صوبے کبھی ہندوستان میں شامل رہے ہوں۔ پلنی کا تمامتر علم مگاس تھنیز اور سائلوکس۔ چندراگپتا۔ اور سکندر کے دوسرے معاصرین کی کتابوں پر مبنی ہے۔ اور اس کے بیانات کی تشریح کرنے کے بعد ہم کو آپ سے آپ مان لینا پڑتا ہے کہ یہی چار صوبے "آریانہ کا بڑا علاقہ" تھا جو سائلوکس نے چندراگپتا کے حوالے کئے۔ کابل اور قندھار اکثر ہندی بادشاہوں کے قبضے میں رہے ہیں۔ اور یہ علاقہ ہندوستان کی قدرتی سرحد ہے۔ ہرات (آریہ) بلاشک وشبہ دور ہے۔ مگر وہ طاقت جس کے قبضے میں کابل اور قندھار ہو آسانی سے اس پر اپنا تصرف قائم رکھ سکتی ہے؟

گدروسیہ گدروسیہ کی سترابی (صوبہ) بہت مغرب کی طرف پھیلی ہوئی تھی۔ غالباً اس کے صرف مشرقی حصے پر چندراگپتا نے قبضہ کیا تھا۔ مالن کا سلسلۂ کوہ جس کے پار اترنے میں سکندر کو اتنی دقت پیش آئی ملک کی قدرتی سرحد تھا۔ خواہ گدروسیہ پر چندراگپتا نے براہ راست اپنا تسلط قائم کیا ہو یا نہ۔ مگر میرے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں کہ سائلوکس نے تمام صوبے اس کے حوالے کر دیئے تھے۔ اور بہت سے مصنفوں نے اس کو مع آریہ۔ اراکوسیہ پیروپنی سڈی کے ہندوستان میں شامل کر دیا تھا۔ کیونکہ سائلوکس کے سامنے انٹی گناس کو شکست دینے کا زیادہ اہم کام تھا اس لئے اس نے مجبور ہو کر ان چار سرحدی صوبوں کو جن کا تذکرہ پلنی نے کیا ہے چندراگپتا کے حوالے کر کے خود اپنی تمام طاقت کو وسطی اور مغربی ایشیا میں مجتمع کیا؟

ضمیمہ خ

آرتھ شاستر یا کوتلیا شاستر

متن کتاب کی دریافت۔

آرتھ ساستر کے متعلق تمام ضروری باتیں طولانی حاشیوں میں بیان کرنے کے بجائے یہ زیادہ مناسب ہے کہ ایک ضمیمہ ان کے لئے خاص کر دیا جائے۔

مقولات کے ایک مجموعے کا نام جو چندرا گپتا کے برہمن وزیر چانکیا۔ کوتلیا یا وشنو گپتا کی طرف منسوب ہیں بہت دنوں سے معلوم تھا (ویبر کی ہسٹری آف انڈین لٹریچر۔ ٹیونبر۔ صفحہ ۲۱۰)۔ مگر یہ کتاب آرتھ شاستر جس کا اکثر قدیم مصنفوں نے ذکر کیا ہے اور عبارتیں نقل کی ہیں۔ بالکل مفقود ہو گئی تھی۔ لیکن آخر مہاراجہ میسور کے کتب خانۂ علوم مشرقیہ کے فاضل ناظم مسٹر آر شام شاستری نے اس کو ضلع تنجور کے ایک پنڈت کے پاس قلمی نسخے کی صورت میں پایا۔ اور دنیا کو اس سے روشناس کیا۔[1] پنڈت موصوف نے نہایت مہربانی سے چند روز کے لئے اس کتاب کو مع ایک بٹا سوامی کی لکھی ہوئی شرح کے کتب خانے کے حوالے کیا۔ ۱۹۰۵ء میں جب مسٹر شام شاستری نے اس کے بعض انتخابات کا ترجمہ انڈین انٹی کویری میں شائع کیا تو لوگوں کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوئی۔ اور اسی کی وجہ سے میں نے بھی اس کتاب کی دوسری اڈیشن میں جو ۱۹۰۸ء کو شائع ہوئی گراں بہا اضافے کئے۔ اس واقعے کے بعد اس کتاب کے دو اور قلمی نسخے بھی دریافت ہوئے جن میں سے ایک تو میونک کے کتب خانے میں ہے اور دوسرا غالباً کلکتہ میں ہے۔

[1] اس دوران میں مسٹر شاستری کا تبادلہ بنگلور میں چامراجیندرا سنسکرت کالج کی صدارت پر ہو گیا ہے۔

مسٹر آر شام شاستری کا ترجمۂ کتاب۔

۱۹۰۵ء میں میری کتاب کی دوسری ایڈیشن کے شائع ہونے کے بعد بہت سے مشہور و معروف جرمن علماء نے چانکیا کی کتاب کو بغور مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اور مسٹر شام شاستری کو بھی اب جرأت ہوئی کہ سرسری ترجمہ پورا کر دیں۔ چنانچہ باوجود سخت مشکلوں کے انھوں نے اسے پورا کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے متن کتاب کو بھی طبع کرا دیا ہے۔ مگر بدقسمتی سے ان کا ترجمہ اس صورت میں شائع نہیں ہوا کہ بہ بلا دقت دستیاب ہو سکے۔ مگر جیسا کہ ذیل میں مندرج ہے۔ یہ ترجمہ کامل ضرور ہو چکا ہے ؛

(۱) تمہید و انتخابات :۔ انڈین انٹی کویری جلد ۳۴۔ (۱۹۰۵ء) صفحہ ۵۔ ۴۷۔ ۱۱۰۔ معہ حاشیہ جو اس دوسری ایڈیشن میں طبع نہیں ہوئے جس کا ذکر نمبر ۳۔ و ۴۔ میں آگے کیا جائے گا ؛

(۲) باب از (۱) تا (۴) :۔ میسور ریویو ۱۹۰۶ء۔ یہ سرسری ترجمے (یعنی نمبر (۱) و (۲) بعد کے بعد از نظر ثانی ترجموں کی وجہ سے بیکار ہو گئے ہیں ؛

(۳) چانکیا کی آرتھ شاستر۔ مترجمہ مسٹر آر۔ شام شاستری بی اے۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ حصۂ اول۔ باب ۱ و ۲۔ (۱۹۰۸ء۔ دی جی ٹی اے پریس میسور)۔

(۴) آرتھ شاستر آف چانکیا۔ مترجمۂ مسٹر آر۔ شام شاستری۔ بی اے۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ حصۂ دوم۔ ہندو قانون۔ باب ۳ و ۴۔ (میسور۔ صرف سرورق مطبوعہ کراؤن پریس) ؛

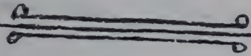
(۵) آرتھ شاستر آف چانکیا۔ باب ۵ یا ۱۵۔ مترجمہ شام شاستری۔ مندرجۂ ذیل ترتیب سے :۔

باب ۵ تا ۷۔ انڈین انٹی کویری جلد ۳۸ (۱۹۰۹ء) صفحہ ۲۵۷۔ ۲۷۷۔ ۳۰۳۔ باب ۷ تا ۱۵۔ ایضاً جلد ۳۹ (۱۹۱۰ء)۔ ۱۹۔ ۴۴۔ ۸۳۔ ۱۰۰۔ ۱۳۱۔ ۱۶۱ ؛

کتاب موریا زمانے کی ہی ہے۔

کتاب میں میرے حوالے تمامتر نمبر ۳-۴-۵ پر مبنی ہیں۔ جرمن علماء کی تحقیقات کی وجہ سے اب اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ آرتھ شاستر واقعی موریا زمانے کی ایک قدیم کتاب ہے۔ اور غالباً بالکل صحیح طور پر چانکیا سے منسوب ہے۔ یہ فیصلہ بہرحال اس امکان کو نظر انداز نہیں کرتا۔ بلکہ ممکن ہے کہ زمانۂ مابعد میں اس کتاب کے مضمون میں کمی بیشی ہوئی ہو۔ مگر یہ یقینی ہے کہ کتاب کا بڑا حصہ حقیقت میں موریا ہی کے زمانے کا ہے۔ میں نے اس کا ذکر پہلے ہی کر دیا ہے کہ اس میں موریا خاندان کے عہد سے عین اُس کے قبل زمانے کے حالات کا چربہ اتارا گیا ہے ؛

یہ کتاب ایک مدت تک علماء کی توجہ کو اکثر وجوہ سے اپنی طرف مبذول رکھے گی۔ جو کام مسٹر شام شاستری نے کیا ہے وہ محض ابتدائی۔ اور اس لحاظ سے اگرچہ قابل تعریف ہے۔ مگر تکمیل اور نظر ثانی کی اس میں بہت ضرورت ابھی باقی ہے ؛



باب ششم

اشوک موریا

اشوک کی ولیعہدی

معتبر روایتوں کے موافق اشوک وردھن یا اشوک (جس نام سے کہ وہ عموماً مشہور ہے) نے اپنے باپ بندسار کے عہد حکومت ہی میں اپنی ولیعہدی کا زمانہ اولاً شمال مغربی سرحدی صوبے اور بعد میں مغربی ہند کے نائب السلطنت کی حیثیت سے گذارا۔ اور اسی زمانے میں اس نے سرکاری کاروبار اور سیاست مدن کی عملی تعلیم حاصل کی۔ بندسار کے چند اور بیٹوں میں سے ایک بیٹا اشوک تھا۔ اور بلا شبہ اس کے باپ نے اس کو ہونہار اور جانشینی کے لایق پاکر اس کو اپنا ولیعہد یا یُوراجہ سے منتخب کیا۔

ٹکسلا

ٹکسلا جو شمالی مغربی صوبے کا مستقر تھا۔ جس میں غالباً کشمیر پنجاب اور دریائے سندھ کے مغربی علاقے بھی شامل تھے۔ اس زمانے میں مشرقی دنیا کے سب سے بڑے اور سب سے عالی شان شہروں سے تھا۔ اور اس کے علاوہ وہ خصوصاً ہندی علوم و فنون کے مرکز ہونے کے سبب سے بھی ممتاز تھا۔ آبادی کے تمام اعلیٰ طبقوں کے بچے۔ خواہ وہ برہمن ہوں۔ یا شہزادے یا سوداگر ٹکسلا میں اسی طرح جمع ہوتے تھے جس طرح کہ آجکل ایک یونیورسٹی کے شہر میں ہوتے ہیں۔ اور یہاں رہ کر وہ تمام ہندی علوم و فنون اور خصوصاً علم طب کی تحصیل کرتے تھے۔ اس مستقر صوبہ کے اردگرد کا علاقہ سرسبز و شاداب اور معمور تھا۔ اور صرف ساٹھ یا ستر برس قبل ایک خودمختار ریاست کے زیر نگین تھا جو اپنے ہمسایوں کے مقابلے میں کمزور ہو تو ہو

مگر اتنی طاقتور ضرور تھی کہ سکندر کو معتد بہ مدد پہنچا سکے۔ ؎

ٹکسلا کی رسوم و رواج

یونانی جو سکندر کے ساتھ آئے ان کا خیال تھا کہ ریاست پر بہت اچھی طرح حکومت ہوتی ہے۔ یہاں کے مقامی رسوم سے بھی انھوں نے بجائے ناراضگی کے دلچسپی کا اظہار کیا۔ ان رسوم میں تعدد ازدواج۔ مردوں کا کھلے میدانوں میں رکھا جانا کہ گدھ اُن کو کھالیں۔ اور ان لڑکیوں کا جن کو حسب رواج تلاش سے شوہر نہ ملا ہو کھلے بازاروں میں بکنا خاص طور پر بیان کرتے ہیں[۱]۔ ؎

شہر کی عمدہ جائے وقوع

یہ شہر چونکہ اس شاہراہ پر واقع تھا جو وسط ایشیا سے ہندوستان کے اندر جاتی تھی اس وجہ سے شمالی مغربی صوبے کے مستقر ہونے کے لئے خصوصیت کے ساتھ مناسب تھا۔ اس کے آثار کے قریب حسن ابدال شہر آجکل بھی ہندوستان کے فوجی اجتماع و تواعد کے لئے سب سے بہتر مقام شمار ہوتا ہے۔ اور یہیں سے جنوب مغرب میں چند میل کے فاصلے پر راولپنڈی کا مقام ایک زبردست چھاؤنی سکندر کے مثل شمال مغربی حملہ آوروں کی روک تھام کے لئے ہندوستان کے ناکے کی حفاظت کرتی ہے۔ ؎

اجین

مغربی ہند کا دارالسلطنت اجین بھی ایسا ہی مشہور و معروف شہر ہے۔ اور اسی کی مثل صوبہ دار کے مستقر کے لئے موزوں و مناسب تھا۔ یہ شہر ہندوستان کے سات متبرک شہروں میں

---

[۱] سٹربیو۔ باب ۱۵۔ فصل ۲۸ و ۶۲۔ شادی کے بازار کے متعلق شہر بابل کے دستور کا مقابلہ کرو۔ (ہیروڈوٹس باب ۱۔ فصل ۱۹۶)۔ گدھوں کے کھانے کیلئے مردوں کو کھلے میدانوں میں رکھ دینے کا دستور قدیم زمانے میں اور اب بھی ایرانیوں (پارسیوں) میں پایا جاتا ہے (ہیروڈوٹس باب ۱۔ فصل ۱۴۰)۔ اب تک تبت میں اس پر عمل ہوتا ہے۔ اور قدیم زمانے میں ویسالی کی لچھوی قوم میں بھی یہی رواج تھا۔ یہ قوم تبتی تھی اور یا ان ہی کے ہم نسل تھی۔ ۱۲ ؎

شمار ہوتا ہے۔ اور اس کے علاوہ اس شاہراہ پر واقع تھا۔ جہاں سے مغربی ہند کے بارونق بندرگاہوں سے اندر کی طرف راستہ جاتا تھا۔ اس طرح اس میں دو خوبیاں جمع ہو گئی تھیں۔ وہ جاترا کا مشہور مقام بھی تھا۔ اور تجارت کی منڈی بھی۔ یہ ہندی علم ہیئت کا مرکز تھا اور یہیں سے طول بلد کا شمار ہوتا تھا[1]؛

اشوک کی امن کے ساتھ تخت نشینی

لنکا کے ملک کی اس روایت کو کہ جس وقت اشوک نے اپنے باپ کے مرض الموت میں مبتلا ہونے کی خبر سنی اور دارالسلطنت میں طلب ہوا وہ اُس وقت اجین میں تھا۔ باور نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ مگر یہ روایت کہ اشوک کے سو بھائی تھے اور ان میں سے ننانوے کو قتل کرنے کے بعد اس نے تخت حاصل کیا قابل اعتبار نہیں۔ یہ بیہودہ قصہ معلوم ہوتا ہے کہ بھکشوؤں نے اس لیئے گھڑ لیئے ہیں کہ اشوک کے بودھ مت کو اختیار کرنے سے پہلے اس کے چال چلن کو نہایت کریہہ صورت میں پیش کریں۔ تاکہ اس کی آخری زندگی کی پرہیزگاری اور دینداری واضح تر ہو جائے۔ یقیناً اس کے عہد کے سترھویں یا اٹھارویں[2] برس اشوک کے بھائی بہن زندہ تھے۔ اور وہ ان کے خاندانوں کی خبرگیری بڑی تندہی اور محبت سے کیا کرتا تھا۔ یہ کہیں نہیں ظاہر ہوتا کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے کھٹکتا تھا۔ اس کا دادا چندرا گپتا جس نے ایک غریب جلاوطن کی حیثیت سے ترقی کر کے بزور شمشیر تخت و تاج حاصل کیا تھا قدرتی طور پر سازشوں اور دھڑابندیوں کا آماجگاہ رہا اور اسی وجہ سے اس کو شک اور بدگمانی سے زندگی بسر کرنی پڑی تھی۔ لیکن اشوک بادشاہ کے گھر میں پیدا ہوا۔ اور ایسی سلطنت اس کو ورثے میں ملی تھی جس کو پچاس برس کی مدت میں اس کے باپ اور دادا نے اپنے زور بازو سے

[1] دیکھو یُول اور برنل کی "گلاسری آف اینگلو انڈین ورڈس" میں مضمون "اجین"۔ Oojyne
[2] کتبوں کے مطابق "چودھویں" برس ہیں۔ یعنے اس کی تاجپوشی کی تاریخ سے شمار کر کے؛

مستحکم کیا تھا۔ اور اسی لیئے یہ فرض کر لینے کی وجہ ہے کہ اس کے ساتھ چندر اگپتا کی سی کوئی بدگمانی نہیں لگی ہوئی تھی۔ شروع سے لے کر آخر تک اس کے فرامین سے کوئی کمزوری یا خطرہ نہیں ظاہر ہوتا۔ اور غالبًا وہ اپنے باپ کے انتخاب کے بموجب امن وامان سے اس کے تخت و تاج کا مالک ہوا۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ شمالی ہند کی یہ روایت کہ جانشینی کے لیئے اس میں اور اس کے بڑے بھائی سوسیم کے مابین کوئی تنازع ہوا کسی واقعہ پر مبنی ہو۔ بظاہر لنکا کے بھکشوؤں کی حکایت کی بہ نسبت اس میں زیادہ تاریخی پہلو معلوم ہوتا ہے[۱]۔

۲۷۳ء یا ۲۷۲ء ق م تخت نشینی ۲۶۹ء ق م تاج پوشی

کیونکہ اشوک نے پورے چالیس برس حکومت کی اس لیئے جب ۲۷۳ء ق م یا اس کے قریب قریب اُس نے اس سلطنت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا جس کو اس کے دادا اور باپ نے حاصل کر کے مستحکم کیا تھا تو اس وقت وہ بالکل جوان آدمی ہوگا۔ اس کے شروع کے گیارہ یا بارہ برس کے عہد حکومت کا حال بالکل معلوم نہیں۔ اور ظن غالب یہ ہے کہ یہ زمانہ معمولی انتظامات سلطنت میں گذرا ہوگا۔ اس کی باقاعدہ تاجپوشی ۲۶۹ء ق م سے پہلے یعنے تخت نشینی سے چار سال بعد تک نہیں ہوئی۔ اور تقریبًا یہی ایک امر ہے جس سے اس خیال کو تقویت ہوتی ہے کہ اس کی تخت نشینی میں مزاحمت اور تنازع ہوا ہوگا۔ اس کی تاجپوشی کی سالگرہ ہمیشہ نہایت دھوم دھام سے منائی جاتی تھی۔ اور خصوصًا اس موقع پر قیدیوں کو معاف اور رہا کیا جاتا تھا[۲]۔

---

[۱] "اشوکا" دوسری ایڈیشن صفحہ ۲۲۳۔

[۲] جدول سنین کے لیئے دیکھو میری کتاب "اسوکا دی بدھسٹ امپرر آف انڈیا" (کلیرنڈن پریس دوسری ایڈیشن ۱۹۰۹ء)۔ اسی میں تمام روایات کا ملخص اور تمام کتبات کا کامل ترجمہ بھی درج ہے۔ اگرچہ بعض مقامات پر اس میں اصلاح کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے کہ سنین میں

۲۶۱ - جنگ کلنگ -

اس کی حکومت کے تیرھویں سال یا اگر تاجپوشی سے حساب لگایا جائے تو نویں برس اشوک نے اپنی تمام زندگی کی پہلی اور آخری جنگ کی تیاری کی جس کی تاریخ ہم تک پہنچی ہے۔ اور کلنگ کی سلطنت کی فتح اور الحاق سے اپنی سلطنت کو کامل کیا۔ کلنگ کا علاقہ خلیج بنگالہ کے ساحل پر دریائے مہاندی اور گوداوری کے درمیان واقع تھا۔ یہ مہم پورے طور پر کامیاب ثابت ہوئی۔ اور اس کے بعد سے کلنگ موریا سلطنت کا حصہ ہو گیا۔ چند سال مابعد کے دو خاص فرمانوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ نئے مفتوحہ علاقے کے انتظام میں راجہ کو بہت کچھ تردد کرنا پڑتا تھا۔ کیونکہ راجہ اشوک بھی اور بادشاہوں کی طرح کبھی کبھی اپنے ملازمین کے ہاتھوں تنگ ہو جاتا تھا۔ شاہی ہدایتیں یہ تھیں کہ مفتوحہ علاقے پر انصاف سے اس طرح حکمرانی کی جائے جس طرح باپ اپنی اولاد پر حکومت کرتا ہے۔ اور خصوصاً وہ اس بات پر مصر تھا کہ نیم وحشی اقوام کے ساتھ نہایت ہمدردانہ سلوک کیا جائے۔ مگر ان ہدایتوں کو اس کے عمال بعض اوقات نظر انداز کر دیتے تھے۔ اور اس کو تنبیہہ کرنی پڑتی تھی کہ شاہی احکام کی خلاف ورزی کرنے سے نہ وہ خدا کی نظر میں اور نہ اپنے بادشاہ کے سامنے سرخرو ہو سکتے ہیں ؛

جنگ کی آفات

کلنگ کی سلطنت کے پاس بہت بڑی فوج تھی۔ جس کا اندازہ مگاس تھینز نے (۶۰۰۰۰) پیادے (۱۰۰۰) سوار۔ اور (۷۰۰) ہاتھی کیا ہے۔ حملہ آوروں کی مزاحمت اور مقابلہ اس سختی سے کیا گیا کہ اس جنگ و فتح سے بے انتہا مصائب ان لوگوں پر پڑے فاتح نہایت رنج و اندوہ کے ساتھ بیان کرتا ہے (۱۵۰۰۰۰) آدمی اس میں قید ہوئے۔ (۱۰۰۰۰۰) مارے گئے۔ اور اس تعداد سے کئی گنے زیادہ قحط۔ وبا۔ اور دوسری آفات ارضی کے نذر ہوئے جو ہمیشہ افواج کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- ایک یا دو سال کا فرق ہو۔ مگر اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا ؛

ہمرکاب ہوا کرتی ہیں ؛

اشوک کا تأسف

ان تمام مصائب کا اس کی آنکھوں کے سامنے سے گذرنا۔ اور ساتھ ہی اس بات کا احساس کہ ان تمام مصائب کی وجہ صرف اسی کی ذات ہے۔ ان دونوں نے مل کر اشوک کے خیالات پر سخت اثر کیا۔ اور[1] وہ سخت پشیمان اور نہایت متأسف ہوا۔ یہی احساسات تھے جن کی بنا پر اس نے آخر میں یہ مصمم ارادہ کیا کہ اس کے بعد پھر کبھی ملک گیری کی ہوس اس کو اس بات پر آمادہ نہ کرے گی کہ وہ بنی نوع انسان پر ایسی بلائیں اور مصیبتیں نازل کرے۔ اور اس فتح کے چار ہی سال کے بعد وہ یہ کہتا تھا کہ "کلنگ کی فتح کے موقعے پر جتنے آدمی قتل کیئے گئے یا قید ہوے۔ ان کی تعداد کے سویں یا ہزارویں حصے کا نقصان بھی اب مابدولت کے لیئے سخت افسوس کا باعث ہوگا"؛

اشوک جنگ سے تائب ہوتا ہے

راجہ نے جن اصول کا اپنے الفاظ میں اظہار کیا تھا انھیں پر کاربند ہوا۔ اور بقیۃ العمر ہمیشہ جارحانہ جنگ سے درگذر کرتا رہا۔ اسی زمانے میں بدھ مذہب کی تعلیمات نے اس پر اپنا اثر کرنا شروع کیا۔ اور جس قدر سال گذرتے گئے ان کے ساتھ اس کا شغف برابر زیادہ ہوتا گیا۔ وہ کہتا ہے کہ "سب سے بڑی فتح وہ ہے" "جو قانون پرہیزگاری" کے ذریعے سے حاصل کی جائے۔ وہ اپنے جانشینوں سے استدعا کرتا ہے کہ وہ اس عام خیال کو بالکل ترک کردیں کہ فوج کے ذریعے سے ملک گیری ہی بادشاہ کا اول اور آخر فرض ہے۔ اور اگر بالفرض وہ اپنی خواہش اور تمنا کے باوجود لڑنے پر مجبور ہی ہوں تو اس حالت میں بھی وہ ان کو جتلائے دیتا ہے کہ وہ نرمی اور تحمل سے کام لے سکتے ہیں۔ اور ان کو چاہئے کہ اصلی اور حقیقی فتح اسی کو سمجھیں جو قانون پرہیزگاری یا "فرض" سے حاصل ہو[1]؛

---

[1] سنگی فرمان۔ نمبر ۱۳؛

اشاعتِ اخلاق

اس زمانے کے بعد سے اشوک نے اپنی زندگی کا صرف یہ فرض قرار دے لیا تھا کہ اپنی وسیع مملکت میں اپنے غیر محدود شاہی اختیارات کو ایک اخلاقی قانون جسے وہ "قانون فرایض" (یا دھم یا دھرم) کہتا ہے۔ کے سکھلانے۔ پھیلانے اور منوانے میں صرف کرے۔ اس قانون کو زیادہ تر اس نے بدھ مذہب کے واعظوں سے حاصل کیا تھا؛

۲۵۷-۲۵۶ ق م

اپنے عہد حکومت کے سترھویں یا اٹھارھویں سال اس نے قطعی طور پر اس معاملے میں اپنے طرز عمل کے متعلق فیصلہ کیا۔ اور اپنی رعایا میں اپنی حکومت کے اصول کا اعلان فرمانوں کے ذریعے سے کیا جن کو اس نے چٹانوں پر کندہ کرادیا جن میں چھوٹا سنگی فرمان نمبر ا۔ اور چودہ سنگی فرامین شامل ہیں۔ ان میں اس نے وہ عام اصول درج کیے جن پر خداوندان نعمت کو عمل کرنا چاہیئے؛

ان عجیب وغریب فرامین کے بعد ہی دوسرے فرامین شائع ہوئے جو مفتوحہ علاقے کلنگ کے متعلق تھے اور جن کا ملخص پہلے پیش کیا جاچکا ہے۔ اس تمام سلسلے میں سب سے قدیم فرمان چھوٹا سنگی فرمان نمبر ا معلوم ہوتا ہے۔ یہ بہت مختصر ہے۔ اور چھ مختلف صورتوں میں پایا جاتا ہے۔ دوسرے طویل کتبوں کے ساتھ اس کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اشوک بدھ مذہب کو اختیار کرنے کے بعد ڈھائی برس سے زیادہ تک دنیادار چیلا (اُپاسک) رہا۔ اور اس مدت میں اس نے اس معاملے میں انہماک سے کام نہیں کیا۔ مگر اپنے اعلانات کی اشاعت سے کم وبیش ایک برس قبل وہ بھکشوؤں کی جماعت (سنگھ) میں شامل ہوگیا تھا۔ اور نہایت سرگرمی اور مستعدی سے مذہب کی اشاعت اور ترقی کی کوشش میں شرکت کرنے لگا تھا۔ وہ عجیب فرمان جو "بھابرو یا دوسرا بیرات سنگی فرمان" کے نام سے مشہور ہے اور جس میں راجہ نے مذہبی کتب کی سات عبارتوں کا ذکر کیا ہے اور مقتدایان مذہب اور عوام الناس کی توجہ

خاص طور پر ان کی طرف مبذول کی ہے۔ غالباً اسی زمانہ کا ہے[۱]

تقریب ۲۴۹ قم جاترا۔

تقریباً ۲۴۹ قم میں جب اس کو تخت پر بیٹھے ہوئے چھبیس برس گذر گئے تھے اشوک بدھ مذہب کی ارض مقدس کے سب سے زیادہ پاک مقامات کی زیارت اور جاترا کے لئے روانہ ہوا۔ دارالسلطنت پاٹلی پتر سے روانہ ہو کر وہ شمال میں نیپال کی طرف شاہ راہ پر روانہ ہوا جس کے اوپر پانچ بڑے بڑے ایک ہی پتھر کے تراشے ہوئے مینار اب بھی قائم ہیں[۲]۔ اور زمانہ حال کے ضلع مظفر پور اور چمپارن سے گذرتا ہوا۔ بالآخر کوہستان ہمالیہ کے دامن تک پہنچا۔

بدھ کی جائے پیدائش

یہاں سے غالباً وہ پہاڑیوں کو قطع کئے بغیر مغرب کی طرف پھرا۔ اور سب سے پہلے اس نے بدھ کی جائے پیدائش لمبنی باغ کی زیارت کی۔ یہی وہ مقام تھا جہاں روایتوں کے مطابق مہاتما بدھ کی ماں مایا کو دردزہ شروع ہوا۔ اور جہاں ایک درخت کے نیچے بدھ پیدا ہوا۔ اس جگہ اس کے رہبر اور مرشد اُپگپت نے راجہ سے خطاب کیا کہ "اے مہاراجہ یہاں وہ مقدس بزرگ پیدا ہوا تھا"۔ اشوک نے وہیں ایک مینار قائم کیا اور اس پر یہ الفاظ کندہ کرا دیئے جو اس وقت بھی ویسے ہی روشن ہیں جیسے کہ اُس وقت تھے۔ جب کہ وہ کندہ کیے گئے تھے۔ اور اس طرح اس نے اپنی جاترا کی یادگار قائم کی جو آج تک قائم ہے[۳]

۱؎ بھابرُو نہ کہ بھابرا صحیح ہے۔ یہ کتبہ بیرات کی پہاڑیوں میں بھابرو کی چھاؤنی سے تقریباً ۱۲ میل فاصلے پر پایا گیا تھا۔ (پروگرس رپورٹ آر کی آلوجی۔ساؤتھ ویسٹرن سرکل ۱۰-۱۹۰۹ء فقرہ (۱۰)

۲؎ بکھرا۔ لوریا اراج (رادھیہ)۔ لوریا نندن گڑھ (ساٹھیہ)۔ رام پوروہ

۳؎ اس کا سب سے آخری اور صحیح ترجمہ "اسوکا" دوسری ایڈیشن صفحہ ۱۹۹ میں دیا گیا ہے۔ اور ساتھ اس کا نقشہ بھی ہے

دوسرے مذہبی مقامات۔

رفتہ رفتہ اُپگپت۔ اپنے بادشاہ چیلے کو بدھ کے بچپن کے وطن۔ کپلاوستو لے گیا جو آجکل ترائی کے علاقے میں واقع ہے[۱]۔ اس کے بعد وہ بنارس کے پاس سارناتھ کے مقام پر گیا جہاں سب سے پہلے بدھ کو اپنے مذہب کی تبلیغ میں کامیابی ہوئی تھی۔ پھر وہ سراوستی گیا جہاں پر کہ بدھ ایک مدت تک مقیم رہا تھا[۲]۔ پھر گیا کے بدھی درخت کی زیارت کی جہاں اس نے تمام گناہوں اور لذتوں کو زیر کیا تھا۔ اور پھر وہ کوسی نگر آیا جہاں بدھ نے وفات پائی تھی[۳]۔ ان تمام

---

[۱] یہ مقام غالباً ضلع بستی کے شمال میں پیراوا ہے اور سرحد پر واقع ہے (دیکھو مکرجی اور وی۔ اے۔ سمتھ "ایکسپلوریشنز ان دی نیپالیز ترائی"۔ آرکی آلوجیکل سروے امپیریل سیریز جلد ۲۶ کلکتہ ۱۸۹۷ء)۔ ہیون سانگ کا کپل وستو یقیناً تلورا کوٹ اور قرب وجوار کے کھنڈروں کا مقام ہے۔ جو پیراوا سے شمال مغرب میں دس میل کے فاصلے پر نیپال کی ترائی میں واقع ہے۔

[۲] یہ مقام دریائے راپتی کے بالائی حصے پر سہیٹھ مہیٹھ کے مقام پر حال کے ضلع بہرائچ و گونڈہ کی سرحد پر واقع تھا۔ وہ کتبے جن کو محکمۂ آثار قدیمہ نے دریافت کیا ہے ان سے اس مقام کا صحیح موقعہ معلوم ہوتا ہے۔ (اینوئل رپورٹ آرکی آلوجیکل سوسائٹی ۱۹۰۸-۹ء صفحہ ۱۳۷) مشکل یہ ہے کہ یہ مواقع چینی جاتریوں کے ذکر کیے ہوئے مقام کے مطابق نہیں ہیں۔

[۳] یہ مقام میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ نیپال میں پہلے سلسلۂ کوہ کے اُس پار واقع ہے۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ جنوری نمبر ۱۹۰۲ء)۔ ہز ہائنس جنرل خدگا شمشیر جنگ بہادر بھی اس بات میں مجھ سے متفق ہیں کہ کوسی نگر نیپال ہی میں واقع ہے۔ اور ان کا خیال ہے کہ اس کا موقعہ راپتی اور گنڈک دریاؤں کے موقع پر ہے۔ ان کا موقع میرے منتخبہ موقع سے بہت مغرب میں واقع ہے۔ مگر پھر بھی اسی عرض بلد میں ہے اور اغلب یہ ہے کہ وہ درست ہے (پاینیر میل الہ آباد۔ ۲۶ فروری ۱۹۰۲ء)۔ نروان مندر کے عقب میں ایک بڑے ستوپ کے اندر ایک تانبے کے کتبے کے

متبرک مقامات پر بادشاہ نے بہت خیرات کی اور یادگاریں قائم کیں۔ جن میں بعض ایک مدت کی فراموشی کے بعد اب دوبارہ دریافت ہوئی ہیں؎

اشوک تارک دنیا بھکشو بھی تھا اور بادشاہ بھی

اگرچہ موجودہ زمانے کے کسی شخص کو یہ ماننے میں دقت ہوگی کہ اشوک نے تارک الدنیا بھکشو ہونے کی قسم اور طرز زندگی بھی اختیار کرلی تھی۔ اور پھر ساتھ ہی وہ ایک وسیع سلطنت پر خود مختار اور بلاشرکت غیرے بادشاہ بھی تھا مگر اس امر میں کسی قسم کا شک وشبہہ نہیں۔ اور وہ خود اس کا اعتراف کرتا ہے۔ نو صدی بعد چینی جاتری آئی سانگ نے بیان کیا ہے کہ اشوک کا بت ایک خاص قسم کے سنیاسی لباس سے ملبوس ہے[۵۱]۔ ہمارے خیالات کے مطابق کسی بادشاہ کے لئے بغیر تخت وتاج سے دست بردار ہوئے تارک الدنیا ہوجانے میں جو نامناسبت پائی جاتی ہے اس کا آئی سانگ کو سان وگمان بھی نہ گذرا ہوگا۔ کیونکہ اس کے سامنے بالکل اسی قسم کی مثال اس کے ملک کے بادشاہ ؤوتی یا ہسیوین کی موجود تھی۔ جو بدھ مذہب کا معتقد تھا۔ اور دو مرتبہ اس نے سنہ ۵۲۷ء اور سنہ ۵۲۹ء میں بھکشوؤں کی زندگی اختیار کی[۵۲]۔ اس سے اتر کر ایک اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- دریافت ہونے سے اس قدیم قیاس کو تقویت پہنچی ہے کہ کوسی نگر وہی مقام ہے جہاں ضلع گورکھپور کے کیسیا کے قریب آثار وکھنڈر پائے جاتے ہیں (میرگیٹر-جے-آر-اے-ایس سنہ ۱۹۱۳ صفحہ ۵۱۲)؎

مگر اس نظریہ پر بہت سے اعتراضات ہوسکتے ہیں۔ اور اغلب یہ ہے کہ کیسیا کے مقام پر زیارت گاہ بھی جو کوسی نگر کے اس موت کی خانقاہ کے ساتھ وابستہ معلوم ہوتی ہے۔ اس کو بھی "پری نروان-چیتیا" کہا جاتا تھا۔ ہسٹنگز "انسائیکلو-آف ریلیجن اینڈ ایتھکس" میں میرا مضمون کوسی نگر؎

[۵۱] تکاکسو کا ترجمہ آئی سانگ "اے ریکارڈ آف بدھسٹ پریکٹس" صفحہ ۷۳؎

[۵۲] کائلز کی "ہسٹری آف چائینیز لٹریچر" سنہ ۱۹۰۱ صفحہ ۱۳۳-انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۳ صفحہ ۲۳۶؎

مثال بارھویں صدی میں مغربی ہند کے ایک جین بادشاہ کی ملتی ہے جس نے "مذہب کے مرشد" ہونے کا لقب اختیار کیا۔ اور اپنے عہد حکومت کے مختلف اوقات میں پرہیزگاری کے ساتھ سنیاس اختیار کیا۔ اس کے علاوہ بدھ مذہب کے بھکشو کو ہر وقت اختیار رہے کہ جب چاہے وہ اس سنیاس کو ترک کر کے پھر دنیا میں شامل ہو جائے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اشوک وقتاً فوقتاً اسی طرح تھوڑی مدت کے لئے ترک دنیا کر کے سنیاسیوں میں داخل ہو جایا کرتا تھا۔ اور اپنی اس غیر حاضری کے زمانے میں سلطنت کے نظم و نسق کے لئے خاطر خواہ انتظام کر جاتا تھا۔ اس بات کے باور کرنے کے وجوہ میں چھوٹا سنگی فرمان نمبر۱۔ اور بھابرو کا فرمان ایسے ہی زمانے میں نافذ ہوئے تھے جب کہ بادشاہ خود بیرات کے مقام پر گوشہ نشین تھا۔ علاوہ اس کے یہ بھی ایک زبردست بادشاہ کے لئے ممکن تھا کہ ان مشکلات کو کسی نہ کسی طریقے سے حل کر لیتا۔ اپنی زندگی کے آخری پچیس سال کے عرصے میں اشوک نے بلا شک و شبہ سلطنت اور مذہب کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ بعینہ اسی طرح جس طرح یورپ میں اپنے آخر عہد میں شارلمین نے کیا تھا[1]

سات ستونی فرامین ہیں گذشتہ واقعات کا اعادہ

تخت سلطنت پر متمکن ہونے کے تیس سال بعد ۲۴۳ق م یا اس کے قریب اشوک نے نئے فرامین کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ جو سات ستونی کتبے کہلاتے ہیں۔ ان میں اس نے اپنی تمام گذشتہ تعلیمات کو دہرایا ہے۔ اور آخر میں ان تمام طریقوں کو بیان کر دیا ہے جو اس نے ان تعلیمات کو پھیلانے اور ان اصلاحات کو پورا کرنے کے لئے اختیار کر لئے تھے۔ ان ہی میں جانوروں کے ذبح کرنے اور ان کے اعضاء کاٹنے کے متعلق قوانین ہیں۔ کیونکہ یہ ایسے افعال تھے جن کو وہ دل سے

---

[1] بہلر۔ انڈین انٹی کویری جلد ۶۔ صفحہ ۱۵۴۔

ناپسند کرتا تھا؛

مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ ان تمام اعادہ واقعات میں بیرونی مذہبی سفارتوں کا بالکل ذکر نہیں۔ اور نہ اس میں مقتدایان بودھ مذہب کی کونسل کا ذکر ہے۔ جو اس کے عہد حکومت کے دوران میں کسی وقت اس کی دارالسلطنت میں منعقد ہوئی۔ اور جس کی سب سے بڑی غرض و غائت یہ تھی کہ مذہب میں جو اختلاف کا سیلاب بڑھ رہا ہے اس کو روک دیا جائے۔ یہ ممکن ہے کہ اس کونسل کا انعقاد ستونی فرامین کے نافذ کرنے کے بعد ہوا ہو۔ مگر یہ بتلانا کہ ان میں ان بیرونی سفارتوں کا کیوں ذکر نہیں پایا جاتا جن کو سنگی فرامین میں اتنی ممتاز جگہ دی گئی ہے۔ میری سمجھ سے باہر ہے؛

پاٹلی پتر کی کونسل

کونسل کے انعقاد کے واقعے پر روایات کی اتنی اسناد موجود ہیں کہ اس کو بلا تامل تسلیم کر لینا چاہیئے۔ اگرچہ ان روایات میں جو تفصیلیں درج ہیں ہرگز تاریخی نہیں سمجھی جا سکتیں۔ سارناتھ کے فرمان (مع اس کے اور اختلافات کے) میں نے خاص طور پر ان مذہبی اختلافات کے گناہ کبیرہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور میرا قیاس یہ ہے کہ یہ فرمان اس کونسل ہی کی تجویزوں کا نتیجہ تھا۔ میں کونسل کے انعقاد کے متعلق لنکا کے سنین و تواریخ کو صحیح نہیں سمجھتا جو ۲۳۶ بعد بدھ یعنی میرے سنین کے مطابق ۲۵۱ ق م ہوتی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ کونسل راجہ کے عہد حکومت کے آخری دس سال کے عرصے میں منعقد ہوئی تھی[1]؛

سلطنت کی وسعت

اُس وسیع سلطنت کے حدود کا اندازہ تقریباً صحت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے جس پر اشوک حکمراں تھا۔

---

[1] ہر ایک قسم کے فرامین کے سنین کے متعلق دیکھو اس باب کے آخر میں فہرست کتب۔ میرے لیے یہ ناممکن ہے کہ میں حاشیئے میں لنکا کے سنین پر بحث کروں۔ بدھ مذہب کی کونسلوں کے متعلق دیکھو میرے خیالات جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۱ء صفحہ ۸۵۸-۱۴۲؛

شمال مغرب میں وہ کوہستان ہندوکش تک پہنچی ہوئی تھی۔ اس میں ایک بڑا حصہ اس علاقے کا بھی شامل تھا۔ جو آج کل امیر افغانستان کے ماتحت ہے اور ساتھ ہی بلوچستان اور سندھ کا تمام یا بڑا حصہ بھی اس سے ملحق تھا۔ سوات اور باجور کی دور افتادہ وادیاں بھی شاہی عمال کی زیر نگرانی تھیں۔ اور ان کے علاوہ کشمیر اور نیپال تو یقیناً سلطنت میں باقاعدہ شامل تھے۔ کشمیر میں اشوک نے ایک دارالسلطنت تعمیر کیا اور اس کا نام سری نگر رکھا جو آج کل کے اسی نام کے شہر سے تھوڑے سے فاصلے پر واقع تھا[1]۔

اشوک نیپال میں

نیپال کی وادی میں اس نے پرانے دارالسلطنت منجوپٹن کی جگہ ایک اور شہر آباد کیا جس کا نام پاٹن۔ للت پاٹن۔ یا للت پور رکھا۔ یہ شہر اب بھی موجودہ مستقر سلطنت کھٹمنڈو کے جنوب مشرق میں ڈھائی میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ للت پاٹن بعد کے زمانے میں ایک خود مختار سلطنت کا دارالسلطنت ہو گیا۔ مگر اب بھی اس پر بدھ مذہب کا وہ مخصوص رنگ چڑھا ہوا ہے جو اشوک نے اُسے دیا تھا۔ اس شہر کو اس نے اپنے اُس نیپالی سفر کی یادگار میں قائم کیا تھا جو اس نے ۲۵۰ یا ۲۴۹ ق م میں جاترا کے دوران میں کیا۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی چارمتی بھی تھی۔ اس نے سنیاس کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ اور جب اس کا باپ کوہستان سے چلا آیا تو وہ وہیں نیپال میں اپنی زندگی کے دن بسر کرنے کے لئے رہ گئی۔ اس نے اپنے خاوند دیوپال کشتری کی یادگار میں ایک شہر دیوپٹن کے نام سے آباد کیا اور خود وہیں ایک خانقاہ میں جس کی بنا خود اس نے ڈالی تھی، سنیاسیوں کی طرح رہنے لگی۔ یہ خانقاہ

[1] سٹائن کا ترجمہ راج ترنگنی حصۂ اول۔ باب ۵ صفحہ ۱۰۴۔ جلد دوم صفحہ ۳۰۹ و ۴۱۱۔ اشوک کے قدیم دارالسلطنت کی جائے وقوع کا موجودہ نام پاندریتھن (یعنے شہر قدیم ہے)۔ یہ موجودہ سری نگر سے جس کو قدیم شہر کا نام دے دیا گیا ہے تقریباً تیس میل شمال کی طرف واقع ہے۔

پسوپٹناتھ کے مقام پر بنائی گئی تھی۔ اور اب تک اسی کے نام سے مشہور ہے۔ اشوک نے للت پاٹن کو بہت متبرک مقام سمجھا اور وہاں پانچ زبردست ستوپ قائم کیئے۔ جن میں ایک تو شہر کے عین مرکز میں تھا اور چار شہر کے باہر فصیل کے چاروں کونوں پر تعمیر کیئے گئے تھے۔ یہ تمام یادگاریں اب تک باقی ہیں۔ اور اس کے بعد کے زمانے کی تمام اور عمارتوں سے بالکل ممیز ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی چھوٹی چھوٹی عمارتیں ہیں جو اشوک یا اس کی بیٹی کے نام کے ساتھ منسوب کی جاتی ہیں۔[۱]

مشرق کی طرف وسعت۔

مشرق کی طرف اشوک کی سلطنت میں دریائے گنگا کے دہانوں تک تمام بنگال کا علاقہ (ونگ) شامل تھا۔ ان ہی دہانوں میں تامرالیپتی یعنے موجودہ تملوک سب سے بڑا بندرگاہ تھا۔ دریائے گوداوری کے شمال کا ساحلی حصہ جو کلنگ کے نام سے مشہور تھا سنہ ۲۶۱ ق م زیر نگیں کیا گیا۔ زیادہ جنوب میں دریاہائے گوداوری اور کرشنا کے درمیان اندھر سلطنت بھی اگرچہ خود اپنے راجہ کے ماتحت تھی۔ مگر اشوک کے زیر سیادت شمار کی جاتی تھی۔ جنوب مشرق میں دریائے پنّار اشوک کی سلطنت کی سرحد سمجھا جاتا تھا۔

جنوب مغرب کی طرف وسعت

تامل سلطنتیں جو جزیرہ نما کے انتہا تک اور جو چول اور پانڈیا کے نام سے مشہور تھیں یقیناً خود مختار تھیں۔ اور یہی حالت جنوب مغربی یا ساحل مالابار کی سلطنتوں

---

[۱] اولڈفیلڈ کی "سکیچز فرام نیپال" جلد دوم صفحات ۱۹۸ و ۲۴۶ - ۲۵۲ - انڈین انٹی کویری جلد ۱۳ صفحہ ۴۱۲ - پاٹن کے مقام کے شمالی ستوپ کو مسٹر بنڈل اپی لوڈ کہتے ہیں (اے جرنی ان نیپال صفحہ ۱۲) - اولڈفیلڈ نے اس کو ایپی یا زمپی تند و اور ریزیڈنسی کے کلرک نے ایپی لکھا ہے - ان میں زمپی تند صحیح معلوم ہوتا ہے۔ (لیوی کی ل نیپال صفحات ۱ - ۳ - و ۳۴۴) - کہ عمارت اگرچہ شہر کے اندر واقع ہے - مگر فصیل شہر سے باہر ہے۔

کریل پتر اور ستیا پتر کی تھی[1]۔ سلطنت کی جنوبی سرحد تقریباً صحت کے ساتھ دریائے پنار کے دہانے یعنے مشرقی ساحل پر ضلع نلور کے قریب سے لے کر کڈپہ میں ہوتی ہوئی اور جنوب میں جیتل درگ پر سے گذرتی ہوئی مغربی ساحل پر پہنچتی تھی۔ یہ تلوا ملک کی شمالی سرحد تھی اور غالباً ستیا پتر کی سلطنت کی جگہ قائم تھی[2]؛

وحشی اقوام شمال مغربی سرحد کی نیم وحشی اقوام۔ اور ان اقوام کے متعلق جو بندھیاچل کے ان پہاڑوں میں مقیم تھیں جو شمالی ہند کو جنوب سے جدا کرتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرکزی حکومت زیر نگرانی مگر تقریباً خود مختار تھیں۔ اس طرح اگر ہم موجودہ زمانے کے نام گنوانا چاہیں تو اشوک کی سلطنت میں ہندوکش پہاڑ کے جنوب میں افغانستان کا علاقہ۔ بلوچستان۔ سندھ۔ کشمیر کی وادی۔ نیپال۔ ہمالیہ کا زیرین حصہ۔ اور تمام ہندوستان ماسوا انتہائے جنوب کے شامل تھا؛

والسئیرائے۔ اس سلطنت کے وسطی حصوں کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] سنگین فرامین نمبر ۲ و ۱۳؛

[2] میں ڈاکٹر فلیٹ سے اس امر میں متفق نہیں ہوں (جے آر اے ایس ۱۹۰۹ء صفحہ ۹۹۷ حاشیہ) کہ چھوٹا سنگی فرمان نمبر ۲۔ جس کے تین نسخے شمالی میسور میں پائے گئے ہیں۔ کسی بیرونی سلطنت کو مخاطب کرنے کے لئے شائع کئے گئے تھے۔ سنگی فرمان نمبر ۲ میں صاف طور پر ذکر ہے کہ ہمالیہ یا سرحدی سلطنتوں سے مراد چول۔ پانڈیا۔ کریلا پتر یا سیتا پتر ہیں۔ پروفیسر آر۔ جی۔ بھنڈارکر (انڈین ریویو جون ۱۹۰۱ء) کے خیال میں ستیا پتر کی سلطنت پونا کے قریب واقع تھی کیونکہ بہت سی ذاتوں کے نام وہاں اب بھی سات پتے ہیں۔ مگر اس فرمان میں ستیا پتر کا ذکر تامل سلطنتوں کے ساتھ آتا ہے۔ اور وہ جگہ جو میں نے مقرر کی ہے۔ نسل اور زبان کے فرق کی بنا پر کی ہے۔ میرا اب بھی یہ خیال ہے کہ موریا سلطنت میں جس میں وہ علاقے جو ان کے زیر نگین اور زیر سیادت تھے شامل ہیں۔ جنوب میں پنیچے تک چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ تامل سلطنتیں ان کے سدِراہ ہوتی تھیں؛

ان پر خود بادشاہ کی زیر نگرانی پاٹلی پتر سے حکومت ہوتی تھی۔ دور دست صوبجات کے اوپر نائب السلطنت مقرر تھے۔ اس قسم کے صوبے بظاہر کم از کم چار ضرور تھے۔ شمال مغربی حصّے کے حکمراں کا مستقر ٹکسلا تھا۔ اور اغلب یہ ہے کہ پنجاب۔ سندھ۔ دریائے سندھ کے اُس طرف کا علاقہ اور کشمیر کے ممالک اس کی زیر حکومت تھے۔ مشرقی ممالک پر جن میں کلنگ کا علاقہ بھی شامل تھا ایک نائب السلطنت مقرر تھا۔ جس کا مستقر ایک مقام توسلی نامی تھا۔ مگر اس کا موقعہ ابھی تک متعین نہیں ہو سکا۔ مالوا۔ گجرات اور کاٹھیاواڑ کے مغربی صوبے ایک تیسرے صوبے دار کے ہاتھ میں تھے اور اس کا مستقر اجین قدیم شہر میں تھا۔ ماوراء نربدا کے جنوبی صوبے ایک چوتھے نائب السلطنت کے زیر نگین تھے۔

تعمیرات۔ اشوک کو عمارتوں کے بنوانے کا بہت شوق تھا۔ اس کے تعمیرات کی عظمت وشان نے عوام کے دل و دماغ پر ایسا گہرا اثر کیا تھا۔ کہ اس کی روائتیں اور حکایتیں گھڑ لی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تین برس کی قلیل مدت میں چوراسی ہزار ستوپ

---

[1] چھوٹے سنگی فرمان نمبر ا کے میسوری نسخے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اشوک کے احکام کو اسیلا نام ایک شہر کے عمال تک پہنچاتا ہے۔ یہ شہر غالباً اس قدیم جگہ پر واقع تھا جہاں سے کہ یہ کتبے برآمد ہوئے ہیں۔ یہ احکام سورنگری کے بادشاہ اور عمال کے ذریعے سے وہاں پہنچائے ہیں۔ یعنے جو احکام اشوک نے دیئے ان کو سورنگری کے راجہ اور عمال نے نافذ کیا۔ میرا خیال یہ ہے کہ سورنگری کہیں جنوب میں واقع تھا۔ اور یہ راجہ جس کا ذکر ہوا اشوک کا دکن پر نائب تھا۔ ڈاکٹر فلیٹ نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ سورنگری مگدھ کی سلطنت میں سونگیر یا قدیم راج گیر کا مقام ہے۔ اور اسی بنا پر اس نے یہ نظریہ قائم کر لیا ہے کہ اشوک وہاں گوشہ نشین تھا۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۰۱۶-۹۸۱) مگر مجھے کوئی شہادت اس امر کی نہیں ملی کہ اشوک تخت و تاج سے اپنی زندگی میں دست بردار ہو گیا تھا؛

تعمیر کرائے تھے۔ جب سب سے پہلا چینی جاتری فاہیان اشوک کے دارالسلطنت پاٹلی پتر میں چندر گپت بکرماجیت کے عہد حکومت یعنے پانچویں صدی عیسوی کے شروع میں پہنچا۔ تو اس وقت اشوک کا شاہی محل موجود تھا اور اس کے متعلق عوام کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ مافوق العادت قوتوں کے ذریعے بنایا گیا تھا۔ وہ لکھتا ہے :-

"شاہی محلات اور ایوان جو شہر کے درمیان میں اُسی طرح قائم ہیں جیسے کہ قدیم زمانے میں تھے۔ ان طاقتوں نے بنائے تھے جو اس کے ملازم تھے۔ انھوں نے ہی پتھروں کو ایک دوسرے پر جمایا۔ دیواریں اور دروازے قائم کئے۔ اور ایسی خوبصورت کھدائی پچی کاری کا کام کیا۔ جو انسانی طاقت سے باہر ہے"

یہ تمام عالیشان عمارات ناپید ہو گئی ہیں۔ اور ان کے آثار اب دریائے گنگا اور سون کے ریتوں کے نیچے اس قدر گہرے مدفون ہیں کہ ان کی تحصیل اب بالکل ناممکن الحصول ہے۔ ان ہی کھنڈروں پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی ریلوے لائن۔ پٹنہ کا شہر اور بانکی پور کی انگریزی آبادی قائم ہے۔ مگر بہر حال برائے نام اور بے ترتیب کھدائی کے کام نے بھی اتنا ضرور ہماری آنکھوں کے سامنے ظاہر کر دیا ہے جس سے کہ جاتری کے پرجوش بیان کی صحت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور میں نے بچشم خود دو نہایت اعلیٰ درجے کے منقوش پتھر کے ستون دیکھے ہیں۔ جو بانکی پور کے مقام پر کھود کر نکالے گئے تھے۔

اشوک کے محلات کی طرح اس کی بنائی ہوئی بیشمار اور عالیشان خانقاہیں بھی کالعدم ہو چکی ہیں۔ اور اس قدر برباد ہو گئی ہیں کہ ان کا پہچاننا ناممکن ہے۔

سانچی کے ستوپ

اشوک کے تمام زمانے کی عمارات میں سے جو چیز کہ تباہی سے بچ رہی ہے۔ اور اس حالت میں ہے کہ اس سے کسی قسم کا اندازہ لگایا جا سکے وہ مشہور و معروف ستوپ ہیں جو

وسط ہند میں سانچی کے مقام پر یا اس کے قریب۔ اُجین کے نزدیک ہی واقع ہیں۔ جہاں اشوک اپنی شاہزادگی کے زمانے میں مغربی ہند پر حکومت کرتا تھا۔ جنگلے کے نہایت ہی عمدہ منقوش دروازے جن کو کہ بہت مرتبہ بیان کیا جا چکا ہے اور اکثر نقشے شائع ہو چکے ہیں۔ یا تو خود اس شہنشاہ اعظم کے زمانے میں بنائے گئے تھے۔ اور یا کم از کم اس کے بہت ہی کم بعد کے زمانے کے ہیں ؎

ایک پتھر کے تراشے ہوئے مینار

اشوک نے اپنے عہد حکومت کے دوران میں بے شمار ایک پتھر کے ٹکڑے ہوئے سنگی ستون سلطنت کے قریبی صوبوں میں نصب کرائے۔ ان میں سے بعض پر اس کے فرامین کندہ ہیں اور بعض پر نہیں۔ چند ستون ایسے ہیں جو بلندی میں پچاس فٹ ہیں اور وزن میں تقریباً پچاس ٹن۔ یہ ستون نہ صرف اس کے زمانے کی قابل یادگار آثار ہیں بلکہ وہ قدیم ترین نمونے ہیں جو ہم کو ہندی فن تعمیر کے متعلق مل سکتے ہیں۔ ان کا نقشہ ایرانی نمونے سے لیا گیا ہے۔ مگر اس میں بہت جدت سے کام لیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی کاریگری بھی تکمیل کو پہنچی ہوئی ہے[1] ؎

غاروں کے مکانات۔

براہر کی پہاڑیوں میں گیا کے قریب اشوک نے نہایت ہی سخت سنگ خارا کی چٹانوں میں صاف

---

[1] دیکھو "اسوکا" دوسری ایڈیشن صفحہ ۱۴۸-۱۴۶-اے ہسٹری آف فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون صفحہ ۲۰-۵۹-۶۲-لوح ۲-۱۳-شکل ۲۸ و ۲۹- اور "مونولیتھک پلرس اوکالمز آف اسوکا" زید-ڈی-ایم-جی-سنہ ۱۹۱۱- صفحہ ۴۰-۲۲۱-ڈاکٹر جے-ایچ-مارش کہتا ہے کہ "موریا خاندان کی تمام عمارات میں حد درجہ تکمیل اور صحت کا انداز پایا جاتا ہے- اور اس تکمیل کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس حیثیت سے یونانی عمارات سے بھی بڑھ چڑھ کر ہیں- (اینوئل رپورٹ- آرکی آلوجیکل سروے سنہ ۱۹۰۶ و سنہ ۱۹۰۷ صفحہ ۸۹) ؎

شفاف دیواروں کے مکانات کھدوائے تھے۔ یہ مکانات آجیوک سنیاسیوں کے لئے تیار کئے گئے تھے۔ جو نہایت ہی قدیم مذہبی فرقہ تھا۔ اور جین اور بدھ مت دونوں سے بالکل علیحدہ تھا۔ ان مکانات کے دیکھنے سے آدمی کو اس قسم کے مصری مکانات یاد آجاتے ہیں[۱]؛

کتبات۔ ان تمام چیزوں کے علاوہ اشوک کے زمانے کی سب سے زیادہ دلچسپ یادگار اس کے کتبے ہیں۔ یہ تعداد میں تیس سے کچھ زیادہ ہیں۔ اور چٹانوں۔ بڑے بڑے پتھروں۔ غار کی دیواروں اور ستونوں پر کندہ ہیں۔ یہی کتبے اس کے زمانے کی تاریخ کے بہترین اور سب سے معتبر اسناد ہیں۔ اور اسی لئے قبل اس کے کہ میں اس کے عقائد اور حکمت عملی پر بحث کروں ضروری ہے کہ میں ان کتبوں پر تبصرہ کردوں۔ ان میں سے زیادہ اہم کتبے وہ ہیں جن سے اس کی حکومت کے نظم ونسق اور اس کے فلسفۂ اخلاق کا تفصیلی پتا چلتا ہے۔ اس کی شخصیت اور عادات وخصائل پر بھی بہت کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔ مختصر کتبات میں نذرانوں کی عبارتیں۔ یادگار کے طور پر مختصر بیانات اور دوسری باتیں ملتی ہیں۔ مگر بہرحال سب سے مختصر کتبوں کی بھی خاص اہمیت ہے[۲]؛

---

[۱] یہ اجیوک فرقہ وشنو سے تعلق نہیں رکھتا جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ (بھنڈارکر "ایپی گریفک کونٹینز اینڈ اینسرز" جرنل بمبئی رائل ایشیاٹک سوسائٹی) جلد ۲۰۔ ۱۹۰۲ء۔ واانڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۰ و ۲۸۶۔ ان کے عقائد کے ملخص کے لئے دیکھو "سامن پھل" مترجمہ رہس ڈیوڈس منقول فی ڈائلوگس آف بڈھا (سنہ ۱۸۹۹ء) صفحہ ۷۱؛

[۲] اگرچہ ان کتبات پر کسی کا نام نہیں۔ (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۶۵) مگر ان کا اشوک کی طرف منسوب کرنا بالکل درست ہے۔ اس بات کا تفصیلی ثبوت میرے مضامین۔ "دی آٹھ شپ پیاڈسی انسکرپشنز" اور "آئی ڈنٹی آف پیاڈسی ودھ اسوکا موریا وغیرہ" میں ملے گا (جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۰۱ء صفحہ ۹۹۔ ۴۸۱ و ۸۲۷۔ ۸۴۲)؛

ان کتبات کی وسعت۔

یہ کتبے تقریباً تمام ہندوستان میں یعنے کوہستان ہمالیہ سے لے کر میسور تک اور خلیج بنگالے سے لے کر بحیرۂ عرب تک پھیلے ہوئے ہیں؛

ان کی زبان

تمام کتبے مختلف قسم کی پراکرت زبان میں لکھے ہوئے ہیں یعنے وہ مقامی زبانیں جن کا تعلق ایک طرف تو علمی سنسکرت زبان سے تھا اور دوسری لنکا کے بدھ مذہب کی پالی زبان سے۔ مگر خالصتاً یہ ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں۔ اسی لئے بظاہر ان کا مقصد اور ان کی اصلی غائت یہ ہے کہ عوام اس کو پڑھیں اور سمجھ سکیں۔ ان کے وجود ہی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس زمانے میں لکھنے پڑھنے کا علم عام تھا۔ یہ کتبے جو بالتخصیص عوام کی تعلیم کے لئے شائع کئے گئے تھے یا تو شاہراہوں پر یا جاترے کے ایسے مقامات پر جہاں لوگوں کی آمد و رفت زیادہ ہو۔ اور جہاں ان کی اشاعت بھی آسانی سے ہو سکے کندہ کرائے جاتے تھے؛

الفاظ طرز تحریر

چودہ سنگین فرامین کے دو نسخے جو ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کے قریب کے مقامات میں چٹانوں پر کندہ ہیں۔ اس زبان کے حروف میں لکھے ہوئے جو وہاں مقامی طور پر رائج تھے۔ اور جن کو علماء آجکل کروشتی حروف کہتے ہیں یہ حروف قدیم ارامی زبان کے حروف سے ماخوذ ہیں اور داہنی جانب سے بائیں طرف کو لکھے جاتے ہیں۔ انھوں نے پنجاب کے علاقے میں چوتھی یا پانچویں صدی قبل مسیح میں ایرانی عہد حکومت کے دوران میں رواج پایا۔ ان کے علاوہ اور تمام کتبے براہمی حروف کی کسی نہ کسی شکل میں کندہ ہیں۔ یہی وہ حروف ہیں جن سے کہ موجودہ دیوناگری حروف اور مغربی اور شمالی ہندوستان کی زمانۂ حال کی طرز تحریر ماخوذ ہے۔ یہ بائیں سے دہنے جانب کو لکھے اور پڑھے جاتے ہیں[1]؛

[1] پروفیسر ریپسن کا خیال ہے کہ "وہ علاقہ جہاں کروشتی اور براہمی دونوں قسم کی

ان کیتبات کی آٹھ قسمیں۔ یہ تمام کتبے نہایت آسانی سے آٹھ قسموں میں منقسم کیئے جاسکتے ہیں۔ اور ان کو تقریبًا صحیح سنین کے لحاظ مندرجۂ ذیل طریقے سے ترتیب دیا جا سکتا ہے:

۱۔ چھوٹا سنگی فرمان:۔ اس کے نمبرا۔ کے چھ مختلف نسخے پائے جاتے ہیں۔ اور وہ تقریبًا سب کے سب چودہ سنگین فرمانوں سے ذرا قبل ہی کے زمانے یعنے ۲۵۷ء ق م کے ہیں۔ نمبر ۲۔ غالبًا اس سے ذرا بعد کا ہے:

۲۔ بھابرو کا فرمان۔ یہ بھی تقریبًا اسی سنہ کا ہے۔ جس کا کہ سنگی فرمان نمبرا ہے:

۳۔ چودہ سنگی فرامین۔ جن کے سات نسخے ملتے ہیں۔ اور اس کی حکومت کی تیرھویں یا چودھویں سے ان کی تاریخ شروع ہوتی ہے یعنے ۲۵۷ء ق م یا ۲۵۶ء ق م سے:

۴۔ کلنگ ملک کے دو فرامین۔ جو غالبًا ۲۵۶ء ق م میں نافذ ہوئے۔ اور جن کا تعلق صرف جدید مفتوحہ ملک ہی سے تھا:

۵۔ گیلک کے قریب برابر کے مقام پر تین نذرانے کے غاری کتبات جو ۲۵۷ء اور ۲۵۰ء ق م میں لکھے گئے:

۶۔ ترائی کے علاقے کے دو ستونی کتبے ۲۴۹ء ق م میں:

۷۔ سات ستونی فرمان۔ یہ چھ مختلف صورتوں میں پائے جاتے ہیں اور ۲۴۳ و ۲۴۲ء ق م میں شائع ہوئے:

۸۔ چھوٹے ستونی فرامین تقریبًا ۲۴۰ء ق م میں یا اس کے مابعد کندہ کرائے گئے:

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ طرز تحریر بالکل یکساں اور پہلو بہ پہلو رائج تھی۔ وہ تقریبًا صحت کے ساتھ پنجاب کے ضلع جالندھر ہو سکتا ہے،، (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۵ء صفحہ ۸۱۰):

چھوٹے چٹانی فرامین۔

اشوک کے تمام کتبوں میں سب سے زیادہ مشکلوں کا سامنا پہلے چھوٹے سنگی فرمان کے سمجھنے اور مطلب نکالنے میں ہوتا ہے۔ مگر یہ تمام مشکلیں آہستہ آہستہ حل ہوتی جاتی ہیں۔ اور اب کم از کم اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ اس کتبے میں تاریخ موجود نہیں [1]۔ اشوک کی حکومت کے متعلق اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے۔ فرمان نمبر ۲۔ میں محض قانون فرائض یا دھرم کا خلاصہ دیا گیا ہے ؛

بھابرو کا فرمان

بھابرو کے فرمان کی خاص اہمیت بدھ مذہب کے مذہبی قانون کی تاریخ سے وابستہ ہے۔ کیونکہ اس میں ان کی مذہبی کتابوں کی سات عبارتیں ایسی منقول ہیں جن کی طرف بادشاہ خاص طور پر اپنی رعایا کو توجہ دلانا چاہتا تھا۔ ان تمام عبارتوں کا اب پتہ لگا لیا گیا [2] ہے۔ ممکن ہے کہ جب اس نے اس فرمان کی تیاری کا حکم دیا ہو تو اشوک خود بیرات کے مقام پر کسی خانقاہ میں مقیم ہو ؛

چودہ چٹانی فرمان

ان چودہ فرامین میں اشوک نے اپنے اصول سلطنت اور فلسفۂ اخلاق کی تشریح کی ہے۔ اور ان میں سے

---

[1] چھوٹے سنگی فرمان نمبر ا کے تین مختلف نسخے میسور میں ایسے مقامات میں پائے گئے ہیں جو ایک دوسرے کے قریب ہی واقع ہیں۔ یعنے سدا پور۔ چتنگر ا میسور (۱۴° ۵' شمالی عرض بلد۔ ۷۶° ۴۸' مشرقی طول بلد) اور برہماگری۔ باقی تین بہار کے ضلع شاہ آباد میں سہسرام مقام پر۔ وسط ہند کے ضلع جبلپور میں روپ ناتھ مقام پر۔ اور راجپوتانہ کے علاقے میں جودھ پور کی ریاست میں بیرات مقام پر پائے گئے ہیں۔ چھوٹا سنگی فرمان نمبر ۲ صرف میسور کے فرامین میں ہی اضافہ کیا گیا ہے ؛

[2] بھابرو کا فرمان ایک بڑے پتھر پر کندہ ہے۔ جو آجکل کلکتہ میں بیرات مقام کی ایک پہاڑی کی چوٹی سے منتقل کر دیا گیا ہے۔ چھوٹا سنگی فرمان نمبر ا۔ ساتھ کی ایک پہاڑی کی چٹان پر کندہ ہے۔ ۱۲ ؛

ہر ایک فرمان صرف ایک ہی مضمون کے لئے مخصوص ہے۔ مختلف نسخوں میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ اور بعض میں سب کے سب چودہ فرامین بھی شامل ہیں۔ مگر بہر حال یہ سلسلہ مع اس کے تمام اختلافات کے دور دراز سرحدی صوبے تک ہی محدود ہے۔ جو صوبہ داروں کے زیر حکومت تھا۔ غالباً راجہ کا خیال تھا کہ مرکزی صوبوں میں جو ذاتی طور پر اس کے زیر نگرانی تھے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس کی تعلیمات کو پتھروں پر کندہ کرایا جائے۔ کیونکہ ان کے علاوہ اور بھی ایسی صورتیں موجود تھیں جن سے کہ ان کی اشاعت کی جا سکتی تھی۔ مگر کچھ سال بعد اس نے اپنے قانون کو ان مرکزی صوبوں میں بھی پتھر کے ستونوں پر کندہ کرا کے بقاء دائمی بخشدی[1]۔

کلنگ کے فرامین یہ فرامین دراصل ان ہی چودہ سنگی فرامین کے سلسلے کا ایک خاص ضمیمہ ہیں۔ اور ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ ان اصول کو قائم کر دیا جائے جن کی رو سے کہ نو مفتوحہ علاقے اور ان نیم وحشی اقوام پر حکومت کی جا سکے جو اس کی سرحد پر آباد تھے۔ ان کو

[1] چودہ سنگی فرامین کے موقعے حسب ذیل ہیں:۔ (۱) یوسف زئی کے علاقے میں پشاور سے ۴۰ میل شمال مشرق میں شاہ باز گڑھی کے مقام پر۔ (۲) ضلع ہزارا میں مان سہرا یا مانسیرا۔ ان دونوں میں کروشٹی طرز تحریر استعمال کیا گیا ہے۔ (۳) سوری (یا منصوری) کے مغرب میں ۱۵ میل کے فاصلے پر زیرین ہمالیہ میں کالسی مقام پر۔ (۴) بمبئی کے قریب تھانے کے ضلع میں سپارا کے مقام پر (۵) کاٹھیاواڑ کے جزیرہ نما میں جوناگڈہ کے قریب کوہ گرنار مقام پر۔ (۶) اڑلیہ میں ضلع کٹک میں بھوانیسور کے جنوب میں دھولی کے مقام کے قریب۔ (۷) مدراس میں ضلع گنجام کے مقام جوگڑا پر۔ آخری دونوں مقامات کلنگ کے علاقے میں شامل ہیں۔ اور دونوں کلنگ کے فرامین کو دھول اور جوگڑا کے فرامین کے آخر میں ضمیمہ کے طور پر زیادہ کر دیا گیا ہے۔

بعض باقاعدہ فرامین کی جگہ قائم کیا گیا ہے (نمبر ۱۱ - ۱۲ - ۱۳) - اور ان فرامین کو کلنگ کے فرامین سے یہ سمجھ کر محذوف کر دیا گیا ہے کہ وہ مقامی حالات سے موافق نہیں؛

غار کے کتبے۔ ضلع گیا میں برابر کے مقام کے غار کے تینوں کتبے درحقیقت نہایت ہی مختصر نذرانے کی عبارتیں ہیں ان قیمتی مکانات کو اجیوک فرقے کے سنیاسی لوگوں کو دیئے جانے کے وقت لکھی گئی تھیں اس فرقے کے لوگ عام طور پر ننگے پھرا کرتے تھے۔ اور ریاضت ہائے شاقہ کی وجہ سے مشہور تھے۔ یہ عبارتیں خاص طور پر اس وجہ سے زیادہ اہم ہیں کہ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے اشوک نے اکثر اعلان کیا تھا کہ وہ تمام مذاہب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے تو اس نے یہ کر کے بھی دکھا دیا۔ چونکہ یہ اجیوک فرقے کے لوگ قضاء و قدر کے قائل تھے۔ اور بدھ مت کے ساتھ ان کا یا تو بالکل تعلق تھا ہی نہیں اور اگر تھا بھی تو برائے نام؛

ترائی کے ستونی کتبے۔ ترائی کے علاقے کے دو ستونی کتبے اگرچہ نہایت ہی مختصر ہیں البتہ بعض وجوہ سے بہت دلچسپ ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان سے اس ادبی روایت کی صحت کا ثبوت ملتا ہے کہ اشوک واقعی جاترا کے لیئے بدھ مذہب کی "ارض مقدس" کے مذہبی مقامات میں خود گیا تھا۔ رُمنڈئی یا بدرایا کتبے کی جو اس وقت بالکل صحیح سالم حالت میں موجود ہے - یہ اہمیت ہے کہ اس سے بلا کسی شک و شبہ کے اس لمبنی باغ کے اصلی اور صحیح موقعے کا پتہ لگ جاتا ہے - جہاں منقول ہے کہ گوتم بدھ پیدا ہوا تھا۔ اس دریافت کی وجہ سے یا تو بہت سے مسائل بالکل حل ہو جاتے ہیں۔ یا کم از کم ان کے حل کرنے میں اس سے ضروری مدد ملتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی کے کتبے سے جو نگلیوا کے مقام پر اس سے کم محفوظ حالت میں ملا ہے - یہ نہایت دلچسپ بات معلوم ہوتی ہے کہ راجہ اشوک صرف گوتم بدھ ہی کو اپنا

مذہبی مقتدا نہ سمجھتا تھا۔ بلکہ اس کے مذہب میں اُس کے پیغمبر و یعنے "پہلے بدھ" بھی شامل تھے ؛

ستونی فرامین

سات ستونی فرامین ۲۴۲ ق م میں یا اس کے قریب قریب اپنی کامل صورت میں اس وقت نافذ کیئے گئے جبکہ اشوک تیس سال تک حکومت کر چکا تھا اور اپنی زندگی کے آخری دن گذار رہا تھا۔ ان فرامین کو چودہ سنگی فرامین سامنے رکھ کر غور کرنا چاہیئے۔ ان میں ان سنگی فرامین کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ اور ان کو ان ساتوں کا ایک قسم کا ضمیمہ تصور کرنا چاہیئے۔ وہ اصول جن کو شروع کے فرامین میں شائع کیا تھا۔ اب آخری زمانے میں ان کا اعادہ کیا گیا ہے۔ اور ان پر زور دیا گیا ہے۔ اہمسا کے متعلق قوانین کو باقاعدہ طور پر شائع کیا ہے۔ اس تمام سلسلے کے آخر میں ستونی فرمان نمبر ۷ ہے جو سب سے زیادہ قابل قدر ہے۔ یہ صرف ایک ہی یادگار میں محفوظ ہے۔ اور اس میں سلسلہ وار ان تمام باتوں کا ذکر ہے جو راجہ نے پرہیزگاری کو اپنی سلطنت میں رواج دینے کے لیئے کی ہیں ؛

چھوٹے ستونی کتبات۔

۱۹۰۵ء میں سارناتھ کے فرمان کے معلوم ہونے سے قبل ان چھوٹے ستونی کتبات کی اصلی تاریخی اہمیت کا

لہ رمنڈئی کے کھنڈر نیپالی سرحد کے چار میل اُس طرف دریائے تلاہ کے مشرق میں تقریباً مشرقی طول بلد ۸۰°-۱۱- شمالی عرض بلد ۲۷°-۵۸ میں واقع ہیں۔ پاورایا ایک ساتھ کے گاؤں کا نام ہے۔ نگلیوں کا ستون جو غالباً اپنی اصلی جگہ سے منتقل کیا گیا ہے رمنڈئی کے شمال مغرب میں۔ تقریباً ۱۳ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ رمنڈئی کتبے کی تصویر کے لئے دیکھو:۔ "اسوکا۔ دی بڈھسٹ امپرر آف انڈیا" پلیٹ نمبر ۲ ؛

لہ ستونی فرامین چھ ستونوں پر پائے جاتے ہیں یعنے دو دہلی میں۔ جن میں سے ایک انبالے کے قریب مقام توبرا سے اور دوسرا میرٹھ سے لایا گیا تھا۔ ایک ستون الہ آباد میں ہے۔ اور ایک فرمان لوریہ ارداج کے دونوں ستونوں پر۔ لوریہ نندن گڑھ اور رام پروا۔ ترہوت کے ضلع چمپارن میں ہے ؛

پورا اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ مگر اس کے بعد یہ معلوم ہوا کہ سانچی اور کوسمبی کے فرامین۔ جو ایک مدت سے دنیا کے سامنے تھے۔ سارناتھ کے بہتر اور محفوظ تر کتبے کے باختلاف عبارت نقل ہیں۔ اور کیونکہ ان تینوں فرامین میں مذہبی تفرقہ اندازی کے متعلق سزاؤں کا ذکر ہے۔ اس لئے یہ فرض کر لینا قرین قیاس ہے کہ ان میں اس کونسل کے فیصلے درج ہیں۔ جو ان ہی اختلافات و تفرقات کو مٹانے کے لئے منعقد کی گئی تھی۔ بلکہ کا فرمان محکمۂ خیرات کے متعلق ہے[1]؀

کتبات اور روایات کی شہادت کا تعلق۔

ہمارے نزدیک وہ ملخص جو گذشتہ صفحات میں ان کتبات کا درج کر دیا ہے اس سے ناظر کتاب کو کافی اندازہ ان عجیب و غریب کتبات کے سلسلے کی اہمیت کا ہو سکتا ہے جو اشوک نے ۲۵۷ء اور ۲۳۲ء ق م کے مابین نافذ کئے تھے۔ کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں جن کی بنا پر اشوک کی عظیم الشان عہد حکومت کی تاریخ صحیح طور پر لکھی جا سکتی ہے مگر ان کے علاوہ ادبی روائیتوں کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ اگر اعلٰی نہیں تو کم از کم اس سے کم درجے کی شہادت تو ضرور بہم پہنچاتی ہیں۔ اور اسی وجہ سے راجہ اشوک کی عہد حکومت کے متعلق روائیتوں کی شہادت کی نسبت تشریح کے طور پر چند کلمات لکھدینا لابدی اور ضروری ہیں؀

اشوک کے متعلق حکایات۔

اشوک کے متعلق بے شمار حکائیتوں کے مشہور ہو جانے سے ہی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عوام کے دل و دماغ پر اس کی زبردست شخصیت نے کیا کچھ اثر کیا تھا۔ بدھ مذہب کے ممالک میں اشوک کی شہرت کا بعینہ وہی

[1] کوسمبی اور ملکہ کے فرامین الہ آباد کے ستون پر اس طرح کندہ کئے ہوئے کہ جن سے گمان گذرتا ہے کہ وہ ضرور ستونی فرمانوں کے بعد کے زمانے کے ہوں گے؀

درجہ ہے جو شارلمین کا زمانۂ وسطیٰ کے یورپین ممالک میں۔ اور وہ دور از کار حکایات جنگی کی وجہ سے اشوک کی تاریخ تاریکی میں گم ہو جاتی ہے۔ ان حکایتوں کے مقابلے میں رکھی جا سکتی ہیں جنھوں نے سکندر۔ آرتھر۔ اور شارلمین کی شخصیتوں کو بالکل گھیر لیا ہے۔ اشوک کے متعلق یہ حکایتیں بہرحال بالکل بناوٹی اور دور از کار ہی نہیں۔ بلکہ ان میں تھوڑی بہت حقیقی تاریخی روایتیں بھی ملی جلی ہوئی ہیں۔ مگر جس طرح "مارتے ڈار تھر" اور نام نہاد "گلستھمنز" کی حکایتوں پر انگلستانی ہیرو۔ یا مقدونی بادشاہ کی تاریخوں کا انحصار نہیں ہو سکتا۔ بعینہٖ اسیطرح ان پر اشوک کے عہد حکومت کی سنجیدہ تاریخ کی بنا نہیں قائم کی جا سکتی۔ تنقید کا یہی وہ صریح و بیّن اصل اصول ہے جس کو موریا خاندان کے بہت سے مورخین نے نظر انداز کر دیا ہے۔ انھوں نے بجائے اس کے کہ صحیح جانب سے شروع کرتے سب سے پہلے سب سے قدیم کتبات کو لیتے۔ غلطی سے اپنی تاریخ کا آغاز بعید ترین حکایات سے کیا ؎

ان حکایات کی دو روئی۔

اشوک کے متعلق حکایات ہم کو دو طرف سے ملتی ہیں۔ ایک تو لنکا کی طرف سے اور دوسری شمالی ہند کی طرف سے۔ اور چونکہ لنکا کی یہ مختلف روائتیں ایسی کتابوں میں مذکور ہیں جن کو باقاعدہ کتب تاریخ ہونے کا ادعا ہے۔ جن میں سنین و تواریخ کا التزام بھی ہے۔ اور وہ تقریباً اسی سال سے یورپ کے پیش نظر ہیں۔ ان تمام وجوہ کی بنا پر ان جنوبی روایات نے ایک خاص شہرت اور وقعت حاصل کر لی ہے۔ لنکا کی سب سے قدیم تاریخ دیپاوس غالباً چوتھی صدی عیسوی میں تصنیف ہوئی اور اس طرح وہ اشوک کی موت کے کم از کم چھ صدی بعد کی کتاب ہے۔ اور اس کا ہمعصر تاریخ ہونے کا دعوی بالکل غلط ہے۔ اگرچہ ایسا نہیں ہے کہ وہ بالکل بیکار ہی ہو۔ بلکہ اکثر اوقات کام دے سکتی ہے ؎

شمالی ہند کی روایات بہتر اسناد ہیں

شمالی ہند کی روایات بھی تقریباً اتنی ہی قدیم ہیں۔

مگر کیونکہ وہ مختلف ہندی نیپالی چینی۔ تبتی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اس لئے اب تک ان پر کما حقہ غور و فکر نہیں کیا گیا۔ یہ ضروری ہے کہ تمام روائتی مواد کو بہت سخت احتیاط سے استعمال کرنا چاہیئے۔ اور وہ بھی صرف معتبر اور محقق اسناد کے ضمیمے کے طور پر۔ مگر تھوڑے غور کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ ان روایتوں میں جو شمالی ہند سے یعنی اشوک کی سلطنت کے عین مرکز میں مشہور ہوں تاریخی مواد کا ملنا لنکا روایات کے مقابلے میں کہیں زیادہ ممکن ہے۔ خصوصاً جیسا کہ دوسری روائتیں اس دور و دراز ملک میں ترجموں کے ذریعے نہیں معلوم کس طرح اور کہاں سے پہنچیں۔ اور اس کے بعد ان میں ان مقامی اور مذہبی طور پر تغیر و تبدل بھی ہوا۔ اس قیاس کی تصدیق اس وقت ہوتی ہے جبکہ ہم دونوں قسموں کی روائیتوں کا ایک دوسرے سے مقابلہ کریں۔ اس وقت یہ واضح ہوتا ہے کہ ان اہم مقامات میں جہاں کہ دونوں میں اختلاف ہے۔ شمالی ہند کی روایات صریحاً زیادہ قابل اعتبار و اعتماد ہیں؛

ضمیمۂ د

اشوک کے کتبات:۔ ان کے متعلق کتب پر ایک نوٹ

(یہ بیان ہماری کتاب "اسوکا" دوسری ایڈیشن صفحات ۲۴ - ۲۰۲ پر مبنی ہے۔ مگر اس کو بالکل کامل کر دیا گیا ہے)

پرنسپ وغیرہ کی پرانی اور متروک کتابوں کا ان میں ذکر نہیں کیا گیا۔ ۱۹۰۲ء تک کے اس مضمون کے متعلق تمام کتابوں کی مفصل فہرست آر۔ آٹو۔ فرینک کی کتاب "پالی اُنڈ سنسکرت" مطبوعہ سٹراسبرگ ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۵۔ ابرسلے گی۔ مندرجۂ ذیل فہرست میں ۱۹۱۳ء تک کی تمام کتابیں شامل ہیں۔ اور گمان یہ کیا گیا ہے کہ یہ فہرست تقریباً کامل ہے۔ کم از کم جہاں تک کہ مشہور اور ضروری کتب کا تعلق ہے۔ مگر بہرحال یہ ممکن ہے کہ چند مضامین نظر انداز ہو گئے ہوں۔

۱۔ عام کتب

امیلی سینارٹ:۔ لیس انسکرپشنز ڈی پیڈسئی (پیرس۔ جلد اول ۱۸۸۱ء۔ جلد دوم ۱۸۸۶ء)۔ یہ زبردست کتاب اگرچہ ایک حد تک بعد کی تحقیقات اور دریافتوں کی وجہ سے پرانی ہو گئی ہے۔ مگر پھر بھی کتبات کے بغور مطالعے کے لئے بالکل لابدی ہے۔

سر آرتھر کننگھم:۔ "انسکرپشنز آف اسوکا" (کلکتہ ۱۸۷۷ء)۔ اس کو صرف جغرافی حالات کے معلوم کرنے کے لئے دیکھنا چاہئے۔

پروفیسر ای۔ ہارڈی:۔ "کونگ اسوکا" (منیز ۱۹۰۲ء)۔ یہ اشوک کی عہد حکومت کی ایک سادہ اور عام فہم تاریخ ہے۔ اور اگرچہ عام طور پر محض

حکایات ہی پر اکتفا کیا ہے۔ مگر کہیں کہیں کتبات کا بھی ذکر آجاتا ہے۔

وی۔ اے۔ سمتھ:۔ "اسوکا نوٹس" انڈین انٹی کویری برائے سنہ ۱۹۰۳ء سنہ ۱۹۰۵ء سنہ ۱۹۰۸ء سنہ ۱۹۰۹ء سنہ ۱۹۱۰ء "اسوکا دی بدھسٹ امپرر آف انڈیا"۔ دوسری ایڈیشن سنہ ۱۹۰۹ء۔ پروفیسر ہلش ان کتبات کے ترمیم شدہ ترجمے مشرح نئی ایڈیشن آجکل (سنہ ۱۹۱۳ء) تیار ہو رہی ہے۔ اور امید ہے کہ اس کے شائع ہونے کے بعد سے معاملات متنازعہ فیہ کا فیصلہ ہو جائے گا۔ پروفیسر ہلش کے لئے ان کتبات کے نئے فوٹو تیار کئے گئے ہیں۔

۲۔ چھوٹے سنگی فرمان

ان کتبات پر چھوٹے ستونی فرامین کے تعلق سے بہت کچھ غور و فکر ہو چکا ہے۔ مگر ان کے متعلق اب تک کوئی آخری تصفیہ نہیں ہوا۔

جی بیوہلر:۔ سدا پور (میسور) کے متون کی اس نے تصحیح کی اور مع فوٹو کے ان کا ترجمہ ایپی گریفیا انڈکا جلد سوم صفحات ۱۳۵-۱۴۲ میں شائع کرایا۔ سہسرام۔ بیرات۔ روپ ناتھ کے متون کی تصحیح کی۔ اور سہسرام اور روپ ناتھ کے کتبات کے فوٹو کے ساتھ ان کا ترجمہ انڈین انٹی کویری جلد پنجم (سنہ ۱۸۷۶ء) صفحہ ۱۴۹-۱۶۰ میں طبع کرایا۔ پھر بعد میں نظر ثانی کے بعد انڈین انٹی کویری جلد ۲۲۔ (سنہ ۱۸۹۳ء) صفحہ ۲۰۹-۲۰۶ میں چھپوایا۔ اس کے علاوہ دیکھو انڈین انٹی کویری جلد ۲۶ (سنہ ۱۸۹۷ء)۔ صفحہ ۳۳۴۔

لیوس رائس:۔ سدا پور کے تینوں متون کا فوٹو ایپی گریفیا کرناٹیکا جلد ۱۱ میں (بنگلور سنہ ۱۹۰۹ء)۔ براہم گیری کے فرمان کا متن "میسور اینڈ کرگ فرام دی انسکرپشنز" میں (لندن سنہ ۱۹۰۹ء)۔

جے۔ ایف فلیٹ:۔ مضامین کا ایک سلسلہ سنہ ۱۹۰۳ء سنہ ۱۹۰۴ء سنہ ۱۹۰۸ء سنہ ۱۹۰۹ء سنہ ۱۹۱۰ء اور سنہ ۱۹۱۱ء کے جے۔ آر۔ اے۔ ایس میں۔

الیف۔ ڈبلیو۔ ٹامس :۔ انڈین انٹی کویری ۱۹۰۸ء صفحہ ۲۱۔
"دی ورد اناباہ ڈاسوکا" (رسالہ) جرنل ایشیاٹک میں۔ (مئی۔ جون ۱۹۱۰ء)۔
یہ مضمون زیادہ اہم ہے۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۱۳ء صفحہ ۷۷۴ء
پروفیسر ہلٹش :۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۱۰ء صفحات ۔ (۱۴۲) (۱۳۰۸)۔ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۱۱۴۔ ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۰۵۳ء
پروفیسر سلوین لیوی :۔ "وینتھا ۲۵۶" جے۔ ایشیاٹک میں۔ جنوری۔ فروری ۱۹۱۱ء
ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر :۔ "اپی گریفک نوٹس اینڈ کوئسچنز" انڈین انٹی کویری ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۷۳۔ ۱۷۰ء

۳۔ بھابرو کا فرمان

ایملی سینارٹ :۔ متن اور ترجمہ بعد از تصحیح۔ انڈین انٹی کویری ۱۸۹۱ء صفحہ ۱۶۵ء
جے۔ برگیس :۔ فوٹو۔ جے۔ ایشیاٹک میں ۱۸۸۷ء
ٹی۔ ڈبلیو۔ رہس ڈیوڈس :۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۸ء صفحہ ۶۳۹۔ جرنل پالی ٹکسٹ سوسائٹی ۱۸۹۶ء
ای۔ ہارڈی :۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس صفحہ ۳۱۱ و صفحہ ۵۷۷ء
پروفیسر سلوین لیوی :۔ "نوٹس سر ڈاؤرس انسکرپشنز ڈی پیدیسی" حصۂ دوم جے۔ ایشیاٹک میں مئی۔ جون ۱۸۹۶ء۔ (حصۂ اول میں چھوٹے سنگی فرامین پر بحث کی گئی ہے)
پروفیسر ڈی۔ ایچ۔ کوسمبی :۔ انڈین انٹی کویری ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۷ء
پروفیسر ہلٹش :۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۱۱۳ء
اے۔ اڈمنڈس :۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۱۳ء صفحہ ۳۸۵ء

۴۔ چودہ سنگی فرامین

ان کی سب سے اعلیٰ درجے کی ایڈیشن بیوہلر نے ایپی گریفیا انڈیکا جلد دوم صفحہ ۲-۴۴۷ ۴۴۷ طبع کرائی ہے۔ اور اس میں گرنار۔ شاہ باز گڑھی۔ السہرا۔ اور کالسی کے متنوں کے فوٹو بھی شامل ہیں۔ شاہ باز گڑھی کے بارھویں فرمان کا فوٹو۔ تیار کردہ بیوہلر مطبوعہ ایپی گریفیا انڈکا جلد اول صفحہ ۱۱۔ اسی نے برگیس کی کتاب "امراوتی" میں دھولی اور جوگدا کے متنوں کو بعد تصحیح کے مع ترجمہ چھپوایا۔ (اے۔ ایس۔ ایس۔ آئی ۱۸۸۷ء)۔ صفحہ ۱۱۴-۲۵۔ گرنار کے متن کا فوٹو مع ایک متروک اور پرانے ترجمے کے برگیس کی "کاٹھیاواڑ اینڈ کچھ" (اے۔ ایس۔ ڈبلیو۔ آئی) صفحہ ۹۳-۱۲۷ ؏

فرامین نمبر ۱ و ۲ پر ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر نے جرنل بمبئی برانچ رائل ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۲۰ (۱۹۰۲ء) میں بحث کی ہے۔ فرمان نمبر ۳ کے لئے دیکھو فلیٹ کا مضمون۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۸ء۔ صفحہ ۸۲۲-۸۱۱۔ فرمان نمبر ۴ پر جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۱۱ء صفحہ ۷۸۵ میں پروفیسر ہلش نے۔ اور انڈین انٹی کویری ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۵ میں ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر نے بحث کی ہے ؏

اس تمام سلسلۂ کتبات کے متعلق بہت سی باتوں پر وی۔ اے سمتھ نے "اسوکا نوٹس" میں بحث کی ہے۔ اور اس کے علاوہ آر۔ او فرینک نے بھی اس پر مفصل بحث کی ہے ؏

مجلس کے مضامین میں زیادہ قواعد صرف و نحو اور زبان کے متعلق بحث ہے یہ مضامین "جرنل امیریکن اورنٹیل سوسائٹی" ۱۹۱۱ء۔ اور "امیریکن جرنل آف فلالوجی ۱۹۱۰ء و ۱۹۱۱ء اور "انڈو جرمن فورشنگن" ۱۹۱۰ء و ۱۹۱۱ء میں شایع ہوئے۔ یہ تمام مضامین ایک حد تک ان چودہ سنگی فرامین کے متعلق ہی ہیں ؏

۵-کلنگ کے فرامین

ان پر سینارٹ اوگیرسن نے نظر ثانی کی۔ تصحیح کی۔ اور ان کا ترجمہ انڈین انٹی کویری جلد ۱۹ (۱۸۹۰ء) صفحہ ۱۰۲-۸۲ میں شایع کرایا۔ اور بیوہلر کے پہلے ترجمے کی تصحیح کی۔ مع فوٹو برگیس کی "امراؤتی" میں (اے۔ ایس۔ ایس۔ آئی۔ ۱۸۸۷ء) صفحہ ۱۳۱-۱۲۵؛

۶-سات ستونی فرامین

ان کا سب سے اچھا ایڈیشن بیوہلر کا ہے۔ مع ترجمہ اور چند فرامین کے فوٹو کے۔ انڈین انٹی کویری جلد دوم (۱۸۹۴ء) صفحہ ۲۷۴-۲۴۵- سینارٹ کی اور اس کے قبل کی ایڈیشن اور ترجمہ۔ انڈین انٹی کویری جلد ۲۷ (۱۸۸۸ء) صفحہ ۳۰۷-۳۰۳- جلد ۲۸ (۱۸۸۹ء) صفحہ ۷۳ و ۱۰۵-۳۰۰- دہلی (یعنے توپرا) اور الہ آباد کے فرامین کا فوٹو تیار کردہ بیوہلر۔ اور فلیٹ۔ انڈین انٹی کویری جلد ۱۳- (۱۸۸۴ء) صفحہ ۳۰۶؛

منموہن چکراورتی:- "اینیملز ان دی انسکرپشنز آف پیڈسٹی" (میمائرز آف۔ اے۔ ایس۔ بی۔ کلکتہ ۱۹۰۶ء)؛

ٹی مچلسن کا مضمون "نوٹس آف دی پلرایڈکٹس آف اسوکا" (انڈو جرمن فورشنگن۔ سٹرسبرگ ۱۹۰۸ء) میں اس میں متن پر بہت قابل قدر تنقید کی گئی ہے۔ اور تشریحات کی گئی ہیں؛

رام پروا کے ستون کے بیان کے لئے دیکھو جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۰۸۵۔ بہ ہیئت مجموعی ان ستونی فرامین میں کچھ زیادہ دقت واقعہ نہیں ہوتی؛

۷-چھوٹے ستونی فرامین

(۱) سانچی:- بیوہلر کا ایڈیشن اور ترجمہ ایپی گریفیا انڈکا جلد دوم

صفحہ ۷۸ و ۳۶۷ - ہلٹش - جے - آر - اے - ایس ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۶۷ ؔ
(۲) ملکہ کا فرمان :- بیوہلر کی ایڈیشن اور ترجمہ گریفیا انڈکا جلد دوم صفحہ ۸۷ و ۳۶۷ - اس کے نظر ثانی کے بعد :- انڈین انٹی کویری جلد ۱۹ (۱۸۹۰ء) صفحہ ۱۲۵ - سینارٹ کی بعد از نظر ثانی ایڈیشن اور ترجمہ :- انڈین انٹی کویری جلد ۱۸ (۱۸۸۹ء) صفحہ ۳۰۸ ؔ
(۳) کوسمبی :- سینارٹ نے اس کو انگریزی حروف میں انڈین انٹی کویری جلد ۱۸ (۱۸۸۹ء) صفحہ ۳۰۹ میں چھپوایا - فوٹو اور انگریزی طرز تحریر از بیوہلر - انڈین انٹی کویری جلد ۱۹ (۱۸۹۰ء) صفحہ ۱۲۶ ؔ
(۴) سارناتھ :- ووگل : بحث مع فوٹو - ایپی گریفیا انڈکا جلد ۸ (۱۹۰۵ء) صفحہ ۱۶۶ میں - سینارٹ کی کمپٹس اینڈریس ڈی ال اکیڈمی انسکرپشنز ۱۹۰۷ء صفحہ ۲۵ - وینس کا مضمون جرنل اینڈ پروسیڈنگس آف اے - ایس - بی - جلد ۳ سلسلۂ نو (۱۹۰۷ء) - نارمن کا مضمون رسالۂ مذکورۂ بالا میں جلد ۴ (۱۹۰۸ء) - بارتھ کا مضمون - جے - ایشیاٹک میں جلد ۱۰ (۱۹۰۷ء) صفحہ ۱۱۹ ؔ
ان تمام تشریح کا تعلق چھوٹے سنگی فرامین کے ساتھ ہے - اس لیئے وہ ملاحظہ ہوں - ستون کی شکل وصورت کے بیان کے لیئے دیکھو - اینول رپورٹ آرکی آلوجیکل سروے ۱۹۰۴-۵ء صفحہ ۳۶ و ۶۸ ؔ

---

۸ - ترائی کے یادگار کتبات

ان دونوں کی بیوہلر نے تصیح کی ہے - اور ان کو مع ترجمہ اور فوٹو کے ایپی گریفیا انڈکا جلد ۵ صفحہ ۴ میں طبع کرایا ہے - رمنڈئی کے کتبے کا فوٹو اور ترجمہ بعد از نظر ثانی "اسوکا" دوسرے ایڈیشن ۱۹۰۹ء میں ملے گا - دیکھو جے - آر - اے - ایس ۱۸۹۷ء صفحہ ۴ - ۱۹۰۸ء صفحہ ۴۹۱ - ۴۷۱ و ۸۲۳ - اور انڈین انٹی کویری جلد ۳۶ (۱۹۰۵ء) صفحہ ۱ ؔ

۹۔ اشوک اور دسرتھ کے غاروں کے نذرانے کے کتبے

ان سب کو بعد تصحیح بیوہلر نے ترجمہ کر کے مع فوٹو انڈین انٹی کویری جلد ۲۰ (سنہ ۱۸۹۱ء) صفحہ ۳۶۱ میں شایع کیا ہے ؀

باب ہفتم

اشوک موریا (بقیہ) اور اس کے جانشین

دھم یا قانون فرائض اشوک کے تمام فرمان بیشتر اس فلسفۂ اخلاق کی۔ جسے اشوک اپنی زبان میں دھم کہتا ہے۔ تشریح۔ تعلیم اور تاکید سے پر ہیں۔ کوئی ایسا انگریزی لفظ یا فقرہ نہیں جس سے پراکرت کے لفظ دھم (سنسکرت دھرم) کا مفہوم پوری طور پر ادا کیا جا سکے۔ تاہم بہرحال "قانون زہد" یا صرف "زہد" ایسے الفاظ ہیں جن سے ہم تقریباً ہندی لفظ کا مفہوم ادا کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر "قانون فرائض" کے ترجمے کو ترجیح دی جائے تو وہ بھی مستعمل ہو سکتا ہے۔ تمام فرامین میں اس "قانون زہد" یا "فرائض" کے وجوب اور صحت کو تسلیم کر لیا ہے۔ اور اس امر کی بالکل کوشش ہی نہیں کی گئی کہ اس کو مذہبی یا فلسفی دلائل سے ثابت کیا جائے۔ بلکہ جس طرح اس کے مذہبی مقتدا گوتم نے تمام مذہبی خیالات سے بالکل قطع نظر کر لیا ہے اسی طرح اشوک نے بھی ان کو بھلا دیا ہے۔ اس کے علاوہ ہندوؤں کا مروجہ مسئلۂ تناسخ صحیح تسلیم کر لیا گیا ہے اور اسی مسئلے پر تمام اخلاقی تعلیم کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

اہنسا مماثل جین مت اور برہمن ہندو مت کے چند فرق کی طرح اشوک کے بودھ مت کا بھی خاص الخاص اصول حیوانی زندگی کی تقدیس کا نہایت سرگرم اور کامل یقین تھا۔ اس کے متعلق فرامین کا اصول یہ ہے کہ جب تک فطرت اجازت دے ادنی سے ادنی جانوروں کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی زندگی کو ہمیشہ قائم رکھیں۔ یہ اصول بنی تھا

اس اعتقاد پر کہ تمام جاندار جس میں آدمی بھوت پریت۔ دیوتا۔ اور جانور سب کے سب شامل ہیں "وجود" کی ایک لامتناہی زنجیر کی کڑیاں ہیں[1]؛

مسئلہ تناسخ اور کرم

وہ ہستی جو اس وقت آسمان میں دیوتا کی حیثیت رکھتی ہے ممکن ہے کہ مرور ایام کے دوران میں بالآخر ایک کیڑے مکوڑے کی شکل دنیا میں نمودار ہو۔ اور بعینہ اسی طرح ایک کیڑے کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ بتدریج دیوتا کا درجہ حاصل کرلے۔ یہی عقیدہ ہے جو اس خیال سے مل جل کر کہ تناسخ کا دارومدار کرم پر ہے ہندوستان کے تمام فلسفے کا اصل اصول ہے۔ کرم کی تعریف یہ کی جاسکتی ہے کہ وہ کسی ہستی کی موت کے وقت اس کے زندگی بھر کے اچھے اور برے کاموں کا ایک قسم کا موازنہ یا اخلاقی نتیجہ ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے کہ جس کے ساتھ ہندوستان کا ہر مذہب وابستہ ہے۔ اس کو بعض اوقات ایسے نظریوں سے ملاجلا دیا جاتا ہے جن کے تحت ان کا ماننے والا روح کے وجود کو تسلیم کرلیتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس کو وہ لوگ بھی مانتے ہیں جو سرے سے روح کے نظریے کے بالکل قائل ہی نہیں؛

مقابلۃً انسانی زندگی سے تغافل

اس قسم کے خیالات کو ماننے والوں کے متعلق یہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ وہ بالکل صحیح طور پر ایک کیڑے کی زندگی کو بھی اتنا ہی موجہ اور قابل احترام تصور کرتے ہونگے جتنا انسانی زندگی کو۔ یہاں تک کہ عملی طور پر انسان کی زندگی سے جانداروں کی زندگی زیادہ قابل تقدس و احترام سمجھی جاتی تھی۔ اور بعض اوقات یہ بیہودہ منظر بھی ہمارے سامنے آجاتا ہے کہ جہاں کسی جانور کو مارنے یا محض گوشت کھانے پر انسان کی جان لے لی گئی ہو۔

---

[1] "بدھ مت کے تین مخصوص اصولوں میں سے پہلا یہ ہے کہ وجود کے تمام اجزاء ناپائدار ہیں"۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ وہ تمام مصائب و آلام کا گھر ہیں۔ اور تیسرے ان میں انانیت کا مادہ نہیں پایا جاتا۔ (وارن۔ "بدھ ازم ان ٹرانسلیشنز" صفحہ ۱۴ (مقدمہ)

بودھ اور جین مت کے پابند مذہب بادشاہوں نے اپنی رعایا کو سزائے موت دینے میں تامل نہیں کیا۔ اور خود اشوک بھی اپنی عہد حکومت کے دوران میں اس قسم کی سزا کے احکام برابر نافذ کرتا رہا۔ اس نے اپنی انسانی ہمدردی کے جذبات کو پورا کرنے کے لئے صرف اتنا کرنے پر اکتفاء کیا کہ اس کو اپنے دادا سے جو خونی تعزیرات ورثے میں ملی تھیں ان میں اتنی نرمی کر دی کہ جس شخص کو سزا دی جاتی تھی اس کو تین دن کی مہلت دی جاتی کہ وہ مرنے کے لئے تیار ہو جائے[1]۔

اشوک کا آغاز زندگی میں طرز عمل

یہ یقین کیا جاتا ہے کہ اوائل زندگی میں اشوک برہمنی مذہب کا پیرو تھا۔ اور خاص طور پر شیو کی پرستش کیا کرتا تھا۔ اس دیوتا کی بیوی کو خونی بھینٹ میں مزہ آتا ہے۔ اور اسی وجہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو خون بہانے میں کوئی تردد یا تامل نہیں ہوا۔ ہر دعوت کے موقعے پر شاہی باورچی خانے کو صرف ایک دن کا گوشت بہم پہنچانے کے لئے ہزاروں جانداروں کا خون بہا دیا جاتا تھا۔ مگر جب رفتہ رفتہ اس کے دل و دماغ میں بودھ مت کے خیالات سرایت کرتے گئے اسے روزانہ اتنے جانوروں کا ذبح ہونا ناگوار اور مکروہ معلوم ہونے لگا۔ اور آخرکار اس نے اس کی بالکل ممانعت کر دی۔ اور زیادہ سے زیادہ صرف تین جانور یعنے دو مور اور ایک ہرن ذبح کرنے کی اجازت دی۔ لیکن ۲۵۷ قم میں اس کی بھی قطعی ممانعت کر دی[2]۔

---

[1] ستونی فرمان ۴۔

[2] سنگی فرمان نمبر ا۔ اس کے متعلق مسٹر ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر نے اپنے مضمون "ایپی گرافک نوٹس اینڈ کوئسچنز" (جے بمبئی برانچ رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۰۲ء) میں جو بحث کی ہے، وہ قابل غور ہے۔ متوفی مسٹر ای۔ ٹامس کا خیال تھا کہ اشوک اوائل زندگی میں جین مت کا پیرو تھا۔ مگر اس کے وجوہ و دلائل کمزور ہیں۔

شاہی شکار کی موقوفی۔

اس سے دو سال قبل ۲۵۹ء ق م میں اشوک نے شاہی شکار کو جو اس کے دادا چندر اگپتا کے دربار کا سب سے بڑا ذریعہ تفریح طبع کا تھا موقوف کر دیا۔ وہ کہتا ہے کہ "گذشتہ زمانے میں بزرگ شاہان ماسلف تفریح طبع کیلئے ملک میں دورے کیا کرتے تھے۔ جن کے دوران میں شکار اور اسی قسم کی دوسری چیزوں سے وہ اپنا دل بہلایا کرتے تھے۔" مگر اب اشوک بادشاہ بزرگ و محترم اس قسم کی خفیف حرکتوں کو پسند نہ فرماتا تھا۔ بلکہ ان کی جگہ اس نے ایسے دورے مقرر کئے جن کے دوران میں وہ ملک و رعایا کی حالت ملاحظہ کر سکتا تھا۔ پاک نفس لوگوں سے ملاقات اور ان کو نذرانے دے سکتا تھا۔ اور ان ہی کے دوران میں قانون فرائض پر بحث اور اس کی تبلیغ کر سکتا تھا۔[1]

۲۴۳ء ق م کا قانون۔

جوں جوں وقت گذرتا گیا اسی طرح اشوک جانداروں کی زندگی کی تقدیس و تحریم کے اصول کا زیادہ سختی اور شدت سے پابند ہوتا گیا۔ اسی شدت کا نتیجہ ۲۴۳ء ق م میں یہ ہوا کہ نہایت ہی تاکیدی اور سخت قواعد نافذ ہوئے جن کا اطلاق بلاتمیز مذہب و عقائد اس کی تمام رعایا پر ہوا۔ اکثر قسم کے جانوروں کے ذبح کرنے کی ہر حالت میں ممانعت کر دی گئی۔ اور گوشت خوار لوگوں کیلئے جن جانوروں کے ذبح کرنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ ان کے مارنے کی اگرچہ ممانعت نہیں کی گئی مگر ان پر سخت سے سخت پابندیاں لگا دی گئیں۔ سال کے چھپن مخصوص دنوں میں جانوروں کے ذبح کرنے کی

---

[1] چٹانی فرمان نمبر ۸۔ "شاہ بزرگ و محترم" "دیوا نمپیا پیادسی" کا خاصہ اچھا ترجمہ ہے۔ یہ الفاظ اشوک کا شاہی لقب ہیں اور تحویل کے ذریعے سے ان کا ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ ان کا لفظی ترجمہ یہ ہے:۔

"دیوتاؤں کا پیارا اور کریم النفس"

قطعی ممانعت کر دی گئی۔ اور اس کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی رعایا کی آزادی میں بہت رکاوٹیں پیدا کر دیں[۱]۔ اشوک کی زندگی میں ان قواعد پر بلاشک و شبہ خاص عمال رعایا سے عمل کراتے رہے۔ اور غالباً ان میں سے اہم قواعد کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزائے موت بھی دی جاتی ہوگی۔ جیسا کہ بعد کے زمانے میں ہرش کے عہد حکومت میں ہوا کرتا تھا۔

تعظیم و تکریم

دوسرا بڑا اصول جس کی اشوک تعلیم دینا چاہتا تھا اور جس پر وہ مصر تھا وہ والدین۔ بزرگوں۔ اور استادوں کا ادب ملحوظ رکھنا تھا۔ اس کے برعکس بزرگوں کا یہ فرض تھا کہ چھوٹوں سے اپنی تعظیم کرانے کے ساتھ ساتھ ہی وہ بھی ان چھوٹوں کے ساتھ جن میں خانگی ملازم۔ غلام اور گھر کے تمام جانور شامل تھے ملاطفت اور نرمی سے پیش آئیں[۲]۔ ان فرائض کے ساتھ لوگوں کو اس کی بھی تلقین کی جاتی تھی کہ وہی خیال جوان کو ایک طرف تو اپنے بزرگوں سے ادب اور دوسری طرف

---

[۱] ستونی فرمان نمبر ۵۔ اس کے ساتھ مقابلہ کرو چانکیا کے قواعد کا۔ آرتھ شاستر باب ۲ فصل ۲۶۔ ان دونوں قواعد میں ایک بیّن فرق یہ ہے کہ اشوک کے فرمان میں گائے یا اور سینگ دار جانوروں کی حفاظت کا کوئی ذکر نہیں۔ مگر اس کے برخلاف ارتھ شاستر میں ان کے مارنے یا ذبح کرنے والے کی سزا ہی تجویز کی گئی ہے جو (۵۰) پنہ کی چوری کرنے والے کی تھی۔ اس کے علاوہ دیکھو باب ۱۳ فصل ۵۔ انڈین انٹی کویری ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۶۴ میں ہے۔

[۲] غلاموں اور نوکروں کے متعلق قوانین کے لئے دیکھو "ارتھ شاستر" باب ۳ فصل ۱۳ و ۱۴۔ عام قانون یہ تھا کہ کوئی آریہ غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ مگر اس قاعدۂ کلیہ میں استثنا بھی ہے۔ جب مگاس تھنیز نے یہ بیان کیا ہے کہ ہندوستان میں غلامی کا بالکل رواج نہیں تو شاید اس کے خیال میں بھی کوئی ایسا ہی قانون یا قاعدہ ہوگا۔

اپنے خوردوں سے ملاطفت سے پیش آنے پر مائل کرتا ہے۔ اسی کی بناپر ان کو اس بات پر آمادہ رہنا چاہیئے کہ وہ اپنے قریبوں اور رشتہ داروں سنیاسیوں اور برہمنوں کے ساتھ خوش اخلاقی اور خوش اطواری سے پیش آئیں اور اس کے ساتھ ہی ان کو ان فرقوں اور اپنے دوستوں کے ساتھ سخاوت اور فیاضی سے کام لینا چاہیئے؛

راستی

لوگوں کا تیسرا فرض یہ تھا کہ وہ راستی کو اختیار کریں۔ ان تینوں بڑے بڑے اصولوں کو چھوٹے سنگی فرمان نمبر ۲ میں نہایت اختصار کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ہم اس کو یہاں نقل کرتے ہیں:-

"بادشاہ کہتا ہے:-

"ماں باپ کی فرماں برداری کرنی چاہیئے۔ اسی طرح تمام جانوروں کی عزت کرنی چاہیئے۔ اور ہمیشہ سچ بولنا چاہیئے۔ یہ ہیں قانون زہد کی خوبیاں جن پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح چیلوں کو استاد کا ادب کرنا چاہیئے۔ اور اعزا و اقربا سے نیک سلوک کرنا چاہیئے قدیم طریق زہد کا یہ معیار ہے۔ اس پر زندگی کی طوالت کا انحصار ہے۔ اور لوگوں کو اس پر عمل کرنا لابدی ہے۔"

مذہبی رواداری

اس نے بڑے بڑے فرائض سے اتر کر چھوٹے فرائض میں دوسرے کے عقائد کے ساتھ ہمدردی اور رواداری کو ایک ممتاز جگہ دی۔ اور ایک خاص فرمان۔ (سنگی فرمان نمبر ۱۲)۔ اسی موضوع پر بحث اور اس کی تشریح کے لیئے مخصوص ہے۔ شاہی معلم اخلاق کی رعایا کو تنبیہ کیا گیا تھا کہ وہ اپنے ہمسایوں کے عقائد و مذاہب کا ذکر بری طرح کرنے سے باز رہیں۔ اور یہ امر یاد رکھیں کہ تمام مذاہب کی غائت اور انتہا تزکیۂ نفس اور خودداری ہے اور اس طرح خواہ وہ جزئیات میں کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں مگر اصل اصول میں

اشوک کا طرز عمل سب ایک ہیں۔

اشوک نے تمام مذاہب و فرق کے لوگوں کا ادب ملحوظ رکھ کر یہ بات عیاں و ظاہر کر دی کہ وہ ان آزادانہ اصولوں پر بذات خود عمل کرنے کے لئے تیار ہے۔ غار کے کتبات میں اجیوک کو بہت بیش قیمت تحائف و نذریں دینے کا ذکر ہے۔ حالانکہ یہ ایک بالکل خود مختار سنیاسیوں کا مذہبی فرقہ تھا۔ ان ہی کتبات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے دوسرے قدیم بادشاہوں کی طرح اشوک نے بھی درحقیقت عام مذہبی رواداری کی حکمت عملی اختیار کر لی تھی[1]۔

اس میں حدود

مگر اس کی رواداری اگرچہ بالکل سچی اور حقیقی تھی۔ مگر وہ دو لحاظ سے محدود تھی۔ اول تو یہ کہ ان تمام ہندی مذاہب کی جن سے اشوک کو سابقہ پڑا تعلیمات بہت کچھ ایک دوسرے سے ملتی جلتی تھیں۔ اور یہ سب کی سب ہندو خیالات اور احساس ہی کی مختلف صورتیں تھیں۔ ان کے درمیان کوئی ایسا فرق حائل نہ تھا جیسا مثلاً پران کی ہندو مت اور اسلام میں ہے۔ دوسرے۔ اگرچہ شاہی مذہبی رواداری عقائد کے معاملے میں بالکل کامل تھی۔ لیکن ظاہرا اور صریح عمل تک اس کی رسائی نہ تھی۔ ایسی بھینٹیں جن میں

---

[1] رواداری کا یہ خیال اب تک جاری ہے۔ بیوہلر سے راجپوتانے میں کسی نے کہا تھا کہ "راجہ کو کسی خاص فرقے کی عبادت سے تعلق نہ رکھنا چاہیئے۔ بلکہ اس کو اپنی رعایا کے ہر ایک مذہبی فرقے سے دلچسپی کا اظہار کرنا چاہیئے" (انڈین انٹی کویری جلد ۶۔ صفحہ ۱۸۳)۔ اس اصول پر اکثر عمل کیا گیا ہے۔ ارتھ شاستر نے یہاں تک حکم دیا ہے کہ۔ بادشاہ جب کبھی کسی نئے علاقہ ملک کو فتح کرے تو اس کو چاہیئے کہ اپنی نئی رعایا کی اس مذہب کی پیروی کرے۔ جس کے ذریعے وہ اپنے قومی۔ مذہبی۔ یا جماعتی تیوہاروں کو ادا کرتے ہوں۔ (باب ۸ فصل ۵۔ انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۶۴)۔

جانوروں کا ذبح کرنا ضروری تھا اور اس کے بغیر بعض دیوتاؤں کی پرستش کی تکمیل نہ ہوسکتی تھی۔ حکومت کے شروع زمانے ہی سے کم از کم دار السلطنت میں قطعی ممنوع قرار دے دی گئی تھیں[1]۔ اور اس کے علاوہ ستونی فرامین کے نافذ ہونے کے بعد ان پر اور پابندیاں اضافہ کردی گئی تھیں۔ کسی مذہب کے شخص کو یہ اجازت نہ تھی کہ ان قوانین کے خلاف جن کو حکومت نے اصولاً نافذ کیا تھا اپنے دین کی بنا پر صدائے احتجاج بلند کرسکے۔ عوام کو اس طرح اجازت تھی کہ وہ جو کچھ جی چاہے عقیدہ اور مذہب رکھیں۔ مگر طریق عمل میں ان کو سلطنت کے احکام پر کاربند ہونا ضروری تھا؛

اصلی خیرات اگرچہ خیرات کرنے کی بہت تاکید کی گئی تھی۔ مگر ساتھ ساتھ ایک اور بڑے اصول کی تلقین بھی کی گئی تھی۔ کہ "قانون زہد" کو خیرات میں کسی دوسرے کو بخشنے سے اور کوئی بڑی خیرات نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی اور چیز تقسیم میں "زہد" کے لوگوں میں تقسیم کرنے کے برابر ہوسکتی ہے[2]"۔ اتفاق سے یہی خیال بالکل انھیں الفاظ میں کرامول کے سب سے پرانے خط میں پایا جاتا ہے۔ وہ سینٹ آئن مقام سے لکھتا ہے!۔ "شفاخانوں کے بنانے سے انسان کے جسم کو راحت پہنچتی ہے۔ معبدوں کا تیار کرانا زہد و اتقا کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔ مگر وہ لوگ جو دوسروں کے لیئے روحانی قوت بہم پہنچاتے ہیں۔ اور روحانی عبادت گاہیں تعمیر کرتے ہیں وہی صحیح معنوں میں فیاض اور پرہیزگار اور عبادت گذار کہے جاسکتے ہیں[3]؛

حقیقی مذہبی رسوم اشوک مذہبی رسوم کے بجالانے کی بہت زیادہ پروا نہ کرتا تھا۔ بلکہ وہ طبعاً اس قسم کی تمام رسوم کو بنظر حقارت

---

[1] سنگی فرمان نمبر ۱؛ [2] سنگی فرمان نمبر ۱۱؛
[3] خط مورخہ ۱۱ جنوری ۱۶۳۵؁ء۔ کارلائل کی ایڈیشن میں؛

دیکھتا تھا۔ ان کے متعلق اس کا خیال تھا کہ "ان کا ثمرہ بے حقیقت اور اثر مشتبہ ہے"۔ جس طرح حقیقی خیرات یہ تھی کہ انسان اپنے بنی نوع میں "قانون زہد" کو مشتہر کرے اور اس کی تبلیغ میں مدد دے۔ اسی طرح اصلی مذہبی رسوم یہ تھیں کہ وہ اس قانون پر عمل کرے۔ کیونکہ "اس کا ثمرہ بہت ملتا ہے"۔ ان ہی رسوم میں اپنے غلاموں اور نوکروں کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آنا۔ استادوں کی عزت کرنا حیات کی تقدیس ملحوظ رکھنا۔ اور برہمنوں اور تارک الدنیا اشخاص کے ساتھ ایثار بھی شامل ہے۔ یہ اور اسی قسم کے اور افعال "رسوم زہد" کہلاتے تھے[1]۔

نیک خصائل جن کی تعلیم دی گئی ہے

مبلغ (یعنی اشوک) کو لوگوں کے ظاہری اعمال و افعال سے بجائے ان کے تزکیۂ نفس کا زیادہ خیال تھا۔ وہ اپنی مذہبی جماعت یعنی اپنی وسیع سلطنت کے تمام افراد کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا تھا کہ وہ "رحم۔ فیاضی۔ حق۔ پرہیزگاری۔ شرافت اور دینداری" کے خصائل کی تحصیل میں منہمک رہیں۔ وہ یہ امید ظاہر کرتا ہے کہ ان شاہی قواعد و ضوابط کے توسط سے جو خاص اسی مقصد کے لئے نافذ کیئے گئے ہیں پرہیزگاری عام طور سے پھیل جائے گی۔ لیکن اگرچہ وہ اپنی تمام شاہی قوت ان قواعد و ضوابط کا پابند کرنے میں صرف کر رہا تھا۔ مگر پھر بھی اس کا انحصار زیادہ تر ان لوگوں کے دھیان گیان پر تھا جن میں کہ اس کی تعلیمات کی وجہ سے مذہبی جوش پیدا ہو گیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ "ان دو طریقوں میں سے پرہیزگاری کے قواعد و ضوابط کچھ زیادہ کارآمد نہیں۔ بلکہ دھیان بہت بیش قیمت چیز ہے"[2]۔

سرکاری تبلیغ کا کام

باوجود اس کے کہ وہ ان قواعد و ضوابط کے نسبتہً ہیچ ہونے کا قائل تھا۔ لیکن پھر بھی راجہ نے اپنے عقائد اور اصول کی تبلیغ کے لئے حکومت کے وسائل سے کام لینے میں دریغ نہ کیا۔ اور

[1] سنگی فرمان نمبر ۹ ق

[2] سنگی فرمان نمبر ۷ ق

ان کے ذریعے سے بھی اپنے عقائد کا لوگوں کو پابند کیا - تمام شاہی عُمّال کو جن کو ہم موجودہ زمانے کی اصطلاحات کے بموجب لفٹننٹ گورنر - کمشنر - اور ڈسٹرکٹ میجسٹریٹ کہہ سکتے ہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے موسمی دوروں سے فائدہ اٹھائیں - اور ان کے دوران میں رعایا کی مجلسیں منعقد کر کے ان کو انسانی فرائض کی تعلیم و تلقین کریں - اس فرض کی ادائی کے لئے ہر سال میں چند دن مخصوص کر دیئے گئے تھے - اور اپنے دوسرے فرائض کے علاوہ عُمّال کو حکم تھا کہ وہ اس فرض کو بھی پورا کریں[1]؎

محتسب محتسبوں کا ایک خاص محکمہ قائم کیا گیا جس کا اصلی مقصد یہ تھا کہ اہمسا اور والدین کے ادب و احترام کے متعلق وہ تمام قواعد و ضوابط کی لوگوں سے پابندی کرائیں - ان عُمّال کو صریحاً حکم تھا کہ وہ ہر مذہبی فرقے اور آبادی کی ہر جماعت یہاں تک کہ شاہی خاندان کے افراد کے چال چلن کی بھی تفتیش و تحقیق کریں - ان کے علاوہ اور دوسرے افسر اس کام کے لئے مقرر کیئے گئے کہ وہ عورتوں کے چال چلن کی نگرانی کا نازک کام انجام دیں[2]؎ - عملی طور پر اس انتظام کی وجہ سے بہت کچھ جاسوسی اور ظلم و ستم ہوتا ہوگا - اور اگر ہم بعد کے زمانے کے ایسے بادشاہ کے طرز عمل کو مدنظر رکھیں جس نے اسی قسم کے کام کی کوشش کی تو ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سے سخت سزائیں دی جاتی ہوں گی؎

ہرش کا ایسا ہی طرز عمل - ہمعصر شہادت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں ہرش نے جو بظاہر اشوک کے تمام قوانین کی تقلید کے درپئے تھا اس امر میں

---

[1] سنگی فرمان نمبر ۳ - کلنگ کے فرامین؎

[2] سنگی فرامین نمبر ۵ و ۷ - ستونی فرمان نمبر ۷؎

ذرا تامل نہیں کیا کہ کسی ایسے شخص کو جس نے جانور کے ذبح کرنے یا گوشت خواری کے سبب شاہی احکام کی خلاف ورزی کرنے کی جرأت کی ہے سزائے موت دے۔ خواہ یہ جرم اس کی سلطنت کے کسی حصے میں کیوں نہ واقع ہوا ہو[۱]؎

کمارپال کا طرز عمل۔

بارھویں صدی عیسوی میں کمارپال مغربی ہند کے حصۂ گجرات کے بادشاہ نے جب ۱۱۵۹ء میں جین مت قبول کرلیا تو اس نے اہمسا کے اصول پر نہایت سختی سے عمل کرانا چاہا۔ اور اپنے قوانین کے توڑنے والوں کو وحشیانہ اور جابرانہ سزائیں دیں۔ ایک بدقسمت سوداگر نے۔ ایک جوں کو مار ڈالا۔ اس سنگین جرم کا مقدمہ انہلواڑہ کی ایک خاص عدالت میں پیش ہوا۔ اور اس کی پاداش میں سوداگر کا تمام مال ومتاع ضبط کرلیا گیا۔ اور اس سے ایک مندر تعمیر کرادیا گیا۔ ایک اور بدبخت کو جس نے گوشت کی ایک قاب شہر میں لاکر دارالسلطنت کی تحریم میں رخنہ ڈالا تھا قتل کردیا گیا۔ وہ اسی خاص عدالت کا جس کو کمارپال نے قائم کیا تھا بالکل وہی مقصد اور کام تھا جو اشوک کے احتساب کا تھا۔ اور اس طرح اس بعد کے زمانے کی عدالت کے کام سے ہم کو اس قدیم عدالت کی کارروائیوں کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے جس کو اشوک نے قائم کیا تھا[۲]؎

کشمیر میں محتسب

اس کے آگے چل کر بالکل موجودہ زمانے میں بھی اشوک کے محتسبوں کی مثال ملتی ہے۔ ۱۸۷۶ء میں ریاست کشمیر میں ایک پابند مذہب راجہ برسر حکومت تھا۔ اس کے زمانے میں

---

[۱] بیل کا "ریکارڈس" جلد اول صفحہ ۲۱۴؎

[۲] بیوہلر:- "ایوبوڈیس لیبن ڈیس جینا مانکس ہیم چندرا" مطبوعہ وین ۱۸۸۹ء صفحہ ۳۹۔ کمارپال کے تبدیل مذہب کی تمام حکایت (صفحہ ۴۲-۳۹) اس حیثیت سے بہت زیادہ دلچسپ ہے کہ اس سے اشوک کے فرامین پر بہت روشنی پڑتی ہے؎

ہندوؤں کے شاستروں کے احکام کی خلاف ورزی کرنا سیاسی جرم تصور کیا جاتا تھا۔ اس کی تحقیق و تفتیش کے لئے ایک خاص عدالت منعقد ہوتی تھی جس میں ان خاندانوں کے پانچ پنڈت شامل ہوتے تھے جن میں یہ کام نسلاً بعد نسل چلا آتا تھا۔ یہ عدالت خاص ایسے جرائم کا تصفیہ کرتی تھی[۱]؎

دکن میں محتسب

انیسویں صدی کے درمیان اور غالباً اس کے بعد تک اسی قسم کے موروثی برہمن خاندیس دکن اور کونکن کے علاقے میں ان تمام مجرموں کے جرائم کی تحقیق کرتے تھے جنھوں نے ذات کے قواعد کو توڑا ہو۔ اور اس کے بعد ان پر کفارے کے طور پر جرمانہ۔ نفس کشی۔ یا ذات باہر کرنے کی سزا دیتے تھے[۲]؎

یہ قدیم اور موجودہ مثالیں اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ جب اشوک نے محتسبوں یعنے ان افسروں کو مقرر کرنے کی بدعت شروع کی "جن کو کہ اس سے قبل کبھی کسی زمانے میں بھی مقرر نہیں کیا گیا تھا" تو اس کی یہ جدت طرازی ہندوؤں کے خیالات اور احساسات کے عین مطابق تھی۔ اور اسی وجہ سے آئندہ زمانے میں مختلف مذاہب کے حکمرانوں نے اس امر میں اس کی تقلید کی ؎

مہتمم محکمۂ خیرات

اشوک کا زہد و اتقا، بہت سے نیک دلی اور رحم کے کاموں کی عملی صورت میں ظاہر ہوا کرتا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذکر کرنے سے وہ خوش اور مسرور ہے۔ حقیقی خیرات کے اپنے قیاس کے باوجود وہ فیاضی کے ساتھ خیرات کیا کرتا تھا۔ بادشاہ اور اس کے خاندان کے افراد کے خیراتی عطیات کی

---

[۱] بیوہلر:- "رپورٹ آف اے ٹور" جرنل بمبئی برانچ رائل ایشیاٹک سوسائٹی (۱۸۷۶ء) جلد ۱۲- غیر معمولی نمبر صفحہ ۲۱ ؎

[۲] کلکتہ ریویو (۱۸۵۱ء) جلد ۱۵ صفحہ ۲۵ منقول انڈین انٹی کویری (۱۹۰۳ء) جلد ۳۲ صفحہ ۳۶۵ ؎

نگرانی کا کام محتسبوں اور دوسرے عُمّال کے ہاتھ میں تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی لوگوں کو ملا کر ایک شاہی محکمۂ خیرات قائم کر لیا گیا تھا۔[۱]

مسافروں کی آسایش کے سامان۔

مسافروں کی ضروریات کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ ہر زمانے میں پابند مذہب ہندوستانیوں نے ان کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کیا ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ مسافروں اور بے زبان جانوروں کے لئے جن کو اشوک کسی حال میں فراموش نہیں کرتا تھا۔ جو کچھ بندوبست اور انتظام اس نے کیا تھا اس کو خود بادشاہ ہی کے الفاظ میں بیان کر دیا جائے۔ وہ کہتا ہے "میں نے سڑکوں کے دو طرفہ کیلے کے درخت نصب کرا دیئے ہیں۔ تاکہ انسان اور حیوان کو چھاؤں نصیب ہو۔ میں نے آم کے درختوں کے جھنڈ نصب کرا دیئے ہیں۔ اور ہر نصف کوس[۲] کے فاصلے پر کنوئیں کھدوا دیئے ہیں۔ آرام و آسایش کے لئے مکان تعمیر کئے ہیں۔ اور ہر جگہ انسان اور حیوان کے استعمال کے لئے بے شمار سبیلیں تیار کرا دی ہیں۔" اس کے علاوہ چندر اگپتا ہی کے زمانے میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ستون قائم کر دیئے گئے تھے۔

بیماروں کی امداد

اشوک کو اپنے مصیبت زدہ بنی نوع اور بے زبان جانوروں کے ساتھ جو گہری ہمدردی تھی اس کا اظہار اس طرح پر بھی ہوا کہ اس نے بیماروں کی امداد کا بندوبست بہت وسیع پیمانے پر کیا تھا۔ اس نے نہ صرف اپنی سلطنت کے مختلف صوبجات میں انسانوں اور جانوروں کی تیمارداری کا انتظام کیا۔ بلکہ اس کام کو اس نے اور وسعت دی اور جنوبی ہند اور یونانی مقبوضات

---

[۱] سنگی فرامین نمبر ۵ و ۷۔ ستونی فرامین نمبر ۷۔ ملکہ کا فرمان۔

[۲] ستونی فرمان نمبر ۷۔ سنگی فرمان نمبر ۲۔ ڈاکٹر فلیٹ نے "ادھکوسکیا" کا ترجمہ "آٹھ کوس کے فاصلے پر" کیا ہے (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۴۰)۔

ایشیا کی دوست دار سلطنتوں میں اس کا انتظام کیا۔ دواؤں میں کام آنے والی جڑی بوٹیاں جہاں پر کہ پیدا نہ ہوتی تھیں وہاں ان کو حسب ضرورت یا تو بویا گیا یا دوسرے ممالک سے لائی گئیں[1]۔

سورت میں جانوروں کا شفاخانہ۔

احمد آباد۔ سورت اور مغربی ہند کے دوسرے شہروں میں جو جانوروں کے شفاخانے آج تک موجود ہیں وہ یا تو موریا خاندان کے بادشاہ کے شفاخانوں کے باقیات الصالحات ہیں اور یا ان کی تقلید ہے سورت کے شفاخانے کا مندرجۂ ذیل حال جس طرح کہ وہ اٹھارویں صدی کے آخر میں جاری تھا غالباً پاٹلی پتر کے شفاخانے کے بالکل مناسب ہوگا:۔

سورت کا سب سے زیادہ دلچسپ مقام بنیوں کا شفاخانہ ہے۔ مگر ۱۷۸۰ء سے قبل اس کا کوئی ذکر ہم کو دستیاب نہیں ہوا۔ اس وقت یہ ایک وسیع زمین پر قائم تھا اور اس کے ارد گرد چار دیواری تھی۔ یہ تمام زمین مختلف حصوں میں تقسیم کی گئی تھی تاکہ جانور ان میں رہ سکیں۔ بیماری کے زمانے میں ان کی نہایت احتیاط سے نگہداشت کی جاتی تھی۔ اور بڑھاپے کے زمانے میں جب وہ کمزور ہو جائیں تو ان کو وہاں پناہ مل سکتی تھی"۔

"اگر کسی جانور کا کوئی عضو ٹوٹ جاتا اور کسی اور وجہ سے وہ بالکل بیکار ہو جاتا تو اس کا مالک اُسے شفاخانے میں لاتا۔ اور وہاں اس کے مالک کی قوم و مذہب کے بلا امتیاز اس کو رکھ لیا جاتا۔ ۱۷۷۲ء میں اس شفاخانے میں گھوڑے۔ خچر۔ بیل۔

[1] سنگی فرمان نمبر ۲۔

بھیڑ - بکری - بندر - مرغیاں - کبوتر - اور بہت سے
قسم کے پرند تھے - ان کے علاوہ ایک ضعیف
کچھوا بھی تھا جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ (۷۵) برس
سے وہاں ہے - مگر سب سے زیادہ عجیب حصہ وہ تھا
جہاں چوہے - چوہیاں - کھٹمل اور اسی قسم کے موذی
حشرات الارض رکھے جاتے اور ان کو ان کے
مناسب حال خوراک بہم پہنچائی جاتی تھی[1]"

ان شفاخانوں کا انتظام عام طور پر اس اسلوب پر کیا جاتا تھا کہ
ان میں راحت سے زیادہ جانوروں کو تکلیف ہوتی تھی[2]

بیرونی ممالک میں تبلیغ مذہب۔ اشوک کی وسیع سلطنت اور زیر سیاست علاقوں میں
مختلف ذرائع سے حکومت کے زیر اہتمام جس تندہی سے
تبلیغ مذہب کا کام جاری تھا اس سے اس کا
جوش و خروش ٹھنڈا نہ ہوتا تھا - اس کی دلی خواہش تھی - کہ خود اس کے
مخصوص فلسفۂ اخلاق اور بودھ مت کی تعلیمات کی برکت ان خود مختار
سلطنتوں تک پہنچائی جائے جن سے کہ اس کا تعلق تھا - اس مقصد کو
مدنظر رکھ کر اس نے بیرونی ممالک میں تبلیغ کرنے کے لئے اعلیٰ پیمانے پر
اپنی زیر نگرانی انجمنیں قائم کیں - ان انجمنوں کا اثر اس زمانے میں بھی ہمارے
پیش نظر ہے - اس کا ایسے اعلیٰ پیمانے پر ان مذہبی مجالس کے قائم
کرنے کا خیال بالکل اچھوتا تھا - اور بہمہ وجوہ کامیاب ثابت ہوا -

---

[1] ہیملٹن :- "ڈیسکرپشن آف ہندوستان" (۱۸۲۰ء) جلد اول صفحہ ۷۱۸ -

[2] کروک :- تھنگز انڈین مضمون پنجراپول (مرے ۱۹۰۶ء) - یہ بنیوں کی ذات جو
اس شفاخانے کا خرچ ادا کرتے تھے عام طور پر یا تو جینی ہوتے ہیں اور یا وشنو
مذہب سے تعلق رکھتے ہیں - اور یہ دونوں مذاہب جانوروں کی زندگی کی حرمت
میں بودھ مت سے بھی پیش پیش ہیں[2]

ان کو اس نے نہایت کامل طور پر اپنی خانگی مجالس تبلیغ کے ساتھ ساتھ کیا۔ اور ان کا نتیجہ کامیابی کی صورت میں نکلا ؛

اس تبلیغ کی حدود

۲۵۶ سنہ ق م سے پہلے جب سنگی فرامین کو نافذ کیا گیا۔ شاہی مبلغین سلطنت کی سرحد کی زیر سیادت ریاستوں اور قوموں۔ حدود سلطنت کے اندر جنگلی علاقوں۔ جنوبی ہند کی خود مختار سلطنتوں۔ لنکا۔ اور شام۔ مصر۔ سیرین۔ مقدونیہ اور اپیرس کے ممالک میں بھیجے جا چکے تھے۔ ان موخر الذکر میں بالترتیب انٹی آکس تھیاس۔ ٹولمی فیلڈلفس۔ میگس۔ انٹی گنوس گونٹس۔ اور سکندر حکمران تھے۔ اس طرح اس کا تبلیغی مطمح نظر تینوں براعظموں یعنے افریقہ۔ یورپ اور ایشیا پر حاوی تھا ؛

زیر سیادت ریاستیں اور اقوام

اس طریقے سے وہ زیر سیادت ریاستیں اور اقوام جو بودھ مذہب کے زیر اثر آ گئیں ان میں کامبوج[1] کی قوم جو یا تو تبت اور یا ہندوکش کے کوہستان میں رہتی تھی۔ بہت سی کوہستان ہمالیہ کی اقوام۔ وادئ کابل اور اس کے مغربی علاقے کی قومیں گندھر اور یون۔ اور بھوج۔ پلند۔ پٹینگ اقوام تھیں جو بندھیاچل اور مغربی گھاٹ کے پہاڑوں میں آباد تھیں[2]۔

[1] نیپالی روایت کے مطابق کامبوج دیس کے نام کا اطلاق تبت پر ہوتا ہے۔ مگر موجودہ تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ کامبوج قوم ایک ایرانی زبان بولتی تھی اور اسی وجہ غالباً وہ ہندوکش کے پہاڑوں میں آباد ہو گئی ؛

[2] پٹینگ قوم کا حال اب تک نامعلوم ہے۔ بھوج غالباً برار میں مقیم تھے (ایلیچ پور۔ دیکھو کولسنر کی کتاب "دشکمار چرت" اور بمبئی گزیٹر (۱۸۹۶ سنہ) جلد اول حصہ ۲ صفحہ ۲) پلند بندھیاچل میں نربدا کے قریب آباد تھے (کتاب مذکورۂ بالا صفحہ ۱۴۰)۔ مگر پلندا کا لفظ مبہم طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اور بعض اوقات اس کا اطلاق ہمالیہ کی اقوام پر بھی ہوا کرتا تھا ؛

ان کے علاوہ دریائے کرشنا اور گوداوری کے درمیانی علاقے کی سلطنت اندھر بھی اس ہی زمرے میں شامل تھی۔

جنوبی ہند کی سلطنتیں۔

چودہ عرض بلد کے نیچے کی انتہائی جنوب کی ہندی اقوام اپنے بُعد کی وجہ سے شمالی سلطنت کے ساتھ ملحق نہیں ہو سکی تھیں۔ اشوک کے زمانے میں ان کا تمام علاقہ چار سلطنتوں میں منقسم تھا۔ یعنی چول۔ پانڈیا۔ کریل پتر۔ اور ستیا پتر۔ سلطنت چول کا مستقر غالباً اور یور تھا یا قدیم ترچنا پلی تھا۔ اور پانڈیا سلطنت کا پایۂ تخت تناولی کے ضلع میں کورکئی کے مقام پر تھا۔ کریل پتر کی سلطنت میں تلوا علاقے کے جنوب کا ساحل مالابار اور وہ اندرونی اضلاع شامل تھے جن کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ وہ چیر سلطنت سے ملحق تھے۔ چیر دراصل کریل ہی کی ایک دوسری مختلف صورت ہے۔ ستیا پتر کی سلطنت کا علاقہ غالباً وہ چھوٹی سی سرزمین تھی جس میں تولو زبان بولی جاتی ہے۔ اور منگلور اس کا مرکزی مقام ہے[1]۔ ان تمام

---

[1] مسٹر اے۔ جی۔ سوامن کے فرقے سے ستیا پتر کی وجہ تسمیہ کا پتہ چلتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تامل برہمنوں کا فرقہ برہت چرن نامی (یعنی نقل مکان عظیم) دو فرقوں مگھنا دو اور ملکگو میں منقسم ہے۔ اور مگھنا دو پھر کندر مانکم۔ منگوڈی۔ ستیا منگلم۔ وغیرہ جماعتوں میں منقسم ہے۔ اور یہ تمام مغربی گھاٹ کے قصبے ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ یہ نقل مکان کرنے والے فطرتی طور پر سطح مرتفع ہی میں آباد ہونگے۔ اور موجودہ علاقے میسور۔ اور مالابار۔ کوئمبٹور۔ اور مدراس کے اضلاع میں ہیں وہ مغربی ساحل کی طرف پھیلے ہونگے۔ ("برہمن ایمیگریشن انٹو سدرن انڈیا" انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۳۱) میرا خیال یہ ہے کہ ستیا پتر جس کا ذکر اشوک نے کیا ہے درحقیقت ستیا منگلم ہی ہوگا۔ مجھے اس امر میں پروفیسر بھنڈارکر سے اتفاق نہیں سلطنت ستیا پتر گھاٹ میں پونا کے قریب واقع تھی۔ یہ صریح ہے کہ یہ تامل سلطنت تھی اور میرا اندازہ یہ ہے کہ میرا ابتلایا ہوا موقعہ بالکل درست ہے۔

سلطنتوں کے ساتھ اشوک کے ایسے گہرے دوستانہ تعلقات تھے کہ انھوں نے اس کو بالکل آزادی دے رکھی تھی کہ وہ نہ صرف اپنے مبلغین ان کے ملک میں بھیجے بلکہ بعض مقامات میں خانقاہیں بھی تعمیر کرا دے۔ چنانچہ خود اس کے بھائی مہندر نے تنجور کے ضلع میں ایک خانقاہ قائم کی۔ یہ علاقہ غالباً اس زمانے میں چول سلطنت میں شامل تھا۔ اس خانقاہ کے آثار نو سو برس بعد تک پائے جاتے تھے[1]۔

شہزادے بحیثیت راہب

ایک قدیم چینی مصنف نے ہم کو یقین دلایا ہے کہ "ہندوستان کے قوانین کے بموجب بادشاہ کی موت کے بعد اس کا سب سے بڑا بیٹا تو بادشاہ ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے بیٹے خاندان سے علیحدہ ہو کر تارک الدنیا ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے بعد ان کو ان کے وطن میں رہنے کی اجازت نہیں دی جاتی[2]" دنیاوی امور سے اس جبریہ دست برداری کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ چھوٹا بھائی بالکل گمنام اور غائب ہو جاتا تھا۔ بلکہ اس کے برخلاف رومن کیتھولک کلیسا کی طرح ہندی مذاہب اور خصوصاً بودھ مذہب میں چھوٹے بیٹوں کو نام اور شہرت حاصل کرنے کے بہت ذرائع حاصل تھے۔ اور بعض اوقات یہ لوگ مذہبی کام کو انجام دیتے ہوئے اپنے بادشاہ رشتہ دار سے زیادہ مشہور ہو جاتے تھے۔ مذکورۂ بالا قانون کی رو سے مہندر کے زرد لباس اختیار کرنے کا غالباً اصلی محرک سیاسی وجوہ تھیں اور اس نے یہ کام برضا و رغبت نہ کیا تھا۔ مگر بہر حال رہبانیت کی زندگی اختیار کرنے کے لئے خواہ کوئی بات محرک ہوئی ہو لیکن وہ آخر کار نہایت پرہیزگار بھکشو اور ایک کامیاب واعظ ثابت ہوا۔

مہندر لنکا میں

جب اشوک نے اس بات کا مصمم قصد کر لیا کہ وہ اپنے

[1] بیل:- ریکارڈس جلد دوم صفحہ ۲۳۱- و ٹیرس:- جلد دوم صفحہ ۲۲۸۔
[2] مارٹون لن جس کا حوالہ انڈین انٹی کویری جلد ۹ صفحہ ۲۰ پر دیا گیا ہے۔

تبلیغی کام کو لنکا تک وسعت دے تو اس نے اپنے بھائی مہندر کو اس تبلیغی انجمن کی سرکردگی کے لئے انتخاب کیا۔ غالباً مہندر اس سے قبل ہی جنوبی ہند میں اپنی قائم کی ہوئی خانقاہ میں مقیم تھا۔ اور وہیں سے اٹھ کر وہ سمندر پار اپنے چار ہمراہیوں کو لے کر لنکا چلا گیا۔ ان مبلغین کی تعلیمات کو خاص کر ایسے وقت میں جب کہ اشوک جیسے زبردست بادشاہ کا اثر اس کے ساتھ تھا۔ لنکا کے بادشاہ تسّس (دیوا امپیا تسّس) نے مع اپنے تمام درباریوں کے قبول کر لیا۔ اور اس کے بعد اس نئے مذہب نے عوام الناس کے دلوں میں بہت جلد گھر کر لیا[1]۔ مہندر نے اپنی باقی ماندہ زندگی لنکا ہی میں بسر کر دی۔ اور وہیں جدید قائم شدہ بودھ مذہب کے انتظام و اہتمام میں مشغول رہا۔ وہاں اب بھی اس کو ایک بزرگ مذہبی سمجھ کر اس کا ادب کیا جاتا ہے۔ اس کی خاک کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مہنتلے کے مقام امبستال کے ایک زبردست ستوپہ میں جو لنکا کے ان عمارتوں میں شامل ہے جن پر بجا فخر ہے۔ مشغول استراحت ہے[2]۔

لنکا کی حکایات تاریخ "مہاوس" چھٹی صدی عیسوی کے آغاز سے لکھی جانی شروع ہوئی تھی۔ اس میں اشوک کی ان تمام تبلیغی مشنوں کا ذکر ہے جو اس نے بیرونی ممالک میں بھیجے تھے۔ مگر

---

[1] ڈان ایم۔ ڈی زلوا۔ وکرمسنگھے کا خیال ہے کہ دیوا امپیا تسّس ۲۵۳ سے ۲۱۳ ق م تک حکمراں تھا۔ اور اس کا جانشین اُتیا ۲۱۳ ق م سے ۲۰۳ ق م تک حکمراں رہا۔ (ایپی گرافیکا زیلونیکا۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۸)۔ قدیم لنکا کی تاریخ میں سنین محض قیاسی ہیں۔

[2] مہندر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ تسّس کے بھائی اور جانشین اُتیا کے آٹھویں سن جلوس میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کے تبرکات میں سے آدھے تھوپارام میں محفوظ کیے گئے جہاں اس کا کریا کرم ہوا۔ اور آدھے مہنتلے کے مقام پر جہاں وہ فوت ہوا تھا۔

اس میں جنوبی ہند کی مشنوں کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔ اس خاموشی کی ایک کافی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ لنکا اور ہندوستان کی تامل اقوام کے درمیان سخت دشمنی تھی۔ جو صدیوں تک قائم رہی۔ اگر مہندر تنجور کے ضلع کی خانقاہ سے لنکا گیا ہوگا تو یہ امر بہار عظیم کے تارک الدنیا فرقے کے لئے سخت باعث نفرین و نفرت ہوگا اور ان کو ہرگز یہ گوارا نہ ہوگا کہ وہ اس بات کا خیال بھی اپنے سامنے آنے دیں کہ دینی باتوں میں وہ قابل نفرت تامل اقوام کے ایک بھکشو کے ممنون احسان ہوں۔ اس کے بجائے انھوں نے اس بات کو ترجیح دی ہوگی کہ ان کا مذہب ان کو براہ راست بودھ مذہب کی ارض مقدس سے ملا تھا۔ بہرحال اسی قسم کی کوئی نہ کوئی بات اس امر کی محرک ہوئی ہوگی جس نے کہ مہندر کے متعلق لنکا میں بالکل نت نئی حکایتیں گھڑ لیں اِن کے مطابق مہندر اشوک کا غیر صحیح النسل بیٹا تھا۔ اور اس کے بعد اس کی بہن سنگ مترا بھی لنکا میں آگئی۔ اور اس نے وہاں کی تارک الدنیا نسوانی جماعت کے لئے وہی کچھ کیا جو اس کے بھائی نے مردوں کے متعلق انجام دیا تھا۔ یہ حکایت بہت سی خوارق عادات سے بھری ہوئی ہے اور ایک بڑی حد تک وہ ضرور مصنوعی ہوگی۔[1] غالباً یہی روایت درست ہے کہ مہندر اشوک کا

---

[1] میں پہلے سنگ مترا کی روایت کو بالکل غلط سمجھا کرتا تھا۔ لیکن اب میرا خیال ہے کہ وہ ضرور موجود تھی۔ اور اگر مہندر اشوک کا بھائی تھا تو وہ ضرور اس کی بہن ہوگی۔ نہ کہ بیٹی۔ "مہاونس" کے مطابق اس کا انتقال اتیا بادشاہ کے نویں سنہ جلوس میں ہوا۔ تھوپارام کے شمال مشرق میں ویران ستوپ کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اس میں اس کی راکھ کبھی رکھی ہوئی تھی۔ (مہاونس مترجمۂ گیگر اور وجیسنہا باب ۲۰۔ سمیتھر:۔ آرکی ٹکچرل ریمینز۔ انورادھاپور صفحہ ۹۔ لوح ۳)

چھوٹا بھائی تھا۔ چنانچہ پانچویں صدی عیسوی میں جب فاہیان ہندوستان آیا ہے تو پاٹلی پتر میں مہندر کا نام اب تک لوگوں کے خیال میں تھا۔ اور فاہیان کو وہاں اس کی خانقاہ بھی دکھلائی گئی۔ ساتویں صدی تک جب ہیون سانگ ہندوستان میں آیا ہے صرف یہی ایک حکایت عام طور پر مشہور تھی۔ یہاں تک جب اس جاتری نے لنکا کے ان بھکشوؤں سے جن سے کہ کانچی کے مقام پر اس کی ملاقات ہوئی ان کی تمام روایتوں کو نقل کیا تو اس نے بھی اس روایات کا پیرو اشوک کے بھائی نہ کہ بیٹے کو بنایا[1]۔

پیگو کی مفروضہ مشن۔

"مہاونس" نے صریحاً اس میں بھی غلطی کی ہے کہ اشوک نے پیگو کے علاقے میں کوئی مشن روانہ کیا تھا۔ مگر کتبوں میں کسی ایسی مشن کا ذکر نہیں۔ اور یہ بالکل خلاف قیاس ہے کہ اشوک کا تعلق خلیج بنگالہ کے مشرقی ممالک سے کچھ بھی ہو۔ اس کی تمام توجہ مغرب میں یونانی سلطنتوں کی طرف مبذول تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بہت زمانے کے بعد لنکا کے طرز کا بودھ مذہب برما اور پیگو کے علاقے میں پھیلا۔ اور یہ باور کرنے کے وجوہ ہیں کہ برما کا بودھ مذہب دراصل مہایانہ قسم کا تھا۔ اور اشوک کے مرنے کے بہت صدیوں بعد براہ راست شمالی ہند سے وہاں پہنچا تھا[2]۔

یونانی سلطنتوں کی طرف تبلیغی مشن

بد قسمتی سے بدھ مذہب کی ان تبلیغی مشنوں کا حال محفوظ نہیں رہا جو ایشیا۔ افریقہ اور یورپ کی یونانی سلطنتوں میں بھیجی گئی تھیں۔ اور نہ ہی ان کے

---

[1] بیل:- ریکارڈس جلد دوم صفحہ ۲۴۶ - ویٹرس جلد دوم صفحہ ۲۳۰۔

[2] ٹمیس:- "نوٹس آن انٹی کیٹیز ان رامنادیسا" (انڈین انٹی کویری جلد ۲۲ - (سنہ ۱۸۹۳) صفحہ ۳۵۹ - اور میرا مضمون:- (رسالہ ایضاً سنہ ۱۹۰۵ صفحہ ۱۸۰)۔

مبلغوں کے نام ہی ہم کو معلوم ہیں۔ "ناسٹک" کے بدمذہب فرقوں پر بدھ مذہب کا اثر بالکل صاف وصریح ہے۔ بلکہ بہت سے مصنفین ایسے بھی ہیں کہ جن کا یہ خیال ہے کہ عیسوی مذہب کی بھی بہت سی باتوں میں بدھ کی تعلیمات کا اثر ملتا ہے۔ مگر یہ مضمون اب تک ایسا تاریک اور تشنہ ہے کہ اس پر اس کتاب میں بحث نہیں کی جاسکتی۔[۱]

بودھ مذہب عالمگیر ہوگیا۔

مگر بہر حال یہ یقینی ہے کہ اشوک اپنی وسیع اور نہایت منتظم طریق تبلیغ کے ذریعے سے اس کام میں کامیاب ہوا کہ بودھ مذہب کے تعلیمات کو محض ایک گمنام ہندی مذہبی فرقے کی حیثیت سے نکال کر اس کو تمام دنیا میں پھیلا دے۔ اور اُسے ایک عالمگیر مذہب بنادے۔ گوتم بودھ کی ذاتی تبلیغ کا اثر ایک نہایت چھوٹے علاقے تک محدود تھا۔ جس میں تقریباً چار درجے عرض بلد اور اتنے ہی طول بلد شامل تھے۔ یہ علاقہ گیا۔ الٰہ آباد اور کوہستان ہمالیہ کے درمیان کا ملک تھا۔ ان ہی حدود کے اندر گوتم بودھ پیدا ہوا۔ زندہ رہا۔ اور بالآخر فوت ہوگیا۔ ۴۸۷ ق م میں جب اُس نے وفات پائی تو اس کا مذہب ہندو مت کا محض ایک فرقہ تھا۔ جس کا نام بھی اس محدود علاقے کے باہر کسی نے نہ سنا ہوگا۔ اس وقت اس کے زندہ رہنے کے اسباب اتنے ہی کم تھے جتنے کہ اور دوسرے مذہبی فرقوں کے تھے۔ جو اسی زمانے میں پیدا ہوئے۔ اور اب بالکل نسیاً منسیا ہوگئے ہیں۔

بدھ مذہب کے پیروؤں کا اپنی خانقاہوں کا نہایت مستحکم انتظام کر لینے کا غالباً یہ اثر تھا کہ ان کا مذہبی سلسلہ برابر قائم رہا۔ اور اس نے دریائے گنگا کی وادی کے باشندوں کے دلوں میں ان سوا دو صدیوں کے عرصے میں گھر کر لیا۔ جو گوتم بودھ کی موت اور اشوک کی

[۱] دیکھو اڈمنڈس کی کتاب "بدھسٹ اینڈ کرسچین گاسپلز" چوتھی ایڈیشن۔ فلیڈیلفیا۔

تبدیل مذہب کے درمیان گذریں - جوں جوں اشوک کا عقیدہ اور یقین اس مذہب کے متعلق پختہ اور مضبوط ہوتا گیا۔ اسی طرح اس کی دستگیری بھی بڑھتی چلی گئی - اس کی اسی دستگیری نے بودھ مذہب کی قسمت کو پھیرا اور اس کو اس قابل کر دیا کہ اس زمانے میں بھی وہ اسلام اور عیسائیت کا بلحاظ تعداد مقابلہ کرنے بلکہ اُن سے سبقت لیجانے کی کوشش کر رہا ہے ؛

اشوک کا کام اشوک نے اس امر کی بالکل کوشش نہیں کی کہ برہمنی ہندو مت یا جین مذہب کو تباہ و برباد کر دے۔ لیکن خونریز قربانیوں کی مخالفت کی۔ وہ ترجیح جو وہ ہر ایک بات میں بودھ مذہب کو دیتا تھا۔ اور اس کے ساتھ اس کی تبلیغی کام میں سرگرمی یہ ایسے وجوہ تھے جنھوں نے اس کے مرجح مذہب کو ترقی دی۔ دوسروں کو پس پشت ڈال دیا۔ اور لنکا اور ہندوستان کے ممالک میں اس کو سب سے بڑا اور عالمگیر مذہب بنا دیا۔ اگرچہ وہ اپنی جائے پیدائش سے تقریباً بالکل معدوم ہو گیا ہے۔ اور دور و دراز کے مقامات پر بھی اپنا اثر قائم رکھنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ مگر جنوبی جزیرے پر اب بھی اس کا رسوخ قائم ہے ؛

لیکن پھر بھی بہت سی ناکامیابیوں - ترقی و تنزل - ارتقاء - اور تخریب و افساد کے بعد کے بدھ مذہب اس وقت بھی اور آیندہ چند صدیوں تک بیشمار انسانی دل و دماغ کو اپنے قابو میں رکھنے میں کامیاب ہوگا - یہ عظیم الشان کام کلیتہً اشوک ہی کا کیا ہوا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کا حق ہے کہ وہ ان لوگوں کی چھوٹی سی جماعت میں جگہ پائے جنھوں نے دنیا کے مذہب کو بالکلیہ تبدیل کر دیا ہے ؛

عیسائیت سے اس کا تقابل اشوک اور قسطنطین کا جو مقابلہ عام طور پر کیا جاتا ہے۔ دوسرے تاریخی مقابلوں کی طرح بالکل درست نہیں - جب قیصر نے عیسائیت کو حکومت کا مذہب قرار دیا۔

اس وقت وہ رومتہ الکبریٰ کی وسیع سلطنت میں اپنی جگہ کر چکی تھی - اور قسطنطین نے تبدیل مذہب کر کے درحقیقت ایک ایسی قوت کے سامنے سر تسلیم خم کیا جس کا وہ خود مقابلہ نہ کر سکتا تھا - اس کا یہ فعل کسی گمنام مذہبی فرقے کی دستگیری یا مربی ہونے کی حیثیت سے نہ تھا - خلاف اس کے بدھ مذہب جب اشوک نے اس کو مدد دینی شروع کی اور بہت سے مذہبی فرقوں کی طرح امید و بیم کی نازک حالت میں تھا - اور اس کی قطعی طور پر یہ کیفیت نہ تھی کہ وہ سلطنت کے کاموں میں دخیل ہو سکے - یہ خود اسی کا ذاتی عمل تھا - جس کو بظاہر اس کا مرشد اُپگپت اکساتا رہتا تھا جس نے بودھ کی تعلیمات کو ہندوستان کی حدود سے باہر تک پھیلا دیا - اور اگر واقعی اس امر کی ضرورت محسوس ہو کہ اس کے کام کا مقابلہ عیسائیت سے کیا ہی جائے تو اس کا مقابلہ پولوس رسول[1] کی ذات کے ساتھ بہتر طور پر ہو سکتا ہے[2]

اپگپت

اپگپت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسی نے اشوک کو بودھ مذہب کی طرف مائل کیا تھا - یہ شخص گپت نامی ایک عطار کا بیٹا تھا - اور روایت ہے کہ وہ بنارس یا متھرا میں پیدا ہوا - لیکن غالباً موخر الذکر مقام کا رہنے والا تھا - اور یہیں پر اس کی تعمیر کی ہوی خانقاہ ساتویں صدی عیسوی تک موجود تھی - روایت سے سندھ کے علاقے سے بھی اس کا تعلق ظاہر ہوتا ہے - جہاں اس نے اکثر تبلیغ مذہب کے لئے سفر کیئے تھے[2]

---

[1] "پولوس کو عیسائی لوگ رسول کہا کرتے ہیں لیکن اسلامی عقیدے سے پولوس کے نام کے ساتھ یہ لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں ہے" ـــ تنقید ناظم صاحب مذہبی کتب درسیہ جامعہ عثمانیہ)

[2] بیل :- ریکارڈس جلد ۱ - صفحہ ۱۸۲ - جلد ۲ صفحات ۸ ۸ و ۳ ۲۷۳ واٹرس :- انڈکس میں اپگپت کا نام - گراؤس :- متھرا - تیسری ایڈیشن صفحہ ۱۴۲ کننگھم :- رپورٹ جلد ۲۰ صفحہ ۳۲ - لنکا کے مشہور مگلی کے بیٹے تس کا اپگپت کا اصلی شخص ہونا

اشوک کی ہمت اشوک نے اپنے مذہب اور سلسلۂ اخلاقیات کی تبلیغ و تشہیر میں جس تندہی اور جوش و خروش سے کام کیا تھا۔ وہ اس کی صداقت اور خوش اعتقادی کے ثبوت کے لئے کافی و وافی ہیں۔ اور موجودہ علماء نے جو کچھ اعتبار و اعتماد اس کے کتبوں اور احکام کے الفاظ پر کیا ہے وہ بالکل درست اور بجا معلوم ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "عوام کی بہبودی اور فائدے کے لئے محنت تو مجھ کو کرنی ہی ہے" اور حقیقت یہ ہے کہ اس نے محنت کی بھی ضرور۔ دنیا اب تک اس کی اس محنت سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ اس کے الفاظ جن کو دنیا نے ایک زمانے تک بالکل فراموش کر دیا تھا اب پھر جیتے جاگتے ہمارے سامنے ہیں۔ اور خوش اعتقادی اور صداقت کی آواز سے گونج رہے ہیں۔

اور محنت فلپ ثانی شاہ اسپین کی طرح اشوک محنت سے کبھی نہیں تھکتا تھا وہ "ہر حالت اور ہر جگہ" عرضیوں پر غور کرنے کے لئے تیار رہتا تھا۔ اور باوجود اس کے اس کو اپنی محنت کے نتیجے سے تسلی نہ ہوتی تھی۔ وہ افسوس سے کہتا ہے کہ "مجھے اپنی جانفشانی اور کام سے کبھی تسلی نہیں ہوتی"۔ غالباً وہ سخت محنت کرتا تھا۔ اور ممکن ہے کہ اگر وہ ذرا کام کم کرتا تو اپنے مقاصد میں اس کو اور زیادہ کامیابی ہوتی۔ اس کے دماغ میں فرائض کا معیار نہایت اعلیٰ تھا۔ اور سٹوئک فلسفیوں کی طرح قانون فطرت پر عمل کرنا اس کا کام تھا۔ اصل غایت یہ تھی کہ وہ کام کئے جائے خواہ اس کام میں اس کو کامیابی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- ابفنٹنٹ۔ کرنل ویڈل نے بالکل صاف کر دیا ہے۔ (جے۔ اے۔ ایس۔ بی ۱۸۹۷ء حصہ اول صفحہ ۷۶؛ پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی۔ ۱۸۹۹ء صفحہ ۷۰)۔ اس امر کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ تس کو مگلی پتہ کے ساتھ جس کا ذکر سانچی تبرکات کی سندوں پر ہے ایک ہی سمجھا جائے (بھیلسا توپس صفحہ ۱۱۵ و ۱۲۰)۔

حاصل ہو یا ناکامیابی ہو۔

اشوک کے خصائل

اشوک کے خصائل کا حال ہم اس کے الفاظ ہی سے کچھ اخذ کر سکتے ہیں۔ طرز تحریر خود اس کا معلوم ہوتا ہے۔ اور میرا تو قطعاً خیال ہے کہ ان کتبات میں اس کے خیالات کو اسی کے لفظوں میں ادا کیا گیا ہے۔ یہ تمام ایسے طرز تحریر میں لکھے گئے ہیں جو ایسا عجیب و غریب ہے کہ وہ کسی طرح بھی کسی معتمد یا وزیر کے لکھے ہوئے نہیں ہو سکتے۔ ان میں ہم کو صریحاً ذاتی احساسات کا پتہ لگتا ہے۔ کسی معتمد کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ اپنے آقا کی زبان سے وہ کلمات رنج و افسوس لکھتا جو اس نے کلنگ کی فتح کے متعلق لکھے ہیں۔ اور جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ اشوک نے جارحانہ جنگ کو تادم زیست بالکل ترک کر دیا۔ اور علانیہ یہ کہدیا کہ "اگر کوئی شخص اس کو کچھ تکلیف بھی پہنچائے تو حضرت اقدس و اعلیٰ اس کو اس وقت تک صبر سے برداشت کریں گے جب تک کہ وہ قابل برداشت رہے [1]"۔

کتبات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اشوک ایک ایسا آدمی تھا جس نے یہ کوشش کی کہ تارک الدنیا سنیاسی کی پرہیزگاری اور شاہی مصلحت کو ملا کر ایک کر دے اور اپنے خیال کے مطابق ہندوستان میں راست باز حکومت قائم کر دے۔ ایسی خدائی سلطنت کا قائم کرنا جس میں خدا کا وجود ہی سرے سے نہ ہو۔ جس میں حکومت خود خدائی کا کام انجام دے۔ اور لوگوں کو سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت کرتی رہے۔ اس کا مقصد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہر ایک شخص کو اپنی نجات خود ہی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور اس کے اعمال کا ثمرہ اسی کو ملتا ہے۔ "جانفشانی کا ثمرہ صرف بڑے آدمیوں ہی کو نہیں ملتا۔ کیونکہ کوئی حقیر سا شخص بھی اپنی جانفشانی اور محنت سے سعادت حاصل کر سکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے

[1] سنگی فرمان نمبر ۱۳ ہو۔

کہا گیا تھا کہ :۔ چھوٹے اور بڑے سب کو جانفشانی سے کام لینا
چاہیئے ؛؛ حکومت کا صرف یہ کام تھا کہ وہ سیدھا راستہ اپنی رعایا کو
بتلا دے۔ مگر اس کے بعد اس راستے پر چلنا خود لوگوں کا کام ہے ؛
تعظیم و تکریم۔ رحم۔ راستی۔ اور ہمدردی وہ نیک اوصاف تھے
جن کی وہ تعلیم دینا چاہتا تھا۔ اور بخلاف ان کے بے ادبی۔ بے رحمی۔
جھوٹ۔ اور مذہبی تعصب ایسے افعال تھے جن سے کہ وہ لوگوں کو
بچنے کی ہدایت کرتا تھا۔ یہ واعظ (یعنے اشوک) محض ناصح ہی نہ تھا۔
بلکہ وہ ایک دنیادار آدمی تھا۔ جنگ و صلح کے ہر طرح کے کاموں سے
ماہر تھا۔ ایک وسیع سلطنت پر نہایت لیاقت و کامرانی سے حکومت
کر رہا تھا۔ اور ان باتوں کے علاوہ وہ ایک عظیم الشان انسان اور
بادشاہ تھا ؛

اشوک کی بیویاں

اور ایشیائی بادشاہوں کی طرح اشوک بھی کثرت ازدواج
کے اصول کا عامل تھا۔ اور کم از کم اس کی دو بیویاں عقیں
جن کا رتبہ ملکہ کا تھا۔ ان دونوں میں سے دوسری بیوی کاروا کی کا نام
ایک مختصر سے فرمان میں محفوظ رہ گیا۔ جس میں کہ بادشاہ نے یہ ظاہر
کیا ہے کہ تمام عمال کو چاہیئے کہ ملکہ کے خیراتی عطیات خود اس کا ذاتی
کام سمجھیں اور اس کا تمام ثواب اسی کے واسطے مخصوص ہوگا۔ بیان
کیا گیا ہے کہ وہ تیور شاہزادے کی ماں تھی۔ یہی لڑکا غالباً اشوک کی
عہد حکومت کے آخری زمانے میں جب کہ یہ فرمان نافذ کیا گیا اس کا
سب سے پیارا لڑکا ہوگا ؛

کُنال کے متعلق حکایت۔

روایات کا بیان ہے کہ ایک مدت تک اس کی
سب سے بڑی ملکہ اسندی مترا نامی تھی۔ اور جب
وہ مر گئی۔ اور اشوک بھی بڈھا ہو گیا تو اس نے ایک

لہ چھوٹا سنگی فرمان نمبر ا (روپسناتھ) ؛

آوارہ جوان عورت تشیارکشتا سے شادی کرلی - اس کے اور اس کے سوتیلے بیٹے کے متعلق حکایت بہت کچھ تخیلانہ انداز سے میں بیان کیجاتی ہے - مگر اس قسم کی زبان زدِ خاص وعام روایات تاریخی حیثیت کے شمار میں نہیں آتیں - اور اس لیئے اندھے کُنال کی جگر سوز و درد انگیز کہانی کو نہ تو تاریخی نظر سے دیکھنا چاہیئے اور نہ اس کی تنقید کرنی چاہیئے - یہ حکایت مختلف صورتوں میں مختلف ناموں کے ساتھ بیان کیجاتی ہے ؀

جلوک کی حکایت جلوک نامی اشوک کا ایک دوسرا بیٹا جس کا نام کشمیر کی روایتوں کے ضمن میں اکثر سنا جاتا ہے - اگرچہ بظاہر بالکل خیالی شخص معلوم ہوتا ہے - مگر بہرحال اس میں کُنال سے زیادہ حقیقت مضمر ہے - اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ کشمیر کا نہایت زبردست اور لائق بادشاہ تھا - جس نے بعض دست دراز جینیوں کو ملک سے باہر نکال دیا - اور قنوج تک کے میدان کو فتح کیا - وہ اپنے باپ کے خلاف بودھ مت کا مخالف تھا - اور شیو کو پوجتا تھا - چنانچہ اس نے اور اس کی ملکہ اسان دیوی نے اسی دیوتا کے نام پر ایسی جگہ مندر تعمیر کرائے جن کا نام اس وقت بھی معلوم ہوسکتا ہے - مگر جلوک کی حکایت ان تمام جغرافی تفصیلات کے باوجود حقیقتاً محض روایت ہی ہے - اور کشمیر کی اس تاریخی روایت کے اسناد اب تک دستیاب نہیں ہوئے[1]؀

دسرتھ جس شہزادے کا نام تیور ملکہ کے فرمان میں مذکور ہے اس کا اس کے بعد کوئی پتہ نہیں ملتا - اور ظن غالب یہ ہے کہ وہ اپنے باپ سے پہلے ہی مر گیا ہوگا - مگر اشوک کا پوتا دسرتھ حقیقت میں کوئی نہ کوئی شخص تھا - کیونکہ کوہ ناگرجنی کے غاروں پر جس کو اس نے اسی طرح جس طرح کہ اس کے دادا نے کوہ براہر کے غاروں کو

[1] سٹائن کا ترجمہ (راجترنگنی - باب ا صفحہ ۱۰۸ - ۱۵۲ - تبت کی ایک غیر بودھ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اشوک کے گیارہ لڑکے تھے - (شیفنر - تارناتھ صفحہ ۴۸) ؀

یا تھا۔ آجیوک سنیاسیوں کے حوالے کیا۔ دسرتھ کے کتبے کی طرز تحریر
ور زبان سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس کا زمانہ اشوک کے
عہد کے بہت ہی قریب تھا۔ اور غالباً کم از کم مشرقی صوبوں میں وہ
اس کا جانشین ہوا تھا۔ اگر اس امر کو واقعہ تسلیم کر لیا جائے تو دسرتھ
کی تخت نشینی کا سن ۲۳۲ قبل مسیح قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کا عہد حکومت
نہایت ہی قلیل تھا۔ اور دو پرانوں میں اس کا عرصہ صرف آٹھ سال کا
بتایا گیا ہے؛

سمپرتی:۔ بدھ مذہب کی روایات۔ اشوک کے ایک پوتے سمپرتی نام کا وجود اور اس کی جانشینی اگرچہ کتبات کے ذریعے سے ثابت نہیں ہوتی۔ مگر روایات کی خاصی بڑی تعداد سے اس امر کی
تصدیق ہوتی ہے۔ بودھ مذہب کی نثر کی حکایت کی کتاب اسوکاودان
(جو دیویاودان کا ایک حصہ ہے) میں ایک طولانی قصہ مذکور ہے کہ
بڑھاپے کے زمانے میں اشوک کے مذہبی معاملات میں انہماک کا نتیجہ
یہ ہوا کہ سلطنت کی آمدنی اسراف میں صرف ہونے لگی۔ نوبت بہ اینجا رسید کہ
وزرا نے تنگ آکر اس کے اقتدار اور اختیارات کو بالکل سلب کر لیا۔
اور اس کی جگہ کُنال کے بیٹے سامپرتی کو تخت پر بٹھا دیا۔ مگر ہم کو یہ نہیں
بتایا گیا کہ اشوک کا کیا انجام ہوا۔ اس حکایت کے موافق سامپرتی کے
جانشین برہسپتی۔ برشسین۔ پشی دھرمن۔ اور پشی متر تھے۔ مذکورالذکر کے[1]
متعلق بھی یہ ہی کہا گیا ہے کہ موریا خاندان سے تعلق رکھتا تھا؛

[1] برناف:۔ "انٹروڈکشن" دوسرے ایڈیشن صفحہ ۳۸۴ شیفنر:۔ تارناتھ صفحہ ۲۸۷۔ راجپوتانہ کے علاقے کی ریاست جودھپور میں ناڈلئی کے مقام پر جین مذہب کے ایک مندر پر ۱۶۸۶ سمت بکرمی = ۱۶۲۳ء کا ایک کتبہ ہے۔ اور اس میں اس روایتی بیان کو دھرایا گیا ہے کہ اس مندر کا اصلی بانی سامپرتی تھا۔ (دیکھو پروگرس رپورٹ آرکی آلوجیکل سروے ویسٹرن انڈیا۔ ۱۰-۱۹۰۹ء۔ صفحہ ۴۱)؛

جین مت کی روایات۔

مغربی ہند کی جین مذہب کی ادبی روایات بھی سامپرتی کو اشوک کا بلافصل جانشین بیان کرتی ہیں۔ وہ اس کے جین مذہب کے مربی ہونے کی حیثیت سے اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ اس نے غیر آریا ممالک میں بھی جین خانقاہیں تعمیر کرائیں۔ تقریباً جین مذہب کے تمام مندر اور دیگر عمارتیں جن کی ابتدا معلوم نہ ہو وہ سامپرتی کے نام تھوپ دی جاتی ہیں۔ بلکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ وہ جین مت کا اشوک سمجھا جاتا ہے۔ ایک مصنف بیان کرتا ہے کہ وہ تمام ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ (”کل بھارت مع اوسکے تینوں ملکوں کے“)۔ اور پاٹلی پتر اس کا دار السلطنت تھا۔ مگر دوسری روایات نے اس کا مستقر سلطنت اجین قرار دیا ہے یہ امر صریح اور صاف ہے کہ ان تمام متضاد روایتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنا۔ اور اس امر کا یقین کرنا کہ ان سے تھوڑا بہت تاریخی مواد حاصل ہو جائے گا بالکل ناممکن ہے۔ بدھ اور جین مذاہب کی روایتوں کی مطابقت سے اور کچھ نہیں تو یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ اگر ان کو دلیل قطعی نہ بھی مانا جائے تو بھی سامپرتی کا وجود تو ضرور ہی تھا۔ اگرچہ اس کے متعلق کوئی بات یقین کے ساتھ معلوم نہیں۔ ممکن ہے کہ اشوک کے مرنے کے بعد ہی سلطنت اس کے دو پوتوں میں تقسیم ہو گئی ہو۔ اور دسرتھ نے اس کا مشرقی حصہ اور سامپرتی نے مغربی حصہ لے لیا ہو۔ مگر اس بات کی بھی کوئی شہادت موجود نہیں[1]؎

ختن کی حکایات

ختن کی روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سلطنت میں اور اشوک میں اکثر تعلقات قائم تھے۔ اس

[1] جین روایات (پریشستا پرن مصحح جیکوبی) کا بھگوان لال اندراجی اور مسٹر جیکسن نے بمبئی گزیٹر جلد اول حصہ اول صفحہ ۱۵ (دسمبر ۱۸۹۶) میں ملخص تیار کر دیا ہے۔ پرانوں کی اشوک کے جانشینوں کی فہرست بالکل غتر بود اور متناقض ہے؎

حکایت کی ایک روایت کے مطابق اس نے ٹکسلا کے چند امراء کو اپنے بیٹے کنال کے اندھے کرنے میں مدد دینے کی سزا میں کوہستان ہمالیہ کے شمال میں جلاوطن کیا۔ ان جلاوطنوں نے اپنے میں سے ایک کو بادشاہ منتخب کیا۔ اور اس نے اس وقت تک ختن میں حکومت کی جب تک کہ چین کے ایک حریف شہزادے نے اس کو شکست نہ دی۔ ایک اور روایت کے بموجب ختن کے شاہی خاندان کا اصلی مورثِ اعلیٰ اشوک کا بیٹا کنال ہی تھا جس کو ٹکسلا سے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ مگر یہ حکایتیں صرف اس امر کے سمجھانے کے لئے گھڑی گئی تھیں کہ ختن کا قدیم تمدن ہندوستان اور چین دونوں مقاموں سے ماخوذ تھا۔ یہ ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ اشوک کا سیاسی حلقۂ اثر دریائے تاریم کے میدان تک وسیع ہو۔[1]

خاندانِ موریا کا زوال و انحطاط پران کی سند کے مطابق موریا خاندان کی کل مدتِ حکومت صرف (۱۳۷) برس ہے۔ اگر اس مدت کو صحیح سمجھ لیا جائے اور اس کا شمار ۳۲۲ء ق م سے چندرا گپتا موریا کے سن جلوس سے کیا جائے تو خاندان کا خاتمہ یقیناً ۱۸۵ء ق م میں ہو گیا ہوگا۔ یہ تاریخ اندازاً درست ہے۔ پران کی فہرست شاہاں کے مطابق وہ چار راجہ جو اشوک کے پوتوں کے بعد تخت پر بیٹھے اور جنہوں نے چند ہی سال حکومت کی محض نام ہی نام ہیں۔[2] اور اگر یہ بھی فرض

[1] یہ حکایتیں مفصل طور پر ہیون سانگ کی "لائف" "اور ٹریولز" راک ہل کی لائف آف بدھا۔ اور سرت چندرداس کے مضامین متعلقۂ تاریخ تبت میں پائی جائیں گی۔ ان کو سٹائن نے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور ان پر تنقید کی ہے ("اینشنٹ ختن" صفحہ ۱۶۶-۱۵۶) ۔

[2] ان کے نام مختلف ہیں۔ ان میں سے ایک کا وجود جس کا نام سالسوک تھا علم ہیئت کی کتاب "گارگی سمہیتا" سے ثابت ہوتا ہے جس میں مشہور عبارت میں اس کا حوالہ دیا گیا ہے۔ دیکھو ضمیمہ

کر لیا جائے کہ سمپرتی اور اس کے جانشین واقعی کبھی عالم وجود میں تھے تو بھی وہ اوروں کی طرح محض خیالی لوگ ہیں یقینی بات ہے تو صرف یہ ہے کہ وہ سلطنت جس کو چندرا گپتا موریا نے قائم کیا اور جس کو اس کے بیٹے اور پوتے نے سنبھالے رکھا آخری بادشاہ کی موت کے بعد بہت دنوں تک برقرار نہ رہ سکی۔ خاندانِ موریا کے زوال کا سبب غالباً ایک بڑی حد تک وہ انتقامی ہنگامہ ہوا ہوگا جس کے لیئے برہمنوں نے کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا ہوگا کیونکہ خصوصی حیثیت میں اشوک کے بودھ مت کے مربی ہونے کی وجہ سے بہت کچھ خلل پڑ گیا تھا۔ خونریز قربانیوں کی ممانعت۔ اور محتسبوں کی دقت بے وقت کے دخل در معقولات نے غالباً بہت کچھ ناراضی پیدا کی ہوگی جس کا حال ہم تک نہیں پہنچا۔ اور ہم کافی صحت کے ساتھ یہ فرض کر سکتے ہیں کہ سن رسیدہ طاقتور مہاراجہ کی آنکھ بند ہونے کی دیر تھی کہ برہمنوں کا اثر حسب دستور سابق پھر قائم ہو گیا۔ اور اس نے اشوک کے نظام احتساب کی درشتی کے خلاف ایک ہنگامہ اور انقلاب پیدا کر دیا[1]۔ اشوک کی وہ اولاد جن کے نام پرانوں میں محفوظ رہ گئے ہیں غالباً صرف مگدھ اور قرب وجوار کے صوبوں ہی پر حکمراں تھے۔ ۲۱۲ ق م یا اس کے قریب ان ہی لوگوں میں سے ایک کو کلنگ کے جین حملہ آور بادشاہ کھاریویلا کے سامنے جس نے موریا کا طوق غلامی اتار کر پھینک دیا تھا۔ مجبور ہونا پڑا کہ اپنا سر خم کر دیں[2]۔ دریائے کرشنا اور گوداوری کے مابین کی زیر سیادت آندھر ریاست سب سے پہلے سلطنت سے جدا ہوئی۔ اور بہت جلد ایک زبردست سلطنت بن گئی اور جیسا کہ آئندہ بیان کیا جائے گا آخر تمام ہندوستان پر چھا گئی۔ موریا خاندان کا آخری کمزور بادشاہ

---

[1] دیکھو ایچ۔ پی۔ شاستری کے خیالات "جرنل اینڈ پروسیڈنگس آف اے۔ ایس۔ بی ۱۹۱۰ء" صفحہ ۲۵۹۔ "ٹائے کارٹ" کے ناٹک میں اجین کے راجہ پالک کا اس سے مقابلہ کرتے ہیں۔

[2] ادیاگری کا کتبہ (لیوڈرس ل۔ ایپی گریفیکا انڈکا۔ جلد ۱۰۔ ضمیمہ صفحہ ۱۶۰)

برہدرتھ تھا جس کو اس کی فوج کے سپہ سالار پشی متر نے قتل کر دیا۔[1]

مقامی موریا راجہ

اشوک اعظم کی اولاد کے بہت سے افراد صدیوں تک مگدھ میں مقامی طور (پر بلا کسی تاریخ کے) مگدھ کے علاقے میں حکمراں رہے۔ ان میں سے صرف ایک شخص کا نام محفوظ رہ گیا ہے یہ آخری بادشاہ پورن ورمن تھا اور چینی جاتری ہیون سانگ کا ساتویں صدی عیسوی میں تقریباً ہمعصر تھا۔[1]

اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے موریا خاندان جن کا ظاہرا کسی نہ کسی طرح موریائے اعظم کے خاندان سے تعلق تھا۔ مغربی گھاٹ اور سمندر کے درمیان کونکن کے علاقے اور مغربی ہند میں چھٹی۔ ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی کے اثنا میں برسر حکومت تھے۔ اور کتبات میں اکثر ان کا ذکر آتا ہے۔[2]

۱؎ بیل :- ریکارڈس۔ جلد دوم صفحہ ۱۱۸ و ۱۷۴۔ ویٹرس جلد دوم صفحہ ۱۱۵؎

۲؎ فلیٹ :- "ڈائنسٹیز آف دی کناریز ڈسٹرکٹس" ایڈیشن دوسری۔ بمبئی گزیٹر جلد اول حصۂ دوم (۱۸۹۶ء) صفحہ ۴ - ۲۸۲؎

خاندانِ موریا

جدولِ سنین۔ (تقریباً صحیح تاریخیں)

واقعات	سن قبلِ مسیح
چندراگپتا نے اپنی جوانی کے زمانے میں سکندرِ اعظم سے ملاقات کی۔	۳۲۶ یا ۳۲۵ ء
سکندر ہندوستان سے واپس چلا گیا۔	ستمبر یا اکتوبر ۳۲۵ ء
سکندر جب کرمانیہ میں تھا تو اس کو اپنے صوبے دار فلپوس کے ہندوستان میں قتل ہو جانے کی خبر ملی۔ اور اس نے یوڈیمس اور ٹکسلا کے راجہ امبھی کو ہندوستان کے صوبوں کا حاکم مقرر کیا۔	فروری۔ ۳۲۴ ء
بابل میں سکندر کی موت۔	جون ۳۲۳ ء
چندراگپتا موریا کی سرکردگی میں پنجاب کی بغاوت۔ اور مگدھ میں نند خاندان کی بربادی چندراگپتا موریا کا بحیثیت شہنشاہِ ہند تخت نشین ہونا۔	۳۲۳ ء۔ ۳۲۲ ء
ٹری پرادیسوس کے مقام پر سکندر کی سلطنت کا دوبارہ تقسیم ہونا۔	۳۲۱ ء
انٹی گونس نے سائلوکس نیکیٹر کو مجبور کیا کہ وہ مصر میں پناہ لے۔	۳۱۵ ء
سائلوکس نے بابل پر دوبارہ قبضہ کیا۔	۳۱۲ ء
سائلوکس سن کا مقرر ہونا۔	اکتوبر ۳۱۲ ء

سن قبل مسیح	واقعات
؁ ۳۰۶	سائلوکس کا خطابِ شاہی اختیار کرنا؛
؁ ۳۰۵ یا ؁ ۳۰۴	سائلوکس کا ہندوستان پر حملہ؛
؁ ۳۰۳	سائلوکس نے چندراگپتا کے ہاتھ سے شکست کھائی صلحنامہ۔ اس کی رو سے سائلوکس نے آریانہ کا بڑا علاقہ ہندوستانی راجہ کے حوالے کیا؛
؁ ۳۰۳ تا ؁ ۳۰۱	انٹی گونس کے خلاف سائلوکس کا کوچ؛
؁ ۳۰۲	پاٹلی پتر میں سائلوکس کی طرف سے مگاس تھنیز سفیر بن کر آیا؛
؁ ۳۰۱	انٹی گونس کی فریگیا کے علاقے میں البساس کے مقام پر شکست اور موت؛
؁ ۲۹۸	بندوسار امرت گھاٹا کا ہندوستان کے تخت پر جلوس؛
(تقریباً) ؁ ۲۹۶	پاٹلی پتر میں سائلوکس کی طرف سے ڈیمیکوس کا سفیر بن کر آنا؛
؁ ۲۸۵	ٹولمی فلیڈلفاس مصر کا بادشاہ ہوا؛
؁ ۲۸۰	شام کا بادشاہ سائلوکس نیکیٹر مر گیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا انٹی آکس سوٹر بادشاہ ہوا؛
؁ ۲۷۸ یا ؁ ۲۷۷	انٹی آکس اول کا پوتا مقدونیہ کا بادشاہ انٹی گناس گونٹس تخت پر بیٹھا؛
؁ ۲۷۲	ایپرس کا بادشاہ سکندر جو پرہس کا بیٹا اور انٹی گناس گونٹس کا حریف تھا تخت پر بیٹھا؛
؁ ۲۷۳	اشوک وردھن شاہنشاہ ہند کی تخت نشینی؛
؁ ۲۶۹	اشوک کی تاجپوشی؛
؁ ۲۶۴	جنگ پیونگ اول کا آغاز؛

سن قبل مسیح	واقعات
سنہ ۲۶۱	اشوک کا کلنگ کے علاقے کو فتح کرنا۔ شام کا بادشاہ انٹی آکس تھآس جو انٹی آکس سوٹر کا بیٹا تھا تخت پر بیٹھا؛
سنہ ۲۵۹	اشوک نے شکار کو موقوف کیا۔ زہد کی تعلیم دینے کے لیئے دورے مقرر کیئے۔ اور واعظ باہر بھیجے؛
سنہ ۲۵۸	ٹولمی فلیڈلفس کا سوتیلا بھائی سیرین کا بادشاہ مگس مر گیا۔ (؟) ایپرس کا بادشاہ سکندر فوت ہوا۔
سنہ ۲۵۷	اشوک کا چھوٹا سنگی فرمان نمبر ا۔ اور سنگی فرمان نمبر ۳ و ۴۔ نافذ ہوئے۔ اس نے ہر پانچ سال کے بعد قانونِ فرائض (دھرم) کی تبلیغ کے لیئے دوروں کا دستور نکالا۔ اور آجیوک سنیاسیوں کو برابر کی پہاڑیوں میں غار عطا کیئے؛
سنہ ۲۵۶	"چودہ سنگی فرمانوں" کا سلسلہ۔ اور کلنگ کے سرحدی فرمان کو اشوک نے شائع کیا۔ اور اس سال قانونِ فرائض کے محتسب بھی مقرر ہوئے؛
سنہ ۲۵۵	اشوک نے دوسری مرتبہ کپل وستو کے قریب کوناگمن کے ستوپ کی توسیع کی؛
سنہ ۲۵۴ (؟)	اشوک نے "کلنگ کا صوبے داری فرمان" نافذ کیا؛
سنہ ۲۵۰	اشوک نے ایک تیسرا غار آجیوک سنیاسیوں کو برابر کے پہاڑیوں میں عطا کیا؛
سنہ ۲۴۹	اشوک کا بودھ مذہب کے مقدس مقامات کے جاترا کو جانا۔ باغ لمبنی اور کوناگمن کے ستوپ کے قریب ستون قائم کرانا۔ (؟) اس کا نیپال جانا۔

سن قبل مسیح	واقعات
	اور وہاں للت پاٹن کا شہر آباد کرنا۔ اس کی بیٹی چارومتی نے سنیاس کی زندگی اختیار کی۔
(؟) سنہ ۲۴۹	باختر اور پارتھیا نے اپنی اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔
سنہ ۲۴۷	مصر کا بادشاہ ٹولمی فلیڈلفس فوت ہوا۔
سنہ ۲۴۷ یا سنہ ۲۴۶	شام کا بادشاہ انٹی آکس تھیاس جو سائلوکس نیکیٹر کا پوتا تھا فوت ہوا۔
سنہ ۲۴۳	اشوک نے ستونی فرمان نمبر ۶ تحریر کیا۔ اور سنگی فرمانوں کو مستقل کر دیا۔
سنہ ۲۴۲	اشوک نے "سات ستونی فرمان" کا کامل سلسلہ نافذ کیا۔
سنہ ۲۴۲ یا سنہ ۲۳۹	مقدونیہ کا بادشاہ انٹی آکس گناٹا مر گیا۔
سنہ ۲۴۱	پہلی جنگ پیونک کا خاتمہ۔ اور پرگیمم کی سلطنت کا آغاز۔
(؟) سنہ ۲۴۲ تا سنہ ۲۳۲	اشوک کے "چھوٹے ستونی فرامین"۔
سنہ ۲۳۲	اشوک کا انتقال:— دسرتھ اس کا جانشین ہوا۔ ناگارجونی کے غار۔ اجیوک سنیاسیوں کو عطا کیے۔ موریا سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔
(؟) سنہ ۲۲۴	سنگت موریا بادشاہ تھا (بندھپالت وایوپران)۔
(؟) سنہ ۲۱۶	سالسوک موریا۔ (اندرپالت۔ وایوپران)
	(؟) اڑیسہ کے بادشاہ کھاریوالا سے اس نے شکست کھائی۔
(؟) سنہ ۲۰۶	سوم سرمن موریا۔ (دساورمن یا دیوورمن۔ وایوپران)۔

سن قبل مسیح	واقعات
(؟) سنہ ۱۹۹	ستدھنوں موریا بادشاہ۔ (ستدھنس۔ وایوپران)؛
(؟) سنہ ۱۹۱	برہدرتھ موریا بادشاہ۔ (برسدسوا۔ وایوپران)
سنہ ۱۸۵	پشی متر برہدرتھ کو قتل کرکے بادشاہ ہوا۔ موریا سلطنت کا خاتمہ ہوگیا[1]؛

[1] اشوک کے جانشینوں کے نام "وشنوپران" سے لئے گئے ہیں ان میں سے سُیئشس کو ان وجوہ کی بنا پر جن کا ذکر متن کتاب میں کر دیا ہے نظر انداز کر دیا ہے۔ ان کے علاوہ اور نام جین مت کی کتابوں اور مذہب کی "اشوکاودان" میں مذکور ہیں۔ وایوپران میں جو تمام پرانوں سے قدیم ہے اس خاندان کے صرف نو نام مذکور ہیں۔ جن کا نام خطوط ہلالی میں لکھ دیا گیا ہے۔ اس میں سے ہر ایک کی مدتِ حکومت بھی دی ہے۔ جو سنین جدول میں مذکور ہیں وہ یہ فرض کر کے دیئے گئے ہیں اشوک نے چالیس یا اکتالیس برس حکومت کی تھی۔ مگر اس کی مدت حکومت وایوپران کے مطابق چھتیس برس اور مہاومس کے مطابق (۳۷) برس تھی۔ یہ دونوں اس کے زمانۂ تاجپوشی سے اس کی حکومت شمار کرتے ہیں۔ پران اس بات میں پھر متفق ہیں کہ موریا خاندان صرف (۱۳۷) برس تک برسرِ حکومت رہا۔ مگر وایوپران میں ان سب کی مدتِ حکومت صرف (۱۳۳) برس بیان کی ہے۔ اور یہ چار برس درمیانی عرصہ اشوک کے تخت نشینی اور جانشینی کے درمیان کا زمانہ جمع کر دینے سے پورا ہو جاتا ہے۔ اور زیادہ تفصیل کے لئے دیکھو پرگیٹر کی کتاب "دا نسٹیز آف دی کالی ایج" قرات میں بے شمار اختلافات ہیں؛

باب ہشتم

خاندانہائے سُنگ۔ کنو۔ و اندھر

از ۱۸۵ سنہ ق م تا (تقریباً) ۲۲۵ سنہ ۶

سُنگ خاندان

تقریباً ۱۸۵ سنہ ق م پشی متر سنگ کا غصبِ سلطنت

سپہ سالار پشی متر نے اپنے آقا برہدرتھ موریا کو قتل کر کے خالی تخت کو غصب کر لیا۔ اور موریا خاندان کی سلطنت پر جو اب مختصر رہ گئی تھی اپنا تسلط جما لیا[1]۔ اور اس طرح اس نے ایک خاندان کی بنیاد ڈالی۔ جو تاریخ میں سنگ خاندان کے

---

[1] پشی متر کے غصب کا جو حال پرانوں میں ملتا ہے اس کی تصدیق ساتویں صدی عیسوی کے شاعر بان کے بیان سے ہوتی ہے۔ جس نے غالباً وہ کاغذات دیکھے تھے جو اب گم ہو گئے ہیں۔ وہ لکھتا ہے۔ "اور تمام فوج کا اس نے اس بہانے سے جائزہ لیا کہ وہ بادشاہ کے سامنے ان کو پیش کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس کمینہ سپہ سالار پشی متر نے انھیں سے اپنے آقا برہدرتھ کو شکست دی جو اپنی (پرجوشی) کی قسم کو پورا کرنے میں کمزور تھا" اس ترجمے میں کاول اور ٹامس دونوں کے ترجموں (ہرش چرت۔ (ترجمہ) صفحہ ۱۹۳)۔ بیوہر (انڈین انٹی کویری جلد دوم صفحہ ۳۶۳) اور جیسوال کے ترجموں کو ملا دیا گیا ہے۔ پرانوں کا بہترین نسخہ (پرگیٹر صفحہ ۳۱ و ۷۰) صرف یہ کہتا ہے کہ "پشی متر سپہ سالار برہدرتھ کو فنا کرے گا۔ اور سلطنت پر (۳۶) سال حکمراں رہے گا"۔

نام سے مشہور ہے[1]؛

سنگ خاندان کی سلطنت کے حدود

غالباً قدیم زمانے کی طرح پشی متر کی حکومت کی دوران میں بھی پاتلی پتر ہی دارالسلطنت رہا۔ اور اغلب یہ ہے کہ سلطنت کے تمام مرکزی اور قریب کے صوبوں نے اس غاصب کی اطاعت قبول کرلی۔ یہ سلطنت شاید جنوب میں دریائے نربدا[2] تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ اس میں دریائے گنگا کی وادی کے علاقے شامل تھے جو آج کل بہار۔ ترہٹ۔ اور صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کے علاقے ہیں۔ یہ امر قرین قیاس نہیں کہ پشی متر یا موریا خاندان کے آخری تاجدار پنجاب کے علاقے پر قابض اور حکمراں ہوں۔ ولسن کا یہ خیال کہ پشی متر کی فتوحات دریائے سندھ تک پہنچ گئی تھیں ایک غلط فہمی پر مبنی تھا[3]؛

---

[1] سنگ کے خاندانی نام کی تصدیق پرانوں۔ ہان (صفحہ ۱۹۳)۔ اور بھرہت کے کتبے سے ہوتی ہے۔ جو اس طرح شروع ہوتا ہے:۔ "سنگ راجاؤں کا عہدِ حکومت" (آرکی آلوجیکل سروے ویسٹرن انڈیا۔ جلد ۵ صفحہ ۷۳۔ انڈین انٹی کویری جلد ۱۴ صفحہ ۱۳۸۔ مع فوٹو)؛

[2] "ملکہ (یعنے پشی متر کے بیٹے اگنی متر کی بیوی) کا ایک بھائی پنچ ذات سے ہے۔ اس کا نام ویرسین ہے۔ اس کو بادشاہ نے سرحد کے ایک قلعہ کا دریائے مندا کنی کے کنارے پر حاکم مقرر کردیا ہے" (دیباچہ مالوکا۔ آگنی متر) مسٹر ٹانی (ترجمہ صفحہ ۶) نے لکھا ہے کہ "مندا کنی سے یہاں غالباً نرمدا (یا نربدا) مراد ہے۔ بمبئی کے ایک قلمی نسخے میں پراکرت کا لفظ نرمدا ہی لکھا ہوا ہے"؛ مگر مسٹر پرٹیگر کو صرف دو ہی دریاؤں کا حال معلوم ہے جن کا نام مندا کنی تھا۔ ایک بندیل کھنڈ کے ضلع باندا میں واقع ہے۔ اور دوسرے گوداوری کے جنوبی معاون دریا کا نام ہے۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۸۹۴ع صفحہ ۲۶۰)؛

[3] ولسن:۔ "تھیٹر آف دی ہنڈوز" جلد دوم صفحہ ۳۵۳۔ کننگھم: نیومیٹک کرانیکل سنہ ۱۸۷۰ع صفحہ ۲۲۷؛

تقریباً ۱۵۵ ق م سنندر کا حملہ اور اس کی شکست

اپنے عہد حکومت کے اواخر میں اس غاصب کو ایک مہیب خطرے کا اندیشہ ہوا۔ منندر باختر کے بادشاہ یوکرٹائڈیز کا عزیز اور کابل و پنجاب کا حکمران تھا۔ اس نے سکندر کی مہمات کا مقابلہ و ہمسری کرنے کی دل میں ٹھانی۔ اور اس ارادے سے اندرون ہند میں ایک زبردست فوج لے کر داخل ہوا۔ اس نے دریائے سندھ کے مثلثی دہانے سراشٹر (کاٹھیاواڑ) جزیرہ نما اور مغربی ساحل کے چند علاقوں پر قبضہ کیا۔ دریائے جمنا کے کنارے متھرا کے شہر پر قابض ہو گیا۔ راجپوتانہ میں مدھیامکا (چتوڑ کے قریب موجودہ ناگری) کا محاصرہ کیا۔ جنوبی اودھ میں ساکیتم کی ناکہ بندی کی۔ اور بالآخر خود دارالسلطنت پاٹلی پتر پر حملہ کرنے کی دھمکی دی۔

ایک گھمسان لڑائی کے بعد اس حملے کی روک تھام کی گئی۔ اور آخر کار یونانی بادشاہ مجبوراً اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔ مگر ممکن ہے کہ مغربی ہند میں اس نے اپنی فتوحات پر چند سال تک قبضہ رکھا ہو[1]۔

ہندوستان اور یورپ۔

اس طرح خشکی کے راستے سے یوروپین جنرل کی دوسری اور آخری کوشش ہندوستان فتح کرنے کے لئے ناکامیاب ثابت ہوئی۔ اس کے بعد کے مغربی بر اعظم کے تمام حملہ آور جہازوں میں سوار ہو کر یہاں آئے۔ اس بھروسے پر کہ سمندر اُن کے قابو میں ہے۔ اور انھوں نے اس کو اپنا مرکز قرار دیا۔ ۱۵۳ ق م یا اس کے قریب قریب زمانۂ منندر کی شکست کے بعد سے لے کر ۱۵۰۲ء میں واسکوڈی گاما کی کالیکٹ پر گولہ باری کرنے تک ہندوستان یوروپین اقوام کے حملے کے خوف سے بالکل بےخوف تھا۔ اور اس وقت تک

[1] دیکھو ضمیمہ ذ۔ اس باب کے آخر میں :۔ منندر کا حملہ اور پتنجلی کا سن ذ۔

جبتک کہ موجودہ حکمران قوم سمندر پر قابو رکھنے میں کامیاب رہے گی قدیم حملہ آوروں کے قدم بہ قدم جتنے حملے خشکی کی طرف سے کیئے جائیں گے مستقلاً کامیاب نہیں ہوسکتے؛

اگنی متر کی جنگ ودربھ سے۔

سکندر کی جنگ کے دوران میں جنوب کے دوردراز صوبوں پر جو دریائے نربدا تک پھیلے ہوئے تھے ولیعہد اگنی متر بطور نائب السلطنت کے حکومت کررہا تھا۔ اس کا مستقر سلطنت ودِیشا موجودہ بھیلسا کے مقام پر تھا جو مہاراجہ سندھیا کے علاقے میں دریائے بیتوا کے کنارے پر واقع ہے۔ اگنی متر کا نوجوان بیٹا ابسومتر اپنے دادا کے حکم کے مطابق میدان جنگ میں برسر کار تھا۔ پشی متر نے جو اس وقت غالباً بہت عمر رسیدہ ہوگیا تھا ارادہ کیا کہ تمام شمالی ہند کے بادشاہ ہونے کا اپنے آپ کو حقدار ثابت کرے اور اس امر کا اعلان کردے۔ اس کا دعویٰ اُس فتح کی وجہ سے اور پختہ ہوگیا جو اس کے بیٹے اگنی متر نے ایک مقامی جنگ میں اپنے جنوبی ہمسائی ودربھ (یعنے برار) کے راجہ پر پائی جس نے مجبور ہو کر اپنی آدھی سلطنت ایک حریف عزیز کے حوالے کردی۔ اور دونوں حصوں کے درمیان دریائے وردا (ورد) حدِ فاصل قرار پایا؛

پشی متر نے اسومیدھ کی قدیم اور فراموش شدہ رسم پھر از سر نو نہایت طمطراق اور شان وشوکت کے ساتھ زندہ کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اس رسم کے ادا کرنے کا حق قدیم روایات کے مطابق صرف ان بادشاہوں کو ہوتا تھا جنھوں نے تمام ملک کو مطیع وزیر نگیں کرلیا ہو۔ اور اس سے قبل یہ ضروری ہے کہ اپنے حریفوں کے سامنے یہ دعویٰ کیا جائے اور اس دعوے میں وہ کامیاب ہو۔ یہ دعویٰ اس طرح ہوتا تھا:۔

اسومیدھ

"ایک خاص رنگ کا گھوڑا بعض رسوم ادا کرکے اس کام کے لیئے مخصوص کردیا جاتا تھا۔ اور اس کے بعد اس کو ایک سال کے واسطے

کھلا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ خود بادشاہ یا اس کا
نائب ایک فوج لیئے اس کے پیچھے پیچھے
چلتے تھے۔ اور جب یہ گھوڑا کسی بیگانہ سلطنت
میں داخل ہوتا تو وہاں کے راجہ کے لیئے
یہ ضروری تھا کہ یا جنگ کے لیئے تیار ہو جائے
اور یا اطاعت قبول کرے۔ اگر گھوڑے کا
مطلق العنان کرنے والا ان تمام بادشاہوں
سے اطاعت قبول کرانے میں کامیاب
ہو جاتا جس کی سلطنتوں میں کہ گھوڑے کا
گذر ہوا تو وہ تمام مفتوحہ علاقوں کے بادشاہوں کو
ساتھ لے کر بڑی شان و شوکت سے واپس
آتا۔ لیکن بالفرض اگر وہ ناکامیاب ہوتا۔ تو
وہ لوگوں کی نظروں سے گر جاتا۔ اور اس کے
دعوے کی تضحیک ہوتی۔ اس کے کامیاب
واپس آنے کے بعد ایک عظیم الشان جشن
منعقد ہوتا۔ اور گھوڑے کی قربانی
کی جاتی تھی[1]۔

یونان کم از کم برائے نام ہی سہی اس مخصوص گھوڑے کی محافظ فوج
کی سرداری پشی متر نے اپنے نوجوان پوتے بسمتر کو دی تھی۔
اس کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے یونان یا مغربی غیر ملکیوں
کی ایک جماعت سے مقابلہ کیا اور ان کو شکست دی۔ ان لوگوں نے
دریائے سندھو[2] کے کنارے پر جو آج کل بندیلکھنڈ اور راجپوتانہ کے

[1] ڈاؤسن :۔ "کلاسیکل ڈکشنری" مضمون اسومیدھ۔ دیکھو ڈاکٹر برنیٹ کی
انٹی کوئیٹیز آف انڈیا (۱۹۱۳ء) صفحہ ۱۷۱ - ۱۶۹۔
[2] اس سے دریائے سندھ مراد نہیں ہے۔

درمیان حد فاصل ہے۔ اس کی فوج کا مقابلہ کیا۔ ممکن ہے کہ یہ مقابلہ کرنے والے ہندر کی اس فوج کا ایک حصہ ہوں جس نے کہ راجپوتانے کے علاقے میں مدھیامکا کا محاصرہ کیا تھا؛

قربانی

یونانیوں اور دوسرے تمام حریفوں کا بتدریج خاتمہ کرنے کے بعد پشی متر کو اس بات کا حق حاصل ہو گیا۔ کہ وہ شمالی ہند میں مہاراجہ ادھیراجہ ہونے کا دعوے کرے۔ چنانچہ اس نے فوراً اس امر کا اعلان کرنے کے لئے اپنے دارالسلطنت میں نہایت شان و تجمل کے ساتھ قربانی چڑھائی۔ ناٹک لکھنے والے نے اس زمانے کی خصوصیات کو نہایت اچھی طرح محفوظ رکھا ہے۔ چنانچہ اس کا بیان ہے کہ جن الفاظ میں فاتح بادشاہ نے اپنے بیٹے اور ولیعہد کو اس قربانی میں شامل ہونے کے لئے مدعو کیا تھا وہ یہ ہیں:—

> خدا کرے کہ تم بخیر و خوبی ہو! ۔ قربانی کے احاطے میں سے سپہ سالار پشی متر اپنے بیٹے اگنی متر کی طرف جو ودِسا کے علاقے میں مقیم ہے نہایت پیار سے اس کو گلے لگا کے یہ پیغام بھیجتا ہے کہ:—
> تم کو یہ معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ میں نے جو باضابطہ طور پر راجسویا[۱] کی تقریب بجا لانے کے بعد بلا کسی مزاحمت و لگام کے ایک گھوڑے کو چھوڑ دیا تھا۔ جس کو ایک سال بعد واپس آنا تھا۔ اور بسومتر کو اس کا محافظ مقرر کیا تھا۔ اور

---

[۱] راجسویا وہ رسم تھی جو بادشاہ کی تخت نشینی کے وقت ادا کی جاتی تھی۔ تمام رسم کی ادائگی میں بارہ مہینے خرچ ہو جاتے تھے۔ اس کو آر۔ ایل۔ متر نے نہایت تفصیل سے۔ جے۔ ایس۔ بی۔ حصۂ اول جلد ۴۵ (۱۸۷۶ء) صفحہ ۹۸-۳۸۶ میں بیان کیا ہے۔ دیکھو ڈاکٹر برنیٹ کی کتاب انٹی کوئیٹیز آف انڈیا (۱۹۱۳ء) صفحہ ۱۶۷؛

اس کے ساتھ ایک سو راجپوتوں کا ایک دستہ تھا۔ یہ گھوڑا دائیں ہاتھ (یا جنوب) کی طرف گیا۔ اور دریائے سندھو کے کنارے پر یونوں کے سواروں کی ایک جماعت نے اس کا دعویٰ کیا تھا۔ اس پر دونوں فوجوں میں خونریز جنگ ہوئی۔ اور زبردست تیرانداز بسومتر نے دشمنوں کو شکست دے کر میرے نادر گھوڑے کو جس کو وہ لے جانے کی کوشش کر رہے تھے ان سے چھڑا لیا۔ چنانچہ اب کیونکہ میرا پوتا میرا گھوڑا العبینہ اُسی طرح واپس لے آیا ہے جس طرح انشمت سگر کا گھوڑا لایا تھا میں اس کی قربانی کرنا چاہتا ہوں۔ اور اس لیئے تم کو مدعو کرتا ہوں کہ اپنے دل سے غصہ دور کر کے میری بہوؤں کو ساتھ لے کے فوراً چلے آؤ اور اس قربانی میں شریک ہو۔[۱]

تپنجلی

اس رسم کی ادائی میں غالباً مشہور و معروف نحوی پتنجلی بھی شامل تھا۔ کیونکہ اس نے اس واقعے کا ذکر ایسے الفاظ میں کیا

---

[۱] "مالوکا اگنی متر" حصہ ۵ - مترجمہ ٹانی صفحہ ۸۷ - ٹاٹک کے نقشے کا ملخص ولسن (انڈین تھیئٹر جلد اول صفحہ ۳۵۳ - ۳۴۸) - اور سلوین لیوی (تھیئٹر انڈین صفحہ ۷۰ - ۱۲۶) نے دیا ہے - اس کو بعد تصحیح ٹلبرگ نے شایع کرایا ہے (بون ۱۸۴۰ء) - اور ٹانی نے اس کا انگریزی میں (کلکتہ ۱۸۷۵ء) - اور ویبر نے جرمن میں (برلن ۱۸۵۶ء) - ترجمہ کیا ہے - دو مرتبہ اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں ہوا ہے - اول مرتبہ فوکے اور دوبارہ وکٹر ہنری کے قلم سے (پیرس ۱۸۷۷ء و ۱۸۸۹ء) - اس میں تاریخی روایت بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے - اس کا مصنف کالیداس غالباً گپت خاندان کے زمانے میں پانچویں صدی میں گذرا ہے۔ سگر کے لیئے دیکھو ڈاؤسن - کلاسیکل ڈکشنری ۔

جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی کے زمانے کا ہے؛

برہمنی ردعمل کی شروعات۔

حیوانی زندگی کے مبالغہ آمیز تقدس نے جو۔ بدھ مذہب کا مایۂ ناز اور اشوک کے قوانین کے ایک بڑے حصے کا اصل اصول تھا وہ تمام خونی قربانیاں بھی بند کر دی تھیں جو برہمنی مذہب کی عبادات کی تکمیل کے لئے اشد ضروری تھیں۔ اور جن کے متعلق دیندار اشخاص کا خیال تھا کہ وہ بہت مفید اور ثواب کے کام ہیں۔ پشی متر کی قابل یادگار قربانی درحقیقت برہمنی مذہب کے اثر کی طرف پلٹنے کے رجحان کا پہلا زینہ تھی۔ جو اس کے پانچ صدی بعد سمدر گپت اور اس کے جانشینوں کے زمانے میں پورے زور و شور کے ساتھ کامل ہوئی؛

پشی متر ایک مذہبی ایذارساں خیال کیا جاتا ہے۔

اگر بدھ مذہب کے مصنفین کی تقسیم وہمی روایات قابل اعتبار خیال کی جاسکیں تو پشی متر نے ہندو روایات کے بتدریج اور امن کے ساتھ احیا پر ہی قناعت نہیں کی۔ بلکہ بدھ مذہب والوں کو حتی الوسع وحشیانہ انداز سے تکلیف بھی پہنچائی۔ ان کی خانقاہوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ اور مگدھ سے لے کر پنجاب کے مقام جالندھر تک ان کے راہبوں کو قتل کیا۔ بہت سے راہب جو کسی نہ کسی طرح اس کی تلوار سے بچ گئے[1] دوسرے بادشاہوں کے ملکوں میں چلے گئے۔ ممکن ہے کہ اس حکایت میں مبالغے سے کام لیا گیا ہو۔ مگر اس کو بالکل ہی رد کر دینا یقیناً احتیاط کے خلاف ہوگا؛

ہندوستان میں مذہبی ایذارسانی

اگرچہ اس کی شہادت موجود ہے کہ پشی متر نے بدھ مذہب کو ستایا تھا۔ تاہم بدھ مذہب کے

[1] تارا ناتھ شیفنر کا ترجمہ صفحہ ۸۱۔ دلویا وذان۔ بورناف کا دیباچہ دوسری ایڈیشن صفحہ ۳۸۴۔ تارا ناتھ نے لکھا ہے کہ پشی متر ایک برہمن تھا اور کسی بادشاہ کے پروہت کی خدمت انجام دیا کرتا تھا؛

ہندوستان میں سے بتدریج معدوم ہونے کے وجوہ اس ایذارسانی کے سوا اور بھی تھے۔ البتہ یہ بھی بالکل درست ہے کہ وقتاً فوقتاً متعصب بادشاہوں نے اپنے تعصب کا اظہار سخت ظلم وستم کے افعال سے ضرور کیا۔ اور جین یا بدھ مت والوں کو ان کے مذہب کی وجہ سے سخت سے سخت ایذائیں پہنچائیں۔ اس قسم کے امور کی بہت سی صحیح شہادتیں خود اس کتاب میں ملیں گی۔ اور ان کے علاوہ اور مثالیں بھی جو اس کتاب کے ضمن میں نہ آسکیں موجود ہیں۔ لیکن بہرحال اگر ہم یہ بات خیال میں رکھیں کہ بدھ اور جین مت کی بہت سے محرمات اگر کوئی بادشاہ ان پر سختی سے عمل کرانا چاہے جیسا کہ غالباً اشوک نے کیا تھا تو وہ سخت تکلیف دہ ہو جاتی تھیں۔ اور اس صورت میں اگر بعض بادشاہوں نے اپنے قہر وغضب کا اظہار کیا ہو تو کچھ بعید از قیاس نہیں۔ بلکہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ایذارسانی ایسی شاذونادر واقع ہوتی تھی۔ اور بالعموم ان تمام مختلف مذاہب کے پیرو پہلو بہ پہلو آرام اور چین سے زندگی بسر کرتے تھے[۱]۔ اور سرکاری عطیات میں ان سب کو برابر کا حصہ دار سمجھا جاتا تھا۔

[۱] بدھ مذہب کے ہندوستان میں ایذارسانی کی اصلیت سے رہس ڈیوڈس نے انکار کیا ہے (جرنل پالی ٹکسٹ سوسائٹی ۱۸۹۶ء صفحہ ۹۲-۸۷)۔ مگر ہوجسن۔ سیول اور وٹیرس اس کے مقر ہیں (ایضاً صفحہ ۱۱۰-۱۰۷)۔ سسانک کی مثال جس کو کہ اس کے تقریباً ہمعصر ہیون سانگ نے بیان کیا (بیل:۔ ریکارڈس جلد اول صفحہ ۲۱۲ جلد دوم صفحہ ۴۲ و ۹۱ و ۱۱۸ و ۱۲۱)۔ بالکل صحیح ثابت ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ مہرگل کا قصہ بھی ایسا ہی ہے۔ قدیم زمانے میں تبت اور ختن کا ہندوستان سے بہت تعلق تھا۔ تبت کی تاریخ نے بدھ مذہب کی ایذارسانی میں ایک بادشاہ لنگ ورم کا ذکر کیا ہے (راکہل:۔ لائف آف بدھا صفحہ ۲۲۶ و ۲۴۳)۔ اسی قسم کا ایک واقعہ ختن کی تاریخوں میں بھی ملتا ہے۔ ایضاً صفحہ ۲۴۲۔ سرت چندر داس۔ جے اے ایس بی حصہ اول ۱۸۸۶ء صفحہ ۲۰۰) جنوبی ہند میں جین مذہب کی

تقریباً ۱۴۹ ق م بعد کے سنگ کے خاندان کے افراد

جب ایک طول وطویل اور پراز واقعات حکومت اور منندر کی پسپائی کے تقریباً پانچ سال بعد پشی متر مر گیا تو اس کے بعد اگنی متر اس کا ولیعہد اس کا جانشین ہوا۔ جو اپنے باپ کے زمانے میں بھی جنوبی صوبوں پر حکمران رہا تھا۔ اس نے محض چند سال حکومت کی۔ اس کا جانشین بسوجیشٹا جو غالباً اس کا بھائی تھا ہوا۔ سات سال بعد اس کا جانشین بسومتر ہوا جو غالباً اگنی متر کا وہی بیٹا تھا جس نے اس قربانی کے گھوڑے کی حفاظت کا کام اپنے دادا کے حین حیات میں انجام دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان چاروں حکومتوں کا زمانہ بہت قلیل تھا اور صرف سترہ سال رہا۔ ان تمام حکومتوں کی اس قدر قلیل مدت ہونے سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ یہ زمانہ فتنہ و فساد اور شاہی محل کے انقلابات اور سازشوں کا تھا۔ اور اس نتیجہ کا قرین قیاس ہونا ایک واقعے سے ثابت ہوتا ہے جو اس زمانے کی روایات میں محفوظ رہ گیا ہے۔ اگنی متر کا ایک دوسرا بیٹا سُمتر کہا جاتا ہے کہ ناٹک کا بہت شوقین تھا۔ ایک موقع پر جب اس کے منظور نظر تماشہ گر اس کے گرد جمگھٹا لگائے کھڑے تھے ایک شخص متر دیو نامی نے "اس کا سر تلوار کے وار سے اسی طرح الگ کر لیا جس طرح کنول کو اس کی ڈالی سے الگ کر لیتے ہیں"[1]۔ نوین بادشاہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ ایک نہایت سخت ایذا رسانی ساتویں صدی عیسوی میں واقع ہوئی۔ (ایلیٹ:۔ کائنز آف سدرن انڈیا صفحہ ۱۲۲ سباب ۱۴ حصہ ۲)۔ اجیا دیوتا "جو گجرات کا ایک سیوا راجہ تھا (سنہ ۱۱۷۴-۶ع) اپنی حکومت کا آغاز جین کو نہایت بے رحمی سے ایذا رسانی سے کیا۔ اور ان کے پیشوا کو تعذیر کر کے مروا ڈالا" (آرکی آلوجیکل سروے ویسٹرن انڈیا جلد ۹ صفحہ ۱۶)۔ اس کے علاوہ اور بہت سی مستند مثالیں اس قسم کی مل سکتی ہیں؛

[1] بان:۔ ہرش چرت باب ۶۔ کاول اور ٹامس کا ترجمہ صفحہ ۱۹۲؛

بھاگوت کی حکومت کا عرصہ بتیس برس کا بیان کیا جاتا ہے مگر ہم کو اس کے متعلق اور کچھ معلوم نہیں۔ دسویں بادشاہ دیوبھوتی یا دیوبھُوحی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک نہایت بدچلن شخص تھا۔ اور اسی قسم کی ایک ناجائز سازش کے اثنا میں وہ قتل کیا گیا۔ اس طرح ایک سو بارہ برس حکومت کرنے کے بعد یہ خاندان ایسے ننگ و بے شرمی کی حالت میں ختم ہو گیا[1]؛

[1] "متر" کے مختلف اقسام کے سکے جو اودھ۔ روہیل کھنڈ۔ گورکھپور وغیرہ میں پائے گئے ہیں بسا اوقات سنگ خاندان کے متصور کرلئے جاتے ہیں۔ مگر وہ اس خاندان کے اسناد کی طور پر کام میں نہیں لائے جاسکتے۔ ان میں سے صرف ایک نام اگنی متر ہی پرانوں کی فہرست کے مطابق ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے دیکھو کارلائل اور رپورٹ کارننگ کا مضمون جے۔ اے۔ ایس۔ بی ۱۸۸۰ء حصہ اول صفحہ ۲۸-۲۱ و ۹۰-۸۷ مع لوح۔ کننگھم:۔ کائنز آف اینشنٹ انڈیا صفحہ ۶۹-۷۴-۷۹-۹۳ - کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم جلد اول صفحہ ۱۸۴۔ پرانوں کے بیان کے مطابق سُنگ خاندان کی سب سے زیادہ معتبر تاریخ حسب ذیل ہے:۔
«پشی متر بادشاہ کا سپہ سالار اپنے آقا برہدرتھ کو قتل کرے گا۔ اور چھتیس برس تک سلطنت پر حکومت کرے گا۔ اس کا بیٹا اگنی متر آٹھ برس تک بادشاہ رہے گا۔ بسوجیشٹا کی حکومت کا عرصہ سات سال ہوگا۔ اس کا بیٹا بسومتر دس سال حکومت کرے گا۔ پھر اس کے بعد اس کا بیٹا اندھرک دو سال تک حکمراں رہے گا۔ اس کے بعد پُلندک تین سال حکومت کرے گا۔ اس کا بیٹا گھوش تین سال تک بادشاہ رہے گا۔ پھر وجرمتر نو برس تک حکومت کرے گا۔ بھاگوت بتیس برس تک حکومت کرے گا۔ اور اس کا بیٹا دیوبھُومی دس برس تک۔ سنگ خاندان کے یہ دس بادشاہ ایک سو بارہ برس تک اس زمین پر حکمراں رہیں گے۔ اور ان کے بعد سرزمین کی حکومت کنو کے خاندان میں آجائے گی۔ (پرگیٹر: "ڈائنسٹیز آف دی کالی ایج" صفحہ ۳۰ و ۷۰۔ اس کے حاشیئے میں اختلاف قرأت کے حوالے موجود ہیں) مختلف حکومتوں کے عرصے کا مجموعہ ایک سو بارہ برس کی میزان کے برابر نہیں ہوتا؛

کنویا کنواین خاندان

تقریباً ۷۳ سنہ ق م
بسودیو کنو۔

شرابی اور بدچلن دیو بھوتی کی جس انقلاب نے جان اور سلطنت لی وہ اس کے ایک برہمن وزیر بسودیو کا تیار کیا ہوا تھا۔ اس کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے برائے نام آقا کی زندگی کے زمانے میں بھی سلطنت پر اس نے اپنا پورا تسلط جما لیا تھا[1]۔ سمتر کا قاتل متر دیو بھی غالباً اسی زبردست اور طاقتور خاندان کا ایک فرد تھا جو تاریخ میں کنویا کنواین خاندان کے نام سے مشہور ہے۔ پرانوں اور بان کی یہ متفقہ شہادت کہ سنگ خاندان کا دسواں اور آخری بادشاہ دیو بھوتی ہی تھا جس کو مار کر بسودیو کنو خاندان کے پہلے راجہ نے سلطنت حاصل کی۔ پروفیسر بھنڈارکر کے اس نظریے کو رد کر دیتی ہے کہ کنو خاندان سنگ خاندان کا ہمعصر تھا[2]۔

تقریباً ۲۶-۱۳ سنہ ق م
آخری کنو خاندان کے آخری بادشاہ

بسودیو نے اس تخت پر جس کو خود اس کے جرم نے اب خالی کر دیا تھا قبضہ کر لیا۔ اور اس کے بعد اس کی اولاد سے تین شخص اس کے جانشین ہوئے۔ اس خاندان کے

---

[1] "اپنے عشق و محبت کے جوش میں یہ زناکار اور عیاش سنگ راجہ اپنے وزیر بسودیو کے اشارے سے دیو بھوتی کی لونڈی کی ایک لڑکی کے ہاتھ سے جو اس کی ملکہ کے لباس میں ملبوس تھی مارا گیا (بان:- ہرش چرت باب ۶- کاول ٹامس کا ترجمہ صفحہ ۱۹۳)۔ "وزیر بسودیو اپنی قوت و زور سے عیاش راجہ دیو بھوتی کو اس کی کم سنی کی وجہ سے مار کر سنگ خاندان کے عہد میں بادشاہ ہو جائیگا" (برگیٹر:- صفحہ ۷۱)؛

[2] "ارلی ہسٹری آف دکن" دوسری ایڈیشن۔ بمبئی گزیٹر۔ جلد اول حصۂ دوم صفحہ ۱۶۳۔ میں نے اس نظریے کو اپنے مضمون "اندھرا ڈائنسٹیز" (زیڈ۔ ڈی۔ ایم۔ جی سنہ ۱۹۰۲ صفحہ ۶۵۸) میں قبول کر لیا تھا۔ مگر اب خود اس کو رد کرتا ہوں؛

چاروں بادشاہوں کی حکومت کا زمانہ صرف پینتالیس سال ہوا[1]۔ سنگ خاندان کی طرح ان کے بھی شمار مدت حکومت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے پیشرو خاندان کی طرح اس خاندان کے بادشاہوں کے عہد حکومت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ انکے زمانے میں بھی فتنہ وفساد بالعموم پھیلا رہا اور جانشینی کا فیصلہ اکثر جنگ وجدل سے ہوتا تھا۔ ان کنوا راجاؤں کی حکومتوں کے واقعات بالکل معلوم نہیں۔ اس خاندان کا سب سے آخری راجہ ۲۷ق م یا ۲۸ق م میں آندھر یا سات واہن خاندان کے ایک بادشاہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جس کی سلطنت اس زمانے میں بہت وسیع تھی۔ اور تمام دکن میں ایک سمندر سے دوسرے سمندر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اگرچہ اب تک کوئی سکہ یا یادگاری عمارت ایسی دریافت نہیں ہوئی جس سے اندھر خاندان کے راجاؤں کا تعلق قدیم شاہنشاہی دارالسلطنت پاٹلی پتر سے معلوم ہوسکے لیکن یہ ممکن ہے کہ ایک مدت تک مگدھ کی بادشاہی پر بھی۔ ان کا قابو رہا ہو۔ اس خاندان کے قدیم ترین سکے جو اب تک دریافت ہوئے ہیں سب کے سب شمالی انداز کے ہیں۔ اور ان پر سات کا نام ہے جو غالباً سات کرنی پرانوں کی فہرست کا چھٹا بادشاہ تھا اور ۱۵۰ق م میں برسر حکومت تھا۔ شروع سے لے کر آخر تک اندھر خاندان کے سکے شمالی ہند کی ٹکسال سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور اس امر کی

---

[1] پران کی عبارت حسب ذیل ہے:۔ "وہ (یعنی بسودیو) کنوایانہ نو سال تک بادشاہ رہے گا۔ اس کا بیٹا بھومی متر چودہ سال حکومت کرے گا۔ اور اس کا بیٹا نارائن بارہ سال تک اور اس کا بیٹا سُسَرمن دس سال۔ یہ راجہ سنگ بھرتیا کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ چار کنوا برہمن پینتالیس برس تک زمین سے فائدہ اٹھائیں گے۔ ہمسایہ بادشاہوں پر ان کی حکومت ہوگی۔ اور وہ نیک ہوں گے۔ ان کے بعد اندھر خاندان زمین کا مالک ہوگا" (پرگیٹر صفحہ ۷۱۔ اختلاف قرأت حاشیوں میں دیئے گئے ہیں) ان حکومتوں کی تفصیلی مدت بھی میزان یعنی (۴۵) کے مطابق ہے۔

توضیح کے لئے یہی مفروض ہو سکتا ہے کہ حقیقتہً ایک مدت تک مگدھ ایک صوبے کی حیثیت سے اس خاندان کے زیر تصرف رہا تھا۔ مگر اس خیال کی تائید کے لئے بہت ہی کم شہادت موجود ہے[1]۔

پرانوں میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ اندھر خاندان کنو خاندان کے بعد قائم ہوا۔ اور اسی وجہ سے وہ کنو خاندان کے آخری بادشاہ کے قاتل سُمک یا سِپرک کو اندھر خاندان کا پہلا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن امر واقعی یہ ہے کہ خود مختار اندھر خاندان ضرور ۲۴۰ یا ۲۳۰ ق م میں استقلال سے قائم ہوا ہوگا۔ یعنے یہ واقعہ ۲۸ ق م میں کنو خاندان کی مغلوبیت سے بہت قبل کا ہے۔ جس اندھر راجہ نے سسرمن کو قتل کیا ممکن نہیں ہے کہ سُمک ہو یہ بھی تیقن کے ساتھ کہنا ناممکن ہے کہ وہ مگدھ خاندان کا کون راجہ تھا۔ کیونکہ اس خاندان کے بہت سے راجاؤں کی تاریخ جلوس صحیح طور پر معلوم نہیں۔ اور آج کل صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کنو کے آخری راجہ سُسَرمن کا قاتل بظاہر اندھر خاندان کے گیارھویں۔ بارھویں یا تیرھویں راجاؤں میں سے ایک نہ ایک ہوگا۔ ۲۸ ق م کنو خاندان کے خاتمے کی تقریباً صحیح تاریخ تسلیم کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اس تاریخ کے تعین کا تعلق اندھر کے راجاؤں کے سنہ جلوس سے نہیں بلکہ سنگ اور کنو خاندان کے علی الترتیب ایک سو بارہ اور پینتالیس برس کے عہد حکومت سے ہے۔ اور یہ مدت قابل اعتبار معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ ۲۸ ق م کی تاریخ ایسی ہے کہ وہ بظاہر تین مذکورہ اندھر راجاؤں کے کسی ایک کے عہد حکومت کی

---

[1] دیکھو مصنف کا مضمون: ”اندھرا کائینج“ (زیڈ۔ڈی۔ایم۔جی ۱۹۰۳؁ء صفحہ ۶۰۵-۶۰۷) - ایک قدیم تامل زبان کی نظم ”چلپاتھی کارم“ میں چیرا خاندان کے ایک راجہ کا مگدھ کے بادشاہ سات کرن کے ہاں ملاقات کے لئے جانا بیان کیا گیا ہے۔ (وی۔کے۔پلے:- تاملز ایٹین ہنڈریڈ ایئرس اگو صفحہ ۶)

حدود میں واقع ہے[1]؛

اندھر خاندان

اندھر کا قدیم ترین ذکر

کنو خاندان کی تباہی کے بعد اندھر راجاؤں کی تاریخ لکھنی شروع کرنے سے پہلے ہم کو بعید عہد ماضی کی طرف ایک نگاہ ڈالنی چاہیئے۔ اور ان منازل کا حال معلوم کرنا چاہیئے جن سے گذر کر آخر کار اندھر سلطنت تمام ہندوستان کی زبردست ترین حکومت ہو گئی؛

۳۰۰ سنہ ق م

چندرا گپتا موریا اور مگاس تھنیز کے زمانے میں اندھر قوم جو دراوڑی نسل سے تھی اور جس کی اولادیں تلنگی بولنے والے لوگ اب تک موجود ہیں۔ دریائے گوداوری اور کرشنا کے مثلثی دہانوں پر مشرقی ہندوستان کے حصوں پر قابض تھی۔ اس وقت ان کے متعلق مشہور تھا کہ ان کی فوجی قوت محض پر اسی قوم کے بادشاہ یعنی چندرا گپتا ہی کی فوجی طاقت سے کم تھی۔ اندھر سلطنت میں دیگر بے شمار قصبات کے علاوہ تیس قلعبند شہر تھے۔ اور ان کی فوج میں (۱۰۰۰۰۰) پیادے۔ (۲۰۰۰) سوار۔ اور (۱۰۰۰) ہاتھی شامل تھے[2]۔ خیال کیا جاتا ہے اس کا دار السلطنت سری کاکلم کے مقام پر تھا۔

---

[1] موریا خاندان کا خاتمہ تقریباً ۱۸۵ سنہ ق م۔ اس میں سے منہا کرو:- ۱۱۲+۴۵=۱۵۷ یعنی ۱۸۵ - ۱۵۷ = ۲۸ سنہ ق م؛

[2] پلنی بہ مقالہ ۶۔ ابواب ۲۱ و ۲۲ و ۲۳ یہ بیان غالباً ان خبروں پر مبنی ہے جسے مگاس تھنیز نے ہم پہنچایا تھا۔ اس عبارت پر مصنف کے مضمون "اندھرا ہسٹری اینڈ کائینج" (زیڈ۔ ڈی۔ ایم۔ جی سنہ ۱۹۰۲ سنہ ۱۹۰۳) میں مفصل موجود ہے۔ اور وہ ناظرین جو اندھر خاندان کی تاریخ کے ماخذون کی تفصیلات معلوم کرنے کے خواہاں ان کو چاہیئے کہ اسی مضمون کا مطالعہ کریں؛

جو دریائے کرشنا کے زیرین حصے میں واقع تھا[51]

جس قوم کا اس طرح پر ذکر کیا گیا ہے وہ یقیناً خود مختار ہو گی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم نہیں کہ چندر اگپتا یا بندوسار کے عہد حکومت کے کس زمانے میں اندھروں کو موریا خاندان کی ناقابل مقاومت افواج کے سامنے اطاعت کرنی پڑی تھی۔ اور انھوں نے موریا خاندان کے بادشاہوں کو اپنا حاکم اعلیٰ قبول کر لیا تھا؛

۲۵۶ ق م اندھر اشوک کے باجگزار ہیں۔

اس کے بعد جب ان کا ذکر اشوک کے فرامین (۲۵۶ ق م) میں آتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی سلطنت کے سرحدی اقوام میں شامل تھے۔ اور باوجود اس کے کہ ایک بڑی حد تک وہ اپنے اندرونی معاملات میں اپنے راجہ کے زیر حکومت تھے مگر پھر بھی ان کو اشوک کے احکام اور فرامین کا ماننا ضروری تھا[52] مگر اشوک کی موت گویا اس کی وسیع سلطنت کے تتر بتر ہو جانے کا پیش خیمہ تھی۔ اگرچہ حضوری صوبجات میں اس کے کمزور جانشین جو پاٹلی پترا کے تخت پر متمکن تھے۔ حکمراں رہے لیکن دور دراز کے ممالک نے جن میں کلنگ کا علاقہ بھی جس کو کہ اس قدر مصیبت اور

[51] برگیس:۔ "دی سٹوپاز آف امراؤتی اینڈ جگیاپیٹھ" (آرکی آلوجیکل سروے آف سدرن انڈیا صفحہ ۳) اس میں ولسن کے "مکنزی مینوسکرپٹس" جلد اول دیباچہ صفحہ ۱۱۷ اور کیمپبل کی "ٹیلیگو گرامر" دیباچہ صفحہ ۲ کا حوالہ دیا ہے۔ قدیم دار السلطنت (شمال عرض بلد ۲۰ – ۸ٗ مشرق طول بلد ۵ٗ – ۵۵) کی جائے وقوع دریا برد ہو گئی ہے۔ (دیکھو۔ ری:۔ پروسیڈنگس گورنمنٹ آف مدراس۔ پبلک نمبر ۴۲۳۔ مورخہ ۱۸۔ جون ۱۸۹۲ء)؛

[52] "اور یہاں بھی بادشاہ کی سلطنت میں یون اور کمبوج اقوام میں۔ بھوج اور پٹینکس۔ اور اندھر اور پلند اقوام میں ہر جگہ لوگ اس قانون فرائض کی پابندی کرتے ہیں۔ جس کا اعلان خود بادشاہ کی طرف سے ہوا ہے۔" (سنگی فرمان نمبر ۱۳۔)؛

تکلیف سے کے بعد فتح کیا گیا تھا شامل تھا بہت جلد شاہنشاہی حکومت کا جوا اپنی گردن سے اُتار کر پھینک دیا۔

تقریباً ۲۲۰ سنہ یا ۲۳۰ سنہ ق م راجگان سُمک و کرشنا۔

اندھر قوم نے بھی اس زبردست بادشاہ یعنے اشوک کی موت سے جو موقع ہاتھ آیا اس سے فائدہ اُٹھانے میں سُستی نہ کی اور اس کی حکومت کے خاتمے کے بہت جلد بعد یا غالباً اس کے ختم ہونے سے بیشتر ہی انھوں نے ایک علیحدہ حکومت اپنے بادشاہ سُمک نامی کی ماتحتی میں قائم کرلی۔ اس نئے خاندان نے اپنی سلطنت کو اس قدر سرعت اور تیزی سے وسعت دی کہ دوسرے راجہ کرشنا (یا کنھ) کے زمانے ہی میں ناسک کا شہر جو مغربی گھاٹ پر گوداوری کے منبع کے قریب واقع تھا اندھر سلطنت میں شامل ہوگیا۔ اور اس طرح یہ سلطنت ہندوستان کے وار پار پھیل گئی۔

تقریباً ۲۱۸ سنہ ق م کھاریویلا۔

اس کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس خاندان کے تیسرے بادشاہ سری ساتکرنی کا جو "مغرب کا مالک" بیان کیا جاتا ہے مقابلہ مشرق میں کلنگ کے راجہ کھاریویلا سے ہوا۔ کیونکہ یہ سلطنت بھی اشوک کی موت کے بعد خود مختار ہوگئی[۱] تھی۔

۱؎ کلنگ کے جین راجہ کھاریویلا کا کتبہ جو ادیاگیری یا ہاتھی گمپا کے مقام پر پایا گیا ہے بہت کچھ معرض بحث میں رہا ہے۔ اور ماہرین آثار قدیم غلطی سے یہ سمجھتے تھے کہ اس پر موریا خاندان کے سنہ کی ۱۶۵ سنہ کی تاریخ کندہ ہے۔ سب سے آخری اور سب سے زیادہ مستند بیان جو اس خراب شدہ کتبے کا ہے وہ پروفیسر لیوڈر کا ایک سرسری ترجمہ ہے جو اس نے "اپی گرافیا انڈکا" جلد ۱۰ ضمیمہ صفحہ ۱۶۰ میں دیا ہے۔ اس سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ کھاریویلا۔ ملقب بہ "مہامیگھ واہن" کلنگ کے جیت خاندان کا تیسرا راجہ تھا۔ اور چوبیس برس کی عمر میں وہ مہاراجہ مقرر ہوا۔ اور اس کے قبل نو برس تک

کنو خاندان کا خاتمہ تقریباً ۲۸ سنہ یا ۲۷ سنہ ق م

اس کے بعد اندھر خاندان کا اس وقت تک کوئی ذکر نہیں آتا جب تک کہ اندھروں کے ایک راجہ نے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کنو خاندان کے آخری تاجدار کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- وہ ولیعہد (یووا راجہ) رہا۔ اس کی حکومت کے دوسرے سال اس نے مغرب کی طرف ایک فوج بھیجکر سات کرنی کا مقابلہ کیا۔ پانچویں سال اس نے ایک ایسے بند کی مرمت کی جو نند راجہ کے زمانے سے ایک سو تین سال کے عرصے سے بالکل بے کار پڑا ہوا تھا۔ راجگری یعنے مگدھ کے راجہ کو ستایا۔ بارھویں سال اس نے اپنے ہاتھیوں کو دریائے گنگا میں پانی پلایا۔ اور مگدھ کے راجہ کو مجبور کیا کہ وہ اس کے قدموں پر سر تسلیم خم کرے۔ اور تیرھویں سال اس نے چند ستون قائم کئے؛

راجہ نند کے نام کے حوالے سے اس کا سنہ تقریباً صحت کے ساتھ معلوم ہو سکتا ہے۔ میرے نظام سنین کے مطابق نند خاندان کے آخری راجہ کی آخری تاریخ ۳۲۲ سنہ ق م ہے۔ اس میں سے اگر ایک سو تین برس منہا کر دیئے جائیں تو کھارویلا کے پانچویں سن جلوس کا سال ۲۱۹ سنہ ق م ہوتا ہے۔ اور ۲۲۳ سنہ اس کی تخت نشینی کا سال یعنے اشوک کی وفات کے پورے نو برس بعد جس اندھر راجہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ سری سات کرنی کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا جو پران کی فہرست میں تیسرے نمبر پر ہے۔ جس کی ایک شبیہ ناناگھاٹ کے مقام پر کندہ ہے اگرچہ مٹی ہوئی ہے۔ ناناگھاٹ ایک درہ ہے جس میں سے کونکن کے علاقے سے ضلع پونا کے قریب قدیم شہر جنّار کو راستہ جاتا ہے۔ (آرکی آلوجیکل سروے آف ویسٹرن انڈیا۔ جلد ۵ صفحہ ۵۹)؛

سات کرنی اول۔ اور کھارویلا کی ہم عصر ہونے سے یہ بات بالکل صریح طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچگئی ہے کہ اندھر خاندان کنو خاندان کے آخری بادشاہ کی موت کے بعد فوراً شروع نہیں ہو سکتا۔ سات کرنی اول کا جو سنہ بتلایا جاتا ہے وہ ناناگھاٹ کے کتبے کے بالکل مطابق ہے۔ اور اس میں اندھر راجاؤں میں سے پہلے اور دوسرے راجہ یعنے سمک اور کرشنا کے متعلق بھی ایسی ہی معلومات پائی جاتی ہیں۔ (لیوڈرز:- ایضاً۔ نمبر ۱۱۱۳ - ۱۱۱۴ - ۱۱۴۴) - مگدھ کا وہ بادشاہ جس کو کھارویلا نے شکست دی۔ موریا خاندان کے آخری تاجداروں میں سے

قتل کیا۔ اور اس کے ملک کا جو کوئی ملک ہو۔ اور جو اب تک اس خاندان کے اقتدار کو تسلیم کرتا تھا اپنی سلطنت کے ساتھ الحاق کیا۔ اندھر کے تمام راجاؤں کا دعویٰ ہے کہ وہ سات واہن کے خاندان سے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر کا لقب یا نام سات کرنی تھا۔ اور اسی وجہ سے بادشاہ کا اصلی نام لینے کے بجائے یہ لوگ ان ہی دو القاب میں سے کسی ایک کے حوالے سے ذکر کیے جاتے ہیں۔ اس طرح بعض دفع یہ معلوم کرنا ناممکن ہو جاتا ہے کہ کس بادشاہ کا مذکور ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے سُسَرمن کنو کے قاتل کا اصلی نام معلوم نہیں ؎

راجہ ہال اور پراکرت علم ادب۔

ان میں سے سترھویں راجہ ہال کا نام علم ادب کی تاریخ سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مہاراشٹر کی قدیم زبان میں لکھی ہوئی عاشقانہ غزلیات کا ایک مجموعہ موسومہ بہ سپت سٹک یعنی "سات صدیاں" کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا مصنف ہال تھا۔ اور علمی روایات کے مطابق وہ سال واہن جو سات واہن ہی کی ایک اور شکل ہے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر پروفیسر سر آر۔ جی۔ بھنڈارکر نے یہ تجویز کیا ہے کہ یا تو غالباً ہال اس کا خود مصنف تھا اور یا کسی اور مصنف نے اس کے نام اپنی کتاب کو معنون کیا تھا[۱]۔ اس کے علاوہ اور دوسری روایات بھی پراکرت میں لکھے ہوئے علم ادب کو اندھر راجاؤں کی طرف منسوب کرتی ہیں۔ بنظاہر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ تھا۔ اور غالباً اس کا نام سالی سُوک تھا۔ (تقریباً ۲۲۳ سے ۲۱۱ سنہ ق م) اور یہ واقعہ ۲۱۲ سنہ ق م۔ یا اس کے قریب کا ہے ؎

[۱] "ارلی ہسٹری آف دی ڈکن" دوسرے ایڈیشن۔ بمبئی گزیٹیر (۱۸۹۶ سنہ) جلد اول حصۂ دوم صفحہ ۱۷۱ ؎

ان کے زمانے اور ان کی قلمرو میں سنسکرت عام فہم ادبیات میں عموماً مستعمل نہ تھی ؂

اندھروں اور دیگر ممالک کے درمیان جنگ۔

راجہ گوتمی پتر سری سات کرنی (نمبر ۲۳) اور راجہ واسشٹی پتر سری پلمائی (نمبر ۲۴) کے دور حکومت میں اندھروں کے ان غیر ملکی قبائل کے ساتھ مڈبھیڑ ہوی جو مغربی ہند میں آباد ہوگئے اور وہاں سلطنتیں پیدا کرلی تھیں۔ اور بظاہر پہلے پہلے ہندی پارتھی اور بعد میں کشان بادشاہوں کے زیر فرمان تھے اسی قسم کی کشمکش کے واقعات جو دیسی راجاؤں اور غیر ملکی سرداروں کے درمیان ہوئے تاریخ ہند قدیم میں اکثر پائے جاتے ہیں ؂

سترپ بھومک کشہرات۔

اُن علاقوں میں بیرونی آبادکاروں کی تاریخ جو آج کل زیادہ تر احاطۂ بمبئی میں شامل ہیں بالکل پراگندہ اور مجمل ہے۔ لیکن پھر بھی سکوں اور کتبوں کے مطالعہ سے اس پر بہت کچھ روشنی پڑ سکتی ہے۔ مغربی ہند میں قدیم ترین بادشاہ جس کا نام محفوظ رہ گیا سترپ بھومک کشہرات تھا۔ جس نے پارتھی نمونے کے سکے مضروب کرائے۔ اور قیاس ہے کہ وہ کسی نہ کسی ہندی پارتھی بادشاہ غالباً گانڈوفریس کا ماتحت تھا۔ اس کی صحیح تاریخ معلوم نہیں لیکن قیاسی طور پر اس کا پہلی صدی عیسوی کے درمیان میں ہونا فرض کیا جاسکتا ہے۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس سے ذرا قبل ہوا ہو۔ اور اس کے پیشرو بھی ہوں۔ کشہرات قوم کا تعلق سک قوم سے تھا۔ اور اغلب یہ ہے کہ وہ موجودہ سیستان کے علاقے سے نقل مکان کرکے یہاں وارد ہوے ہوں ؂

سترپ اعظم نہپان کشہرات

کشہرات قوم کا دوسرا سردار جس کا نام معلوم ہے وہ نہپان تھا۔ جو ممکن ہے کہ بھومک کے بعد ہی اس کا جانشین ہوا ہو۔ قیاساً اس کا زمانہ سنہ ۷۰ء اور سنہ ۹۰ء کے درمیان تھا۔ اس کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایرانی

نسل سے تھا۔ بھومک کی طرح اول اول ان کا درجہ محض سترپ کا تھا۔ لیکن بعد میں اس نے سترپ اعظم (مہا کشترپ) کا لقب اختیار کر لیا۔ اور اس کے علاوہ وہ ہندی لقب "راجہ" سے بھی موسوم تھا۔ اس کی سلطنت میں ایک بڑا رقبہ شامل تھا۔ وہ جنوبی راجپوتانے سے لے کر مغربی گھاٹ کے اضلاع ناسک اور پونا تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور جزیرہ نمائے سراشتر (یعنی کاٹھیاواڑ) کا علاقہ بھی اس سے ملحق تھا۔ سترپ یا سترپ اعظم کے خطابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی شمالی طاقت کا ماتحت تھا۔ جو کشان ہی کی سلطنت ہو سکتی ہے۔

گوتمی پتر سات کرنی کے ہاتھ سے کشہرات قوم کی بیخ کنی۔

اندھر راجہ نمبر ۲۳ گوتمی پتر سری سات کرنی جس کے متعلق فرض کیا جا سکتا ہے کہ وہ ۱۰۶ء میں تخت پر بیٹھا ۱۲۴ء میں کشہرات کے خاندان کی بیخ کنی کرنے اور اس کے علاقے کو اپنی سلطنت کے ساتھ ملحق کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس نے اپنی اس فتح کا اعلان اس طرح کیا کہ مفتوح راجاؤں نے سالہا سال قبل جتنے سکے جاری کئے تھے ان سب کو واپس جمع کیا۔ اور ان پر نہایت بھدے پن سے اپنی مہر لگا دی۔ اس نے اپنے آپ کو بے ذات پات بیرونی اقوام جیسے سک یونکو وغیرہ کے مذہب کے مقابلے میں ہندی مذاہب کا حامی ظاہر کیا وہ مذاہب جن میں برہمنوں کا مذہب اور بدھ مت شامل تھے۔ اور اس بات پر وہ فخر کرتا تھا کہ اس نے ذات کے قواعد و ضوابط کی پابندی کو نئے سرے سے جاری کر دیا ہے۔ اس طرح اس نے "سات واہن خاندان کی شوکت پھر قائم کی"۔ اور اب اس کی یہ حیثیت تھی کہ وہ اپنے ہندی رجحان قلب کو برہمنوں اور بدھ مذہب والوں کو عطیات دے کر تسلی دے لے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ باوجود اس کے کہ اندھر راجہ کا مذہب صریحاً برہمنی تھا۔ لیکن ان کے محفوظ عطیات کی فہرست میں بڑی تعداد

وہ ہے جو بدھ مت والوں کو دئے گئے تھے ؞

ردرو امن اول کی فتح پلمائی پر۔

سنہ ۱۳۵ء کے قریب گوتمی پتر سری سات کرنی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا راجہ واسشتی پتر سری پلمائی اس کا جانشین ہوا۔ اور اس نے تقریباً تیس سال حکومت کی۔ ردرو امن اول اجین کے سک قوم کی ستریپ اعظم کی بیٹی سے اُس کی شادی ہوی تھی۔ مگر یہ تعلق ستریپ اعظم کے لئے اپنے داماد پر حملہ کرنے میں سدراہ نہیں ہوا۔ اس نے دو دفعہ اندھر راجہ کو شکست دی اور اس کے علاقے کا ایک بڑا حصہ اس نے لے لیا جو گوتمی پتر سات کرنی نے کشہرات قوم سے چھینا تھا۔ بہر حال اس تعلق کا نتیجہ اتنا ضرور ہوا کہ فاتح نے ایسا بدترین سلوک کیا جو وہ ایک اجنبی کے ساتھ کر سکتا تھا۔ اس مفتوح کے ساتھ روا نہ رکھا۔ ردرو امن اول کی ان فتوحات کا خاتمہ یقیناً سنہ ۱۵۰ء کے قبل ہو گیا ہو گا۔ کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ اس کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس نے ایک کتبہ کندہ کرایا جس میں ان تمام علاقوں کی فہرست شامل تھی جو مغربی ہندوستان میں اس کے زیرنگیں تھے ؞

ردرو امن اور جشتن کی زندگیاں۔

ردرو امن جو ایک پڑھا لکھا لائق فائق آدمی تھا۔ اور جس نے اپنے خاندان کو اتنا بڑھایا کہ وہ مغربی ہند میں سب سے بڑی طاقت ہو گیا۔ زبردست ستریپ جشتن کا پوتا تھا۔ جس کے چاندی اور تانبے کے سکے جن پر برہمی۔ کروشتی۔ اور یونانی زبان میں عبارتیں لکھی ہوی ہیں اور جو گجرات میں پائے جاتے ہیں۔ جشتن کے عہد حکومت کے واقعات منضبط نہیں۔ مگر اس کی تقریباً صحیح تاریخ کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ اس کا پوتا سنہ ۱۳۰ء اور سنہ ۱۵۰ء کے درمیان برسر حکومت تھا۔ اس وجہ سے جشتن کا زمانہ غالباً سنہ ۸۰ء اور سنہ ۱۱۰ء کے بین بین ہے۔ ان تاریخوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جشتن کشان خاندان کے ماتحتی ہی میں ستریپ اعظم کا کام انجام دیتا ہو گا۔ یعنے میرے نظام سنین کے مطابق

پلنستک کا زمانہ تھا۔ سوراشترا اور مالوا کے سک قوم کے ستریپ اور علیٰ ہذا القیاس نہپان کشہرات فطرتی طور پر اپنے آقاؤں یعنے کشان خاندان کے بادشاہوں کی پیروی میں سک سمنہ کا استعمال کرتے تھے۔ جو اسی زمانے میں نیا نیا قائم کیا گیا تھا۔ ایسے سکوں اور کتبوں کی کثرت کی وجہ سے جن پر سمنہ و سال ثبت ہے اُس خاندان کی تاریخوں یا سنین کے متعلق کسی قسم کے شک کی گنجایش نہیں جس کا بانی چشتن تھا۔ ان کی تاریخ کا تذکرہ ہم خاندان گپت کے حال میں کریں گے ؛

یجن سری تقریباً ۱۶۳ع میں واسشتی پتر پلمائی کی وفات کے بعد اگر اندھر خاندان میں سے کوئی بڑا نامور راجہ ہوا تو وہ گوتمی پتر یجن سری تھا جس نے تقریباً ۱۷۳ع سے ۲۹ سال تک حکومت کی۔ اس کے بہایت ہی شاذ چاندی کے سکے جن میں اس نے ستریپوں کے سکوں کی نقل اتارنے کی کوشش کی ہے یہ صریحاً ثابت کرتے ہیں کہ مغربی ستریپوں کے ساتھ اس کے تعلقات نئے سرے سے قائم ہو گئے تھے۔ اور غالباً ایسے فتوحات بھی عمل میں آئے تھے جن کا حال ہم تک نہیں پہنچا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یجن سری نے اس جنگ کو از سر نو شروع کیا جس میں پلمائی ثانی کو شکست ہو چکی تھی۔ اور اس نے وہ چند صوبے جو اس کے پیشرو نے کھو دئے تھے پھر واپس لے لئے تھے۔ اس واقعے کے بعد یہ چاندی کے سکے مسکوک کئے گئے ہوں گے تاکہ وہ مفتوحہ علاقے میں

ل بیوہلر نے بہت مدت قبل ہی چشتن اور ہندی سیتھی بادشاہوں کے درمیانی تعلقات کو سمجھ لیا تھا۔ دیکھو انڈین انٹی کویری ۱۹۱۳ع صفحہ ۱۸۹ پر اس کے ایک پرانے مضمون متعلق ہندی کتبات وغیرہ کا ترجمہ۔ گرنار کے کتبے میں جھیل کے بند کے ٹوٹنے کا سنہ ۱۵۰ع میں ذکر ہے۔ مگر یہ واقعے کے چند سال بعد کندہ کیا گیا ہوگا۔ (ایضاً صفحہ ۱۹۰) ؛

رائج ہوسکیں۔ جیسے کہ اسی قسم کے سکے چندر گپت بکرما جیت نے سکک سترپوں کی بیخ کنی کے بعد مضروب کرائے تھے۔ بے شمار اور مختلف النوع مگر بھدے کانسی اور سیسے کے یجن سری کے مضروب کردہ سکے جو مشرقی صوبجات میں رائج تھے کتبات کی اُس شہادت کی تصدیق کرتے ہیں جن سے کہ اس کے عرصۂ حکومت کی طوالت کا حال معلوم ہوتا ہے[1]۔ بعض سکے جن پر جہاز کی تصویر بنی ہوئی ہے غالبًا اسی کے دورِ حکومت کے ہیں۔ اور ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یجن سری کی طاقت محض خشکی ہی تک محدود نہ تھی؛

آخری تین بادشاہ

مشرقی صوبوں میں بظاہر اس کے جانشین جن کے نام وجیا۔ چندر سری۔ پلمائی چہارم نے محض نام ہی نام باقی رہ گئے ہیں۔ پلمائی چہارم ہی وہ تاجدار ہے جس پر اندھر بادشاہوں کی طولانی خاندان کا تقریبًا ۲۲۵ء میں خاتمہ ہوگیا۔ لیکن بہرحال چندر سری کے وجود کی تصدیق ان چند دریافت شدہ سیسے کے سکوں سے ہوتی ہے۔ جن پر کہ اس کا نام موجود ہے[2]۔ تحقیقات سے غالبًا اس کے پیشرو اور جانشین کے سکے بھی ضرور بعد میں دریافت ہو جائیں گے؛

اس خاندان کا عرصۂ حکومت

پرانوں کی اس امر میں شہادت کہ یہ خاندان (۴۵۶) یا (۴۶۰) سال یا بہ ہیئت مجموعی ساڑھے چار صدی

---

[1] پروفیسر بھنڈارکر کا یہ خیال کہ اندھر خاندان کی دو شاخیں تھیں ایک مغربی اور ایک مشرقی قابل تسلیم نہیں۔ شہادت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اکثر بادشاہوں کے ہاتھ میں مغربی اور مشرقی دونوں ممالک یکساں طور پر تھے؛

[2] کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم جلد اول صفحہ ۲۰۹ - ریپسن :- کیٹلاگ آف کائنز آف دی اندھرا ڈائنسٹی (۱۹۰۸ء) صفحہ ۳۳ - ۳۲ - پروفیسر ریپسن کے خیال میں یہ سکہ اور زیادہ پرانا ہے؛

قائم رہا بظاہر بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ راجاؤں کی تعداد تیس ۳۰ بھی بظاہر بالکل درست بیان کی گئی ہے۔ ان بادشاہوں کی مندرجۂ ذیل فہرست یہ سمجھ کر بنائی گئی ہے کہ پرانوں کے بہترین نسخوں کی تعداد بالکل صحیح طور پر تیس دی ہے۔ اور اسی وجہ سے اس میں نمبر ۲۴ کا ذکر نہیں۔ کیونکہ اس کا نام وایو پران کے صرف ایک ہی نسخے میں ملتا ہے[1]؛

اندھروں کا آخری بادشاہ۔ موجودہ صورت میں ہم کو ان اسباب کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں جو آخر میں اس خاندان کے زوال و انحطاط کے باعث ہوئے۔ جو اتنی غیر معمولی طور پر مدت ہائے دراز تک اپنے ہاتھ میں طاقت کو مجتمع رکھنے میں کامیاب ہوا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یجن سری آخری بادشاہ تھا جو مشرقی اور مغربی دونوں صوبوں پر اپنی نگرانی اور حکومت قائم رکھنے میں کامیاب ہوا۔ ان کے بعد سات واہن کے خاندان کے چند افراد نے دکن کے مختلف حصوں میں چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں قائم کر لیں تھی۔ اتفاقاً اندھروں کی تباہی اور شمالی ہند میں کشان خاندان کے آخری بادشاہ بسودیو کی موت کی تاریخ اور ایران میں ساسانیوں کے عروج کا سنہ (۲۲۶ء) تقریباً بالکل ایک ہی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ان واقعات کا اس طرح پر منطبق ہونا محض اتفاقی نہ ہو۔ لیکن تیسری صدی عیسوی میں تاریخ ہند پر نہایت سخت تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور اس زمانے کے تقریباً ہر ایک واقعے پر فراموشی کا ایسا نقاب پڑا ہے کہ اس کے پیچھے کچھ دکھلائی دینا بالکل ناممکن ہے۔ مبہم تخیلات جن کی کوئی مصدقہ واقعات حد بندی نہ کر سکیں بالکل بیکار ہیں۔ اور اسی وجہ سے ہم کو بھی اسی پر قناعت کرنا چاہیئے کہ اندھرا خاندان تاریکی میں غائب ہو جاسکے پرانوں میں نہایت ہی سخت

[1] فہرست کے لیئے دیکھو ضمیمہ س کو

تتر بتر اور بے ترتیب فہرست ان بے شمار مقامی خاندانوں کی ملتی ہے جو اندھر کے جانشین بنے - ان میں یون اور سک خاندان بھی ہیں - جو صریحاً غیر ملکی ہیں - مگر ان فہرستوں کو اس طرح ترتیب دینا کہ وہ قابل فہم ہو جائیں ناممکن ہے ؛

ضمیمہ ذ

مندر کا حملہ اور پتنجلی کا سنہ

اسناد - مندر کے حملے کے متعلق مفصلۂ ذیل اسناد ہیں :-
سٹریبو - سب اسناد میں سے صرف اسی نے یونانی بادشاہ کا نام لکھا ہے - (باب ۱۱ - حصہ ۱۱ - فصل ۱ - باب ۱۵ حصہ ۲ - فصل ۳ -) - پتنجلی جو ہمعصر ہندو نجومی تھا سنسکرت میں علم ہیئت کی کتاب موسومہ بہ "گارگی سمیتھا"، جس کی تصنیف کی تاریخ غیر یقینی ہے - اور تارا ناتھ تبت کے بدھ مت کا مورخ ؛

سٹریبو سٹریبو کا راوی اپولودورس ارٹی مٹیا کا باشندہ اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ مندر نے دریائے ہائی پے فس (بیاس) کو جو سکندر کے حملے کی حد تھا عبور کیا - اور اسامس تک بڑھتا چلا گیا - اسامس معلوم نہیں کس مقام سے مراد ہے - اور آخر کار پٹلینے یعنے دریائے سندھ کے مثلثی دہانے سیرونٹیس (سراشتریا کاٹھیاواڑ) اور مغربی ساحل کے علاقے موسومہ سگرڈس کو زیر نگین کیا - اس بیان کی مزید تائید پریپلس کے مصنف کے بیان سے ہوتی ہے - جس نے غالباً پہلی صدی عیسوی کے ختم پر یہ دیکھا تھا کہ اپالوڈوٹس اور مندر کے

یونانی سکے بیری گیزا (بھڑوچ) کے بندرگاہ میں عام طور پر رائج تھے۔ اس عجیب و غریب بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگرچہ مِنندر کو دریائے گنگا کی وادی سے فوراً مجبوراً نکل جانا پڑا تھا لیکن پھر بھی اس کی حکومت سالہائے دراز تک مغربی ساحل کے علاقوں پر قائم رہی ہوگی۔

مدھیامکا

ساکیتم اور مدھیامکا کے یون قوم جس سے غالباً مِنندر ہی سے مطلب ہے محصور ہونے کا حوالہ مشہور نجومی پتنجلی نے ایسے الفاظ میں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ یقیناً مصنف کی عین حیات ہوا ہوگا۔ اس امر کے ثبوت کے لئے کہ مدھیامکا بالکل صحیح لفظ ہے اور وہ کسی شہر کا واقعی نام ہے ہم پروفیسر کیلہارن کے ممنون احسان ہیں۔ (انڈین انٹی کویری جلد ۷ صفحہ ۲۶۶)۔ اس کے علاوہ مدھیامکا کا نگری یا ممبوتی نگری جو راجپوتانہ میں چتوڑ کے شمال میں گیارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے ہونا بھی ان سکوں سے ثابت ہے جو وہاں کے علاوہ اور کسی مقام پر شاذ و نادر ہی پائے جاتے ہیں اور جن پر "مجھمکیا سیجن پدس" مضروب ہے (کننگھم :- رپورٹس جلد ۶ صفحہ ۲۰۱ - جلد ۱۴ - صفحہ ۱۴۶ - پلیٹ ۳۱) یہ مقام ہندوستان کے قدیم ترین مقامات میں سے ہے ؛

ساکیتم۔

ساکیتم (یا ساکیت)۔ غالباً جنوبی اودھ میں کوئی شہر تھا۔ مگر جیسا کہ عام طور سے خیال کیا جاتا ہے اس کا اجودھیا سے کوئی تعلق نہیں۔ اس نام کی بہت سی جگھیں معلوم ہوتی ہیں۔ (ویبر- انڈین انٹی کویری - جلد ۲ صفحہ ۲۰۸)۔ اسی طرح فاہیان کے شہر شاچے کو ہیون سانگ کے وشاکھا۔ اور ساکیتم کو ایک ہی قرار دینا جیسا کہ کننگھم نے کیا ہے غلط ہے (جے - آر - اے - ایس سنہ ۱۸۹۸ صفحہ ۵۲۲ - سنہ ۱۹۰۰ صفحہ ۱۳۲) موجودہ صورت میں ساکیتم کی اصل جائے وقوع کا پتہ لگانا ممکن ہے ؛

پتنجلی کا سنہ۔

پتنجلی کے ان الفاظ کو جن میں وہ پشپ متر کے اسومیدھ کی قربانی کا ذکر کرتا ہے اگر اور ان ہی مضامین کی عبارتوں

کے ساتھ پڑھا جائے تو اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں رہ جاتا کہ یہ مشہور نجومی اس بادشاہ اور یونانی حملہ آور کا جو غالباً مِنندر تھا ہمعصر ہوگا۔ پتنجلی کے سنہ حیات کے متعلق ایک عرصے تک ویبر اور گولڈسٹکر اور پروفیسر بھنڈارکر میں طول وطویل بحث ہوتی رہی اور انجام کار ویبر کو اپنے حریفوں کے دلائل ماننے پڑے (ہسٹری انڈین لٹریچر۔ دوسری ایڈیشن ٹوبنر ۱۸۸۲ء صفحہ ۲۲۴ نوٹ)۔ اور اب اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں کہ پتنجلی کی تاریخ بہ ہیئت مجموعی ۱۴۰-۱۵۰ ق م کے بین بین ہے۔ اس موضوع پر حسب ذیل کتب ذکر کی جا سکتی ہیں۔

گولڈسٹکر؛ - پینینی - ہر پلیس ان سنسکرت لٹریچر صفحہ ۲۲۳-۲۲۸

انڈین انٹی کویری۔ جلد اول صفحہ ۳۰۲-۲۹۹؛ جلد دوم صفحہ ۵۷ و ۶۹ و ۹۴ و ۲۱۰-۲۰۶ و ۲۳۸ و ۳۶۲- جلد ۱۵ صفحہ ۸۴-۹۰؛ جلد ۱۶ صفحہ ۱۵۶ و ۱۷۲؛

کارگی سمہتا کے متعلق میکس مُلر کا خیال ہے کہ وہ دوسری یا تیسری صدی مسیحی کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کا اس معاملہ کے متعلق بیان حسب ذیل ہے:-

کارگی سمہتا

"پاٹلی پتر کے راجاؤں کے ذکر کے بعد (جن میں اس نے اشوک کے چوتھے جانشین سالسوک (تقریباً ۲۰۰ ق م) کا نام بھی لکھا ہے) مصنف لکھتا ہے کہ:- جب مشہور یونانی سکیت (اودھ) پنچال قوم کے علاقے (جس سے غالباً دریائے گنگا اور جمنا کا دوآبہ مقصود ہے) اور متھرا کو فتح کرنے کے بعد کسمدھواج یعنے پاٹلی پتر کے شاہی محل تک پہنچیں گے۔ اور جبکہ تمام صوبوں میں بدامنی پھیلی ہوگی"۔ (مکس مُلر "انڈیا وٹ اٹ کین ٹیچ آس" صفحہ ۲۹۸ مطبوعہ ۱۸۸۳ء۔ اور کننگھم نیومسمیٹک کرانکل ۱۸۹۰ء صفحہ ۲۲۴)[1]؛

---

[1] ڈاکٹر فلیٹ (جے۔ آر اے ایس ۱۹۱۲ء صفحہ ۷۹۲)۔ لکھتا ہے کہ یہ عبارت

تارناتھ۔ تارناتھ کی شہادت (۱۶۰۸ء - اس کا انحصار اور قدیم اسناد پر ہے) کا ترجمہ شیفنر نے نہایت صحت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- کارگی سمہتا کے ایک باب یوگ پران سے لی گئی ہے۔ اور اس نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ جیسا کہ کرن کا مدت ہوی خیال تھا وہ ۵۰ ق م جیسی قدیم ہرگز نہیں ہو سکتی - یہ عالم و فاضل نقاد مکس ملر کے خیالات کو نظر انداز کر دیتا ہے اور پھر مجھ پر الزام رکھتا ہے کہ مینے اس کتاب کو استعمال کیا جو اس کے خیال میں "بہت زمانے بعد" کی ہے اور "بالکل بے کار ہے"۔ مگر اس نے مکس ملر کے اس خیال کی تردید میں کوئی دلیل پیش نہیں کی کہ یہ کتاب تیسری صدی عیسوی کی ہو سکتی ہے - اس میں شک نہیں کہ یوگ پران میں بھی اور پرانوں کی طرح بہت سی ایسی باتیں ہیں جو یا بالکل مہمل ہیں اور یا غلط ہیں - اور متن کتاب میں بھی غالباً خرابی ہے - مثلاً کسم پور کو غلطی سے کسم دھواج لکھ دیا ہے - مگر ایسی غلطیوں سے تمام کتاب خراب قرار نہیں دی جا سکتی - اس میں سالسوک کا نام بالکل صحیح لکھا ہے جس نے وایو پران کے قدیم نسخے کے بموجب تیرہ سال حکومت کی - اور مجھے کم از کم کوئی وجہ اس امر کے انکار کی معلوم نہیں ہوتی کہ یوگ پران تیسری صدی عیسوی کی کتاب نہیں - بہر حال موجودہ نسخے کی تاریخ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو - یہ بالکل بعید از قیاس ہے کہ مصنف نے مشہور یونانیوں کے متعلق روایت اپنے دل سے گھڑلی ہو - یون بیشوا کا نام متن کتاب کے خراب ہو جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضائع ہو گیا ہے - منندر کا ہ سنہ کے متعلق میں نے بجائے گارڈنر جس پر فلیٹ کو بھروسہ ہے کننگھم کی پیروی کی ہے - میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ اس امر کے باور کرنیکے وجوہ موجود ہیں یوگ پران کی عبارت کا تعلق دراصل منندر سے ہے - اور اسی طرح نظام سنین بھی درست ہے - مگر مسٹر بھنڈارکر کا یہ خیال کہ یہ حملہ آور ڈیمیٹریش بھی ہو سکتا ہے میرے نزدیک قابل تسلیم نہیں ؟

کے ساتھ کیا ہے - وہ ودیا ودان (برنوف - انٹروڈکشن - طبع دوم صفحہ ۴۳۸) - سے اس امر میں متفق ہے کہ پشی متر کفار کا حلیف تھا اور اس نے خود بھی خانقاہوں کو جلایا اور راہبوں کو قتل کیا تھا؛ یہی مورخ لکھتا ہے کہ اس کے پانچ سال بعد پشی متر شمال میں مر گیا؛

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ پشی متر ۱۴۹ء ق م چھتیس سال حکومت کرنے کے بعد جیسا کہ پرانوں میں مذکور ہے مرا - تو منندر کے حملے کی تاریخ ۱۵۳ - ۱۵۶ ق م کے بین بین ہوتی ہے - اور یہ تاریخ سکّوں کی شہادت سے بالکل مطابق ہے - منندر کے سکے پنجاب اور اس کے آگے مشرق و جنوب میں بہت عام ہیں - اس کے چالیس سکّے ۱۸۷۰ء میں جمنا کے جنوب میں ہلمرپور کے ضلع میں پائے گئے تھے - اور مصنف کے پاس جو اُس وقت وہاں مقیم تھا لائے گئے تھے - ان کا یوکریٹائڈیز - اپالوڈوٹس - سوٹر - اور انٹی میکس نکیفورس کے سکّوں سے تعلق بتایا گیا ہے - اور وہ اچھی حالت میں پائے گئے تھے (انڈین انٹی کویری ۱۹۰۴ء صفحہ ۲۱۷)؛

ضمیمۂ ر۔

خاندان اندھر و خاندانہائے متعلقہ

اندھر خاندان اور دیگر خاندانہائے متعلقہ کے کتبوں اور سکّوں پر پروفیسر ریپسن نے کیٹلاگ آف دی کائنز آف دی اندھرڈائنسٹیز۔ برٹش میوزیم۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں مفصل بحث کی ہے۔ لیکن کتبات کو نمبروار لیوڈر کی کتاب "اے سٹ آف برہمی انسکرپشنز فرام دی ارلئیسٹ ٹائمز ٹو اٹیباوٹ سنہ ۴۰۰ء" میں جو ایپی گریفیا انڈکا جلد دہم سنہ ۱۹۱۰ء کے ضمیمے کے طور پر چھاپی گئی ہے نہایت اچھی طرح جمع کر دیا ہے۔ مسٹر ایف۔ اے پرگیٹر کی کتاب "دی پران ٹکسٹ آف دی ڈائنسٹیز آف دی کالی ایج" (اکسفورڈ۔ ۱۹۱۳ء) میں پرانوں کی تمام مستند فہرستوں کو جمع کر دیا ہے۔ اور ساتھ ہی مکمل اختلافات قرأت بھی دئے ہیں؛ مسٹر بینرجی کا مضمون موسومہ "دی سیتھین پیریڈ آف انڈین ہسٹری" (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۸ء) میں نہپان وغیرہ کی تاریخ کے متعلق چند قابل قدر اشارات پائے جاتے ہیں۔ اور ان سے میں نے استفادہ کیا ہے۔ ریورنڈ ایچ۔ آر۔ سکاٹ کا مضمون "ناسک ہورڈ آف نہپانز اینڈ ساترکرنیز کائنز" مع چار لوحوں کے۔ جے۔ بمبئی برانچ۔ رائل اے۔ ایس سنہ ۱۹۰۷ء سے دوبارہ طبع ہوا ہے۔ اس سے جگل تھمبی کے ذخیرے کے متعلق بہت سی مفید تفصیلات حاصل ہوتی ہیں؛

ان کے علاوہ میں نے مسٹر وی۔ گوپالا ائیر کے مضمون "دی سکا اینڈ سموت ایرا" (جرنل آف دی ساوتھ انڈین ایسوسیئشن۔ اپریل سنہ ۱۹۱۱ء جلد اول صفحہ ۴۹۔ ۲۵۴) کا بھی مطالعہ کیا ہے؛

مندرجۂ بالا تمام اسناد کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اب میں بجائے اس کے کہ ان باتوں کو حاشیوں میں بیان کرتا اس ضمیمے میں وہ اسباب بیان کرتا ہوں جن کی بنا پر میں نے تاریخ کو اس طرح لکھا ہے جس طرح کہ وہ اس طبع کتاب میں پائی جاتی ہے؛

حوالجات ان کتبوں کے جن میں اُن اندھر بادشاہوں کا ذکر ہے جن کے نام پران کی فہرست میں پائے جاتے ہیں۔ ان کو سلسلہ وار لکھا گیا ہے؛
نمبر ۱:- لیوڈر؛ نمبر ۱۱۱۳؛ نمبر ۲:- ۳۴۶ و ۱۱۴۴ و ۱۳۴۵؛ نمبر ۲۳:- ۱۱۲۳ و ۱۱۲۴ و ۱۱۲۵؛ نمبر ۲۴:- ۱۱۰۰ و ۱۱۰۶ و ۱۱۲۲ و ۱۱۲۳ و ۱۱۲۴ و ۱۲۴۸؛ نمبر ۲۵:- ۱۲۷۹؛ نمبر ۲۷:- ۹۸۷ و ۱۰۲۴ و ۱۱۴۶ و ۱۳۴۰؛ نمبر ۲۹:- ۱۳۴۱؛ مشکوک:- ۱۱۱۲ و ۱۱۲۰ و ۱۲۰۲ و ۱۲۰۳ و ۱۲۰۴۔ ان کے علاوہ سکّے موجود ہیں جو چند مشکوک حالات کے علاوہ اندھر خاندان کے مندرجۂ ذیل ناموں سے منسوب ہو سکتے ہیں:-
نمبر ۶ و ۲۱ و ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ و ۲۵ و ۲۷ و ۲۹؛

کشہرات کتبات حسب ذیل ہیں:- ۱۰۹۹ و ۱۱۲۵ و ۱۱۳۱ و ۱۱۳۲ و ۱۱۳۳ و ۱۱۳۴ و ۱۱۳۵ و ۱۱۴۷۔ بھومک اور نہپان کے سکّے موجود ہیں۔ گوتمی پتر (اندھر بادشاہ نمبر ۲۳) نے اپنے چند سکّے نہپان کے سکّوں پر ہی مضروب کرائے تھے؛

اندھر بادشاہوں کی فہرست پرگیٹر (صفحہ ۳۸-۴۳ و ۷۱) سے لی گئی ہے۔ پران ان کے سب سے پہلے بادشاہ کا نام سِسُک (مت)۔ یا سندھک (وا-بڈ) یا شپرک (وس) بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:- "اندھر راجہ (سندھک یا کوئی اور) اپنے قوم یعنی سُسَرمن کی ملازمین کو ساتھ لے کر کنواین اور اس پر (سسرمن) پر حملہ کرے گا۔ اور سنگ کی بچی کھچی طاقت کو ختم کر کے اس زمین پر قبضہ کرے گا"۔ یہ بادشاہ سِمُک تھا جس کا ذکر نان گھاٹ کے کتبے میں پایا جاتا ہے (کتبہ نمبر ۱۱۱۳) جو تقریباً ۲۰۰ ق م کی طرز تحریر میں

لکھا ہوا ہے ؛

کرشنا (بادشاہ نمبر ۲) صریح طور پر نان گھاٹ کے کتبہ نمبر ۱۱۴۴ کا کتبہ ہے - اور بادشاہ نمبر ۳ - سات کرنی یا کلا کرنی یقیناً وہی بادشاہ ہے جس کا ذکر کھاریویلا کے کتبے نمبر ۱۳۴۶ - اور نان گھاٹ کے کتبات نمبر ۱۱۴۴ میں ہے ؛

کیونکہ اس خاندان کے پہلے اٹھارہ بادشاہوں کے متعلق ہمارے معلومات بالکل برائے نام ہیں اس وجہ سے ان کے نام اور عہد حکومت ہی لکھدینا کافی ہے - یہ نام پرگیٹر کی فہرست سے لئے گئے ہیں :- (۱) قلمی نسخے کا سِسک وغیرہ - اور کتبے کا سِمک - ۲۳ - سال - (۲) کرشنا - اس کا بھائی - دس سال - (۳) سات کرنی یا ملا کرنی جو نمبر (۲) کا بھائی تھا دس سال - (۴) پورنت سنگ - اٹھارہ سال - (۵) سکند ھمبی - اٹھارہ سال - (۶) سات کرنی - ۵۶ سال - (۷) لمبودر - ۱۸ سال - (۸) آپی لک - ۱۲ سال - (۹) میگھسواتی - ۱۸ سال - (۱۰) سوانی - ۱۸ سال - (۱۱) سکند سوانی ۷ سال - (۱۲) یگندر سواتی کرن ۳ سال - (۱۳) کنتل سواتی کرن - ۸ سال - (۱۴) - سواتی کرن ۱ سال - (۱۵) پلوامی (اول) ۳۶ سال - (۱۶) ارشت کرنی ۲۵ سال - (۱۷) ہال ۵ سال - (۱۸) منتلک ۵ سال ؛

گوتمی پتر بادشاہ نمبر ۲۳ کے متعلق کسی قسم کا شبہہ نہیں کہ وہ ضرور سری سات کرنی - گوتم پتر یا راجہ گوتم پتر سات کرنی ہی ہے جس کا کتبات میں ذکر ہے - اور جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے کم از کم چوبیس برس حکومت کی تھی - اور وہی نمبر ۲۴ - پلوماوی (ثانی) کا باپ تھا - یہ نمبر ۲۴ کا بادشاہ بظاہر مختلف کتبات کا راجہ واسشتی پتر سری پلمائی یا سری پلمائی اور - یا نونر سوامی وا - یا سری پلمائی - یا راجہ واسوائی سری کا پلمائی یا (راجہ) واسری سات کرنی معلوم ہوتا ہے ؛

اُن تین بادشاہوں کے اصلی نام دریافت کرنے کے متعلق تکلیف ہوتی ہے، جنھوں نے "تیر و کمان" کے سکّے مضروب کرائے - یہ سکّے خیال ہے کہ مغربی گھاٹ کی مرہٹہ ریاست کلھاپور ہی میں پائے جاتے ہیں۔ ان کتبوں پر سنسکرت کی عبارتیں حسب ذیل ہیں:-

۱- راجہ واسشٹی پتر ولوایاکُر (اول)۔ اسی کو بعض دفعہ اس طرح مضروب کیا گیا ہے۔

۲- راجہ ماٹھری پتر سوِلکُر۔ اس کو بعض دفعہ اس طرح مضروب کیا گیا ہے۔

۳- راجہ گوئتمی پتر ولوایاکُر (ثانی)۔ ان کے اس طرح دوبارہ مضروب ہونے سے ان بادشاہوں کے سلسلے میں کسی قسم کا شک باقی نہیں رہتا۔ لیکن ایک خیال کے مطابق وہ محض مقامی گورنر اور نائب السلطنت تھے۔ ایک دوسرا خیال یہ ہے جس کو میں نے بھی اپنی پرانی تصانیف میں صحیح تسلیم کر لیا تھا کہ یہ درحقیقت بڑے خاندان کے ارکین تھے۔ اگر یہ دوسرا خیال درست ہے اور میرا اب یہ خیال ہے کہ وہ ضرور درست ہے تو ولوایاکُر ثانی ضرور نمبر ۲۳ کا بادشاہ ہوگا جس کو پرانوں نے گوئتمی پتر لکھا ہے۔ ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ عجیب و غریب لفظ ولوایاکُر جو غالباً تلنگی یا کنڑی کا لفظ ہے بادشاہ کا اصلی نام تھا یا محض اس کا لقب تھا۔ مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نام تھا۔ مگر میں یہاں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث نہیں کر سکتا۔ اور اس کتاب میں ان تمام معاملات کو بلا تصفیہ چھوڑے دیتا ہوں۔

پلمائی اول بادشاہ نمبر ۲۴ کا لقب یا نام کنہری کتبہ نمبر ۱۱ = لیوڈرس نمبر ۹۹۴ میں سات کرنی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سترپ اعظم رُدر دامن اول کی بیٹی سے شادی کی۔ اور اس رُدر دامن نے اس کو دو مرتبہ سنہ ۱۲۵ء کے بعد اور سنہ ۱۵۰ء سے پہلے شکست دی۔ پرانوں کے بیان کے مطابق پلمائی گوئتمی پتر کا بیٹا تھا۔ مجھ کو یہ بات

بالکل صاف ظاہر معلوم ہوتی ہے کہ یہی پلمائی اول تھا جس کو رودرو امن اول نے دو مرتبہ شکست دی تھی۔ اگر اس خیال کو درست مان لیا جائے تو نظام سنین کا اس طرح کھوج مل جاتا ہے کہ اس سے اس خاندان کے تمام تاریخوں کا پتہ اگلے اور پچھلے کی طرف نہایت آسانی سے قرین قیاس صحت کے ساتھ لگ سکتا ہے ؛

بادشاہ نمبر ۲ کا یجن سری کے ساتھ جس کے بے شمار سکے اور کتبے ملتے ہیں۔ تعلق ہونا بالکل صریح اور یقینی ہے ؛

ماہرین آثار قدیمہ بالعموم یہ غلطی کیا کرتے ہیں "مغربی ستربوں" کے دو جدا جدا خاندانوں کو ملا دیتے ہیں۔ یعنے ایک تو کشہرات کا خاندان مہاراشٹر میں۔ اور دوسرا چشتن کا خاندان جو پہلے پہل مالوا کے علاقے اجین میں آباد ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں خاندان مغربی علاقے ہی میں ستربپ تھے۔ مگر پھر بھی وہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔ اور ایک دوسرے سے ان کا کسی طرح کا تعلق نہیں۔ اور بہتر یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک ہی نام نہ دیا جائے۔ ہنپان کشہرات کا دارالسلطنت غالباً مغربی گھاٹ میں ناسک کے مقام پر تھا۔ اور اس کے برخلاف چشتن کا پہلا مستقر یقیناً اجین تھا چشتن کے پوتے نے پلمائی اول اندھر سے ان علاقوں کا بہت بڑا حصہ واپس لے لیا جو پلمائی کے باپ نے چند سال قبل کشہرات سے چھین لئے تھے۔ یہ ماننا ضرور نہیں کہ گوتمی پتر اول ذاتی طور پر ہنپان سے لڑا تھا۔ جگل تھمبی کے ذخیرے کے مطالعہ سے جس میں کم و بیش (۱۳۰۰) سکے ہنپان کے موجود ہیں یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ سکے بہت مختلف برسوں کے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے ان سب پر ہنپان کا نام ہی پایا جاتا ہے۔ جس کے متعلق میرا خیال ہے کہ گوتمی پتر کے اس کے خاندان یا قوم کو برباد کرنے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو چکا تھا۔ ہنپان کے سکوں کے تیر و رعد کی تصاویر سے اس کا تعلق پارتھی اور شمالی سترپ ہگان اور ہگاماشس سے معلوم

ہوتا ہے[1]۔ اس کے برخلاف چشٹن اور اس کے جانشینوں کے سکے ان سے بالکل مختلف ہیں؛

یونانی جغرافیہ داں ٹولمی ۱۶۱ سنہ ع کے بعد مرا۔ اور چالیس سال تک وہ اسکندریہ میں مقیم رہا۔ اس نے اجین کو ٹئسٹنیز کا دارالسلطنت بتلایا ہے۔ جس کو غالباً بالکل صحیح طور پر چشٹن قرار دیا گیا ہے۔ اس کے جغرافیے کے لکھے جانے کی تاریخ معلوم نہیں۔ لیکن اگر وہ کتاب ۱۳۰ سنہ ع میں لکھی گئی تھی تو ٹئسٹنیز کے متعلق ٹولمی کی اطلاع کچھ زیادہ پرانی نہ تھی[2]؛

خاندان اندھر اور دوسرے بیرونی خاندانوں کے تعلقات کے متعلق میں نے اپنے خیالات کا اظہار نہایت اختصار سے منسلکہ فہرست میں کیا ہے۔ اور میرے نزدیک تمام واقعات معلومہ کا تطابق ایک دوسرے سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ اس امر میں تمام علماء متفق ہیں کہ چشٹن کے خاندان کے ستر پوں کے تمام سکوں اور کتبوں پر سنہ سک کی تاریخ ہے۔ اور خود مجھے اس بات میں شک کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ کشہرات کے کتبوں اور سکوں پر بھی یہی سنہ مرقوم ہے؛

---

[1] "دی کیٹلاگ آف کائنز ان دی انڈین میوزیم" جلد اول صفحہ ۱۹۵- اس کتاب میں ہگان اور ہگان ماش کی سنین کچھ زیادہ قدیم دئے ہیں؛

[2] بیلیکورس جس کو بطلیموس نے ہپوکورا پر حکمراں تبلایا ہے غالباً اندھر راجہ نمبر ۲۳ تھا جس نے کشہرات کی سلطنت کو ۱۲۶ سنہ ع میں فتح کیا۔ ممکن ہے کہ ہپوکورا سے مطلب "ناسک" ہو؛

(الف) متعلقہ صفحہ ۲۸۳ - آخری زمانے کے شاہان اندھر و خاندانہائے متعلقہ

شاہان اندھر - پران کی فہرست - پرگیٹر صفحہ ۴۳ - ۳۵ وغیرہ	تخت نشینی کی اندازاً تاریخ	کتبات - لیوڈرز کی فہرست - ایپی گریفیا انڈکا جلد ۱۰ ضمیمہ	سکے	کشہرات سترپ مہاراشٹر کے	سنہ تخت نشینی	اجین کے سک ساترپ و سترپ اعظم	سنہ تخت نشینی	کیفیت
عرصہ حکومت ۱۹ - پریکسین ۲۱ ۲۰ - سندساتکرنی ۱ ۲۱ - چکورساتکرنی ½ ۲۲ - شوسواتی ۲۸	سن عیسوی ۵۹ء ۸۰ء ۸۱ء ۸۱ء	....	واسشتی تیر دلو یاکر (اول) کے "تیر و کمان" کے سکے ان تینوں بادشاہوں میں سے کسی ایک کے ہو سکتے ہیں (دیکھو ریپسن صفحہ ۱۷ د)	سترپ بھومک (صرف سکے۔ نہ تو کوئی کتبات ہیں اور سنین معلوم ہوئے ہیں)۔	سنہ عیسوی ۶۷ء یا اس سے قبل ۶۵ء	چشٹن (یعنی گھسموتک کا بیٹا) پہلے سترپ۔ بعد میں سترپ اعظم۔ اس نے راجہ کا ہندی خطاب بھی اختیار کیا تھا۔	سنہ عیسوی ۸۰ء	"تولمی" کا "تسٹنیز" = چشٹن
۲۳ - گوتمی پتر ۲۱	۱۰۹ء	نمبر ۱۲۷۹ - امراوتی - راجہ سری سونگ سدن ست - لیکن یہ ممکن ہے کہ شاہ نمبر ۲۵ یا ۲۶ سے متعلق ہو۔ نمبر ۱۱۲۳ - ۱۱۲۵ - ۱۱۲۶ - ناسک اسکے چوبیسویں سال کے کتبے۔	ہاتھی تیر سولنگر کے "تیر و کمان" کے سکے ممکن ہے کہ اسی بادشاہ کے ہوں (ریپسن صفحہ ۷) دیکھو نمبر ۲۵ - نہپان کے دوبارہ مضروبہ سکے۔ عبارت "راجہ گوتمی پتر ساتکرنی" (ریپسن صفحہ ۶۹ - ۷۰ - ۶۸) گوتمی پتر دلو یاکر (دوم) کے تیر و کمان کے سکے غالباً اسی بادشاہ کے ہیں۔	بھومک کا رشتہ نہپان سے معلوم نہیں۔ سترپ نہپان نہپان کی بیٹی دکشمترا - منکوحہ رشبھدت یا اشودات حال ناسک وغیرہ۔ ممکن ہے کہ نہپان ۱۲۰ء میں فوت ہوا ہو۔ اس کے خاندان کو اندھر راجہ نمبر ۲۳ نے اپنی اٹھارویں سنہ جلوس یعنے ۱۲۶ء میں برباد کیا۔ کشہرات خاندان کے کتبات پر ۴۱ سے ۴۶ سمت (سک) تک کی تاریخیں ہیں یعنی ۱۲۴ - ۱۱۹ء۔	۹۰ء	جیادامن - چشٹن کا بیٹا صرف سترپ جیادامن کا بیٹا رودرادامن (اول) سترپ اعظم (تاریخہائے معلومہ ۱۳۰ء و ۱۵۰ء - دو مرتبہ تقریباً ۱۲۴ء میں اندھر راجہ نمبر ۲۴ کو شکست دی)	۱۱۰ء ۱۲۶ء	اندھر بادشاہ نمبر ۲۳ غالباً = تولمی کے "بلیکوروس" کے۔ نہپان کے سکوں پر قابل فہم یونانی عبارتیں ملتی ہیں (تقریباً ۱۲۰ء)۔
۲۴ - پلوما (وی) (دوم) نمبر ۲۳ کا بیٹا - ۲۸	۱۳۵ء	نمبر ۹۹۳ - کنہیری - نمبر ۱۱۲۴ - ۱۱۲۲ - ۱۱۲۰ ناسک - ۱۱۰۶ - کارلے - اور غالباً نمبر ۱۲۴۸ - امراوتی "راجہ واسشتی پتر سری پلمائی" - بعض اوقات "سری" کے قبل "سوامی" کا لفظ ایزاد کیا گیا ہے نمبر ۹۹۳ میں "واسری سات کرنی"	"راجہ واسشتی پتر سری پلمائی" کے مشرقی سکے (ریپسن صفحہ ۲۰)۔					

(ب) متعلقہ صفحہ ۸ ۱۴

فہرست خاندان آندھر وغیرہ (جاری):-

شاہان اندھر- پران کی فہرست پرگیٹر- صفحہ ۲۳- ۳۵ و صفحہ ۷۱-	تخت نشینی (اندازاً)	کتبات- لیوڈر کی فہرست- اپی گریفیا انڈیکا- جلد ۱- ضمیمہ-	سکے	مہاراشٹر کے شہرات ستریپ	تخت نشینی اندازاً	اجین کے سک ستریپ و ستریپ اعظم	تخت نشینی اندازاً	کیفیت
عرصہ حکومت	سنہ عیسوی							
۲۴ (ا)- فتر وایویران میں:- ساکرنی ۲۹	(-)	....	....					
۲۵- سوہری کا پلما (دی سوم) ۷	سنہ ۱۶۳	دیکھو شاہان نمبر ۲۲ و ۲۶	غالباً "راجہ واشستی پتر سوامی کا ساکرنی" کے مشرقی سکے نیز دیکھو شاہان نمبر ۲۲ و ۲۶- دیکھو مذکورہ بالا شاہان نمبر ۲۲ و ۲۵			رودرا من اول کا بیٹا- وامجد سری ستریپ و ستریپ اعظم- (تاریخیں معلوم نہیں)	سنہ ۱۵۵	
۲۶- سوسکند ساکرنی ؟ ۳	سنہ ۱۷۰	نمبر ۱۱۴۶- مقام بنواسی جس میں "ساٹ- یا سکند ناگ سری" بادشاہ کا ذکر ہے- دیکھو شاہان نمبر ۲۱ و ۲۵-						
۲۷- یجن سری ساکرنی- ۲۹	سنہ ۱۷۳	نمبر ۹۸۷-۲۴-۱ بمقام کنہیری- و نمبر ۱۱۴۶ بمقام ناسک "راجہ گوتمی پتر سوامی سری یجن سری ساٹ کرنی"- ضلع کرشنا کے مقام چین کے کتبے میں بجائے "سوامی" کے راجہ ہے (سال ۲۷)	مختلف النوع ہیں حسب ذیل عبارت اس کا کچھ حصہ:- "راجہ گوتمی پتر سری یجن ساکرنی"- (ریپسن صفحہ ۴۵- ۳۴)-			واامجد سری کا بیٹا جسیودامن ستریپ اعظم	سنہ ۱۷۸	ان ستریپ اور ستریپ اعظم کی جانشینی کے متعلق بعض غیر متیقن باتیں نظر انداز کردی گئی ہیں-
۲۸- وجیا..........(۶)	سنہ ۲۰۲	....	....					
۲۹- چند سری کا (چندر) ساکرنی ۱۰	سنہ ۲۰۸	نمبر ۱۳۴۱- بمقام کودسودس (گوداوری کا ضلع) "راجہ واشستی پتر سوامی سری کا چند (چندر) سات"	بظاہر "راجہ واشستی پتر سری کا چند- سات" یا محض "سری چندرسات" کے مشرقی سکے- (ریپسن صفحہ ۳۰ و ۳۳)			رودرا من اول کا بیٹا رودر سمہا اول ستریپ و ستریپ اعظم-	سنہ ۱۸۰	
						رودر سمہا اول کا بیٹا رودر سین- اول ستریپ و ستریپ اعظم-	۱۹۹	

(ج) متعلقہ صفحہ ۲۴۸ فہرست خاندان آندھر وغیرہ (جاری) :-

شاہان آندھر - پران کی فہرست - پرگیٹر صفحہ ۳۳ - ۳۵ و صفحہ ۷۱ -	سنہ تخت نشینی (اندازاً)	کتاب ریپسن کی فہرست ایپی گرافیا انڈیکا جلد ۱۰ ضمیمہ -	سکے	مہاراشٹر کے مشہور ستراپ	سنہ تخت نشینی اندازاً	اجین کے سک ستراپ و ستراپ اعظم	سنہ تخت نشینی	کیفیت
۳۰ - پلومادی (چہارم) ۷	۲۱۸ سنہ	غالباً کوئی نہیں -	۶ بالکل نہیں - مگر چند پلمادی سکوں کی لنسبت ابھی شبہ ہے -			ردراسمہا اول کا ایک اور بیٹا - سنگھ دامن ستراپ اعظم دام سین (یہ بھی ردراسمہا اول کا ہی بیٹا ہے) ستراپ اعظم -	۲۲۲ سنہ ۲۲۳ سنہ	
خاندان کا خاتمہ "یہ تیس اندھر بادشاہ (۴۶۰) برس تک زمین پر راج کریں گے" (وایوپران صفحہ ۲۱۱)	۲۲۵ سنہ		دوسرے سکے بھی موجود ہیں مگر ان کے متعلق یقین نہیں کہ ان کو اس فہرست کے کن بادشاہوں سے منسوب کرنا چاہیئے -					

باب نہم

ہندی یونانی۔ اور ہندی پارتھی خاندان۔

از ۲۵۰ قم تا ۶۰ء

ہندوکش سلطنت موریا کی سرحد تھی۔

اندرون ملک کے خاندانوں کی تاریخ سے تھوڑی دیر کے لئے ہم کو قطع نظر کرکے ان مختلف بیرونی خاندانوں کا معائنہ کرنا چاہیئے۔ جو ان ہندی علاقوں میں موریا خاندان کے زوال کے وقت جب کہ شمال مغربی سرحد بیرونی حملوں کے لئے بالکل کھل گئی قائم اور مستحکم ہوگئے جن کو کہ کسی زمانے میں سکندر نے فتح کیا تھا سکندر اعظم کے دلیرانہ اور تباہ کن حملے کا اثر جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں وہ نہیں ہوا تھا جس کی کہ اس سے توقع کی گئی تھی۔ وہ ہندی صوبے جو اس نے فتح کئے تھے۔ اور جن کو سائلوکس اپنے قابو میں نہ رکھ سکا بالآخر چندر اگپتا کے پنجۂ آہنی میں آگئے اور وہ وراثتاً اس کے بیٹے اور پوتے کے ہاتھ میں منتقل ہوگئے۔ مجھے اس امر میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ دریائے سندھ کے مغربی علاقے جو سائلوکس نے اپنے ہندی حریف کے حوالے کئے تھے موخر الذکر کے جانشینوں کے ہی ہاتھ میں رہے۔ اور کوہستان ہندوکش راجہ اشوک کی حکومت کے خاتمے تک موریا سلطنت کی سرحد بنا رہا۔

اشوک کی موت کے نتائج۔

لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اشوک کی موت کے بعد اس کی سلطنت میں اتحاد اور یگانگی باقی نہیں رہی۔ اور جونہی اس کی زبردست شخصیت کا اثر اٹھ گیا۔

سلطنت کے دور افتادہ صوبوں نے اطاعت کا جوا اپنی گردن سے اتار کر پھینک دیا۔ اور خود مختار سلطنتیں قائم کر لیں۔ جن میں سے کہ بعض کی تاریخ باب گذشتہ میں بیان کی جا چکی ہے۔ جب اندرون ملک میں کوئی زبردست دیسی طاقت ایسی نہ رہی جو شمال مغربی سرحد کی نگہبانی کر سکتی تو باختر اور پارتھیا کے یونانی بادشاہوں نے اس کی طرف لالچ کی نگاہوں سے دیکھا۔ اور ان کے علاوہ جنگجو سرحدی قبائل کی بھی آتش حرص و آز مشتعل ہو گئی۔ اور متواتر حملہ آوروں نے اُسے کھنگال ڈالا۔ جہاں تک کہ ہم کو نامکمل مواد جو ہمارے پاس ہے اجازت دے گا۔ اس باب میں یہ کوشش کی جائے گی کہ پنجاب اور ماوراء سندھ کے صوبوں کی تاریخ کے وہ موٹے موٹے واقعات مختصراً بیان کر دیئے جائیں۔ جو وہاں پر اشوک کی حکومت کے ختم سے لے کر ہندی سیتھی یا کشان طاقت کے قائم ہونے تک واقع ہوئے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ سنین واقعات سب کی سب غیر یقینی ہیں۔

انٹی آکس تھیوس ۲۶۱ سنہ ق م۔ وہ وسیع اور فراخ ایشیائی سلطنت جس کو سائیلوکس نکیٹر نے اپنی طباعی سے پیدا کیا اور استحکام دیا۔ ۲۶۲ سنہ ق م یا ۲۶۱ سنہ ق م میں اس کے پوتے انٹی آکس کے ہاتھ میں آئی۔ جو ایک بدمست اور بدمعاش بادشاہ تھا۔ اور جس کو اس کی زندگی کے دوران ہی میں اس کے خصائل کے خلاف تھیوس یعنے "خدا" کا لقب دیا گیا تھا۔ اور اس کی رعایا اُس کی پرستش بھی کرتی تھی[1]۔

---

[1] انٹی آکس سوٹر جولائی ۲۶۲ سنہ اور جولائی ۲۶۱ سنہ ق م میں (۶۴) برس کی عمر میں مرا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا انٹی آکس تھیوس چوبیس برس کی عمر میں اپنے بھائی سائلوکس کو قتل کرنے کے بعد تخت پر بیٹھا۔ (بیون:۔ "ہاؤس آف سائلوکس جلد اول صفحہ ۱۶۰ و ۱۷۱۔ اس میں یوسی بئس جلد اول ۲۴۹ سنہ کا حوالہ دیا ہے")۔ اس کتبے سے جو دُرُ دُر کرکے مقام پر پایا گیا ہے ثابت ہوتا ہے کہ انٹی آکس اس کی زندگی کے زمانے ہی میں

یہ نکما اور بیکار محض بادشاہ پندرہ یا سولہ برس تک تخت پر متمکن رہا۔ لیکن اس کی حکومت کے آخری حصے میں اس کی سلطنت کو دو بڑے سخت نقصانات برداشت کرنے پڑے۔ ایک تو ڈیوڈوٹس کی سرکردگی میں باختر کی بغاوت۔ اور دوسرے اشکان کی ماتحتی میں پارتھی قوم کی سرکشی۔

باختر۔ باختر کے صوبے کا نقصان نہایت سخت تھا۔ یہ صوبہ وہ زرخیز اور شاداب علاقہ ہے۔ جس کو دریائے سیحون (آمو دریا) پہاڑوں سے نکلنے کے بعد سیراب کرتا ہے۔ اور جس میں قدیم ترین زمانے سے ہمیشہ مہذب اقوام آباد رہی تھیں۔ اس علاقے کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اس میں ایک ہزار شہر آباد تھے[1]۔ اور شاہنشاہان کیانی کے زمانے میں اس کو ایک اتنا بڑا صوبہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ صرف شہزادوں کی مخصوص جاگیر میں تھا۔ جب سکندر نے ایرانی سلطنت کو پاش پاش کر دیا اور شہنشاہی تخت پر خود متمکن ہوا تو اس نے بھی باختر کے باشندوں کے ساتھ تمام مخصوص مراعات جاری رکھیں۔ اور ان لوگوں نے بھی بہت جلد یونانی تہذیب کے اثرات کو قبول کر لیا۔ اس کی موت کے دو سال بعد ۳۲۱ ق م میں جب اس کی سلطنت کے آخری دفعہ حصے بخرے ہوئے تو باختر کا علاقہ سائلوکس نیکیٹر کے حصے میں آیا۔ اور اس کے بیٹے اور پوتے کی حکومتوں کے زمانے میں بہت قیمتی اور بیش بہا علاقۂ سلطنت شمار ہوتا رہا۔

پارتھی قوم پارتھی قوم ایک وحشی اور جفاکش شہسواروں کی قوم تھی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ پوجا جاتا تھا۔ اور اس کے علاوہ اس کی ملکہ بوڈی کے کی عبادت کے لئے عورتیں بھی مقرر کی گئی تھیں۔

[1] یوکریٹائی ڈیز کے ہزار شہر تھے۔ جن میں کہ اس کی حکومت قائم تھی" (سٹریبو باب ۱۵ حصہ ۲-۳) "باختر آریانہ کا زیور ہے" (ایضاً باب ۱۱ حصہ ۱۱-۱)۔

جن کے اوضاع و اطوار زیادہ تر موجودہ ترکمانوں سے ملتے جلتے تھے۔ یہ لوگ ایرانی ریگستانوں کے اُس طرف بحیرۂ خضر کے جنوب مشرق کے مقابلتہً بے آب وگیاہ علاقوں میں آباد تھے۔ ان کا وطن مع کورسموئی۔ سگڈوئی اور اروی (خوارزم۔ سمرقند اور ہرات) کے علاقوں کے دارا کے سولھویں صوبے یا ستربی میں شامل تھا۔ اور تمام مذکورہ اقوام جو باختر کے لوگوں کی طرح مسلح ہوتے تھے اردشیر کی فوج کو کمک بہم پہنچایا کرتے تھے[۱]۔ سکاندر اور سائلوکس کے خاندان کے پہلے افراد کے زمانے میں پارتھیا اور ہرکینیا کے علاقوں کو ایک صوبے میں جمع کر دیا گیا۔ باختر والوں کے برخلاف پارتھی قوم نے یونانی تہذیب و تمدن کو اختیار نہیں کیا تھا۔ اور اگرچہ اپنے ایرانی اور مقدونوی آقاؤں کے فرماں بردار اور اطاعت پذیر تھے۔ لیکن پھر بھی انھوں نے اپنی عادات و خصائل کو نہ بدلا۔ ہمیشہ ان کی حیثیت سوار گلہ بانوں کی سی رہی۔ اور وہ تیر و کمان کے استعمال اور گھوڑے کو قابو میں رکھنے میں پورے طور پر مشاق تھے[۲]۔

تقریباً ۲۵۰ ق م باختر اور پارتھیا کی بغاوت کا سنہ

یہ دونوں قومیں جو اپنے طبائع اور تاریخ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ایک حد تک متغائر تھیں یعنے باختر ایک آباد اور معمور ملک تھا۔ اور اس میں ایک ہزار شہر تھے۔ اور اس کے برخلاف پارتھیا کے لوگ اب تک خانہ بدوش تھے اور ہزاروں کی تعداد میں آوارہ پھرتے تھے۔ تقریباً ایک ہی وقت میں تیسری صدی قبل مسیح کے وسط میں جو نکین اور سائلوکس کے خاندان کے طوق غلامی اتار پھینکنے اور خود مختاری حاصل کرنے پر آمادہ ہوئیں۔ ان بغاوتوں کی اصلی اور صحیح تاریخ تو نہیں معلوم ہو سکتی مگر

---

[۱] ہیروڈوٹس جلد ۳ صفحہ ۹۳ و ۱۱۷ جلد ۷ صفحہ ۶۷-۶۴۔

[۲] پارتھیا کے مفصل بیان کے لئے دیکھو کیننن رالنسن کی کتاب:۔ "دو سکستھ اورینٹل مانرکی" و نیز اس کی مقبول عام کتاب "دی سٹوری آف پارتھیا" ہسٹوری آف دی نیشنز" کے سلسلے میں۔

بظاہر باختر کی بغاوت ان دونوں میں پہلے واقع ہوئی اور اس امر کے باور کرنے کے بھی وجوہ موجود ہیں کہ پارتھیا کی بغاوت سالوں سال تک جاری رہی۔ اور ۲۴۶ سنہ قم میں انٹی آکس تھیوس کی موت کے کہیں بعد جا کر ختم ہوئی۔ اگرچہ پارتھیا کی خودمختاری کا اعلان معلوم ہوتا ہے کہ ۲۴۸ سنہ قم میں ہو گیا تھا[1]۔

ڈیوڈوٹس اول

باختر کی بغاوت معمولی ایشیائی قسم کی بغاوت تھی۔ اس کی سرکردگی ڈیوڈوٹس حاکم صوبہ نے کی۔ جس نے موقع تاک کر اپنے بادشاہ اور آقا سے انحراف کیا اور خودمختار بادشاہ بن بیٹھا۔ اس کے برعکس پارتھیا کی بغاوت قومی تھی۔ اس کا سرغنہ ایک شخص اشکان نامی تھا جس کے آباواجداد کے متعلق شک ہے۔ مگر اس کی بہادری اور دلاوری کی بابت کسی قسم کا

---

[1] اس واقعے کے متعلق سب سے بڑی سند جسٹن باب ۴۱ فصل ۴ ہے۔ مگر جن کونسلوں کے ناموں پر تعین سن کا انحصار تھا۔ ان کے نام اس نے ٹھیک نہیں لکھے۔ اس نے باختر کے باغی سردار کا نام تھیوڈوٹس لکھا ہے۔ اور بیان کیا ہے کہ "وہ اسی زمانے میں باغی ہوا"۔ دونوں واقعات نے سنین کے متعلق تمام شہادتوں کو کننگھم۔ رالنسن۔ بیون اور دوسرے مصنفین نے بغور دیکھا ہے اور جس نتیجے پر وہ پہنچے ہیں وہ متن میں دے دیا گیا ہے۔ ۲۴۸ سنہ ق م کی تاریخ کے متعلق پروفیسر ییٹرین ڈی لکوپرے کا خیال ہے کہ اس سے اشکانی سنہ کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ مسٹر بیون سے اس امر میں بالکل متفق ہے کہ پارتھی بغاوت چند سال تک جاری رہی۔ مسٹر بیون کا خیال ہے کہ جسٹن نے پارتھی بغاوت کی تاریخ ۲۵۰ سنہ سے ۲۴۹ سنہ ق م تک ظاہر کی ہے۔ (ہاؤس آف سائلوکس جلد اول صفحہ ۲۸۶) سرا یچ۔ ہاورتھ ۲۴۸ سنہ سے ۲۴۶ سنہ ق م کی تاریخ کو مرجح سمجھتا ہے۔ (نیومسمیٹک کرانیکل ۱۹۰۵ سنہ ۶ صفحہ ۲۲۲)۔

شک وشبہ نہیں۔ یہ شخص تاخت وتاراج کا عادی تھا۔ اشکان نے اپنی خودمختاری کا اعلان کیا۔ اور اس طرح اشکانی خاندان کی بنیاد ڈالی جو تقریباً پانچ صدی تک برابر قائم رہا (سنہ ۲۴۸ق م سے ۲۲۶ سنہ ق م)۔ باختر اور پارتھیا کے باغیوں کو کامیابی میں اس وجہ سے اور زیادہ سہولت ہوئی کہ انٹی آگس تھیوس کی موت کے بعد سائلوکس کی تخت کے متعلق مختلف دعویداروں میں تنازع ہوا۔ اور لڑائی ٹھن گئی ؎

تقریباً سنہ ۲۴۵ق م ڈیوڈولٹس ثانی

باختری بادشاہوں کے اس خاندان کی مدت جس کا بانی ڈیوڈولٹس تھا بمقابلۂ اشکانی خاندان کے مختصر اور پراز فتنہ وفساد تھی۔ خود ڈیوڈولٹس اپنے جدید تاج کو چند ہی روز زیب سر کر سکا بہت تھوڑے دن زندہ رہا۔ اور چند سال بعد ہی (سنہ ۲۴۵ ق م) اس کا بیٹا ڈیوڈولٹس ثانی اس کا جانشین ہوا۔ جس نے پارتھیا کے بادشاہ کے ساتھ اتحاد قائم کر لیا[۱] ؎

[۱] "اشکان نے ہرکینیا کے علاقے کو زیر کیا۔ اور اس طرح دونوں قوموں پر اقتدار قائم کرنے کے بعد باختری بادشاہوں سائلوکس اور تھیوڈولٹس کے خوف سے ایک بڑی فوج جمع کی۔ مگر اس لیئے کہ جلدی ہی تھیوڈولٹس کی موت کی وجہ سے یہ خوف جاتا رہا۔ اس نے اس کے بیٹے تھیوڈولٹس سے صلح اور اتحاد قائم کر لیا۔ اس کے تھوڑی مدت بعد اس نے سائلوکس کو جو بغاوت کی سزا دینے وہاں آیا تھا شکست دی۔ جس دن یہ فتح حاصل ہوی اس دن سے آج تک پارتھی تہوار مناتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس دن سے ان کی خودمختاری کی بنیاد پڑی۔ (جسٹن۔ باب ۴۱ فصل ۴)۔ یہ صاف اور صریح شہادت ایسی ہے کہ جس سے ماہرین سکجات کے تمام شکوک بابت دو ڈیوڈولٹس ہونے کے غائب ہو جاتے ہیں۔ تمام دریافت شدہ سکے ڈیوڈولٹس ثانی کے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اغلب یہ ہے کہ اسکے باپ نے کوئی سکے مضروب نہیں کرائے تھے۔ سر ایچ۔ ہاورتھ جس کو جسٹن کی شہادت کا اعتبار نہیں ماننے سے انکار کرتا ہے کہ اشکان سائلوکس کے خاندان کے نائب السلطنت نے انڈراگورس کو قتل کیا تھا (نیوسمیٹک کرانکل سنہ ۱۹۰۵ صفحہ ۲۱۷ و ۲۲۲)؎

تقریباً ۲۳۰ سنہ ق م یوتھی ڈیمس اور انٹی آکس اعظم

ڈیوڈوٹس کے بعد (تقریباً ۲۳۰ سنہ ق م) یوتھی ڈیمس بادشاہ ہوا۔ جو مگنیسیا کے علاقے کا رہنے والا تھا۔ اور بادی النظر میں بالکل مختلف خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بھی بغاوت کے ذریعے سے سلطنت پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس بادشاہ کو شام کے انٹی آکس اعظم (۲۲۳-۱۸۷ سنہ ق م) سے ایک طول و طویل جنگ

تقریباً ۲۰۸ سنہ ق م

کرانی پڑی جو آخر جا کر (تقریباً ۲۰۸ سنہ ق م) ایک معاہدے پر ختم ہوئی جس کی رو سے باختر کی خود مختاری کو تسلیم کر لیا گیا۔ اس کے تھوڑی ہی مدت بعد (۲۰۶ سنہ ق م)

تقریباً ۲۰۶ سنہ ق م

انٹی آکس نے کوہستان ہندوکش کو عبور کیا۔ اور ایک ہندی راجہ مسمی سبھاگ سین کو جو دریائے کابل کی وادی میں حکمراں تھا مجبور کیا کہ وہ حملہ آور کو بہت سے ہاتھی اور بڑا خزانہ نذر میں دے۔ سائزیکس کے اندر استھنیز کو وہاں سے اس تاوان جنگ کے وصول کرنے کے لیے چھوڑ کر انٹی آکس اعظم بذات خود فوج لے کر اراکوسیہ اور ڈرنگینیا سے کرمانیہ چلا گیا[1]۔

تقریباً ۱۹۰ سنہ ق م ڈیمیٹرس ہندیونکا بادشاہ۔

یوتھی ڈیمس کے بیٹے اور انٹی آکس کے داماد ڈیمیٹرس نے جس سے کہ انٹی آکس نے باختر کی خود مختاری تسلیم کرنے کے بعد اپنی بیٹی بیاہ دی تھی۔ اپنے خسر کے کارناموں کی اور بھی زیادہ کامیابی کے ساتھ نقل اتاری۔ اور شمالی ہند کے ایک بڑے حصے کو فتح کر لیا۔ جس میں غالباً کابل۔ پنجاب اور سندھ کے علاقے شامل تھے[2]۔ (تقریباً ۱۹۰ سنہ ق م)

[1] پولی بئیس :- باب ۱۱ فصل ۳۴۔ ہندی بادشاہ کا نام مورخ نے سوفاگسینس دیا ہے۔ جس سے غالباً مراد سنسکرت کی سوبھاگ سین ہے۔

[2] "وہ یونانی جنھوں نے اس کی (باختر کی) بغاوت میں حصہ لیا۔ اس کی زرخیزی اور

تقریباً ۱۷۵ ق م یوکرے ٹائڈیز۔

ڈیمیٹر اس کی دور و دراز کی ہندی جنگوں نے اس کا اثر باختر پر کم کر دیا۔ جس سے کہ ایک شخص یوکرے ٹائڈیز کو بغاوت کا موقعہ ملا۔ اور وہ ۱۷۵ ق م میں باختر کا مالک بن بیٹھا۔ مگر وہ فوراً ہی اطراف کی سلطنتوں اور اقوام کے ساتھ جنگ میں مبتلا ہو گیا۔ جن کو اس نے نہایت تندہی مگر مختلف مصائب کے ساتھ جاری رکھا۔ ڈیمیٹر اس نے اگرچہ باختر کو کھو دیا تھا۔ مگر مشرقی صوبوں پر اس کا قبضہ ایک مدت تک قائم رہا۔ اور وہ "شاہ ہندیان" کے نام سے مشہور تھا۔ لیکن سخت اور تند کشمکش کے بعد بالآخر کھیت یوکرے ٹائڈیز کے ہاتھ رہا۔ جو ایسا حریف تھا جس کو شکست دینا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ ملک کے موقع کی خوبی کی وجہ سے اس قدر طاقتور ہو گئے کہ وہ۔ آٹی میٹا کے اپولوڈورس کے بیان کے مطابق۔ آریانہ اور ہندوستان کے بادشاہ ہو گئے۔ ان کے سرداروں اور خاص کر منندر نے (اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس نے واقعی دریائے ہائی پے فس کو عبور کیا تھا۔ اسمس تک پہنچ گیا تھا) سکندر سے کہیں زیادہ اقوام کو زیر نگین کیا۔ یہ فتوحات کچھ تو منندر نے حاصل کیں اور کچھ یوتھی ڈیمس کے بیٹے ڈیمیٹر اس شاہ باختر نے حاصل کیں۔ انھوں نے نہ صرف پٹلیں پر ہی قبضہ کیا بلکہ سراسٹس اور سگرڈس کی سلطنتوں کو بھی جن میں تمام باقی ماندہ ساحل کا علاقہ شامل تھا زیر تصرف کیا۔ مختصر یہ ہے کہ اپولوڈورس کہتا ہے کہ باختر تمام آریانہ کے علاقے کا زیور ہے۔ انھوں نے اپنی سلطنت سریسس اور فری نوئی تک پھیلا لی تھی۔" (سٹریبو۔ باب ۱۱۔ حصہ ۱۱۔ فصل ۱۔ مترجمہ فاکنر)۔ اس کے آخری فقرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سلطنت بطلیموسس کے جغرافیے کے ان پہاڑوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ جن کا پتہ اب تک نہیں لگا۔ (سٹین:۔ "اینشنٹ ختن" صفحہ ۴۵۔ اس کے بیان مرقومہ "سینڈ برڈ رڈئنز آف ختن" صفحہ ۷۳ کا رد ہو گیا ہے۔"

مشکل امر تھا۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ "اس نے ہندوستان کو اپنے زیر نگین کر لیا تھا" ایک مرتبہ کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ وہ پانچ مہینے تک صرف تین سو آدمیوں کے ساتھ ایک قلعے میں محصور رہا۔ مگر پھر بھی اس نے ڈیمیٹریاس کے ساٹھ ہزار آدمیوں کو شکست دے دی[1]"

تقریباً ۱۵۶ ق م لیکن یہ کامیابی جو اس قدر جان کاہی سے حاصل کی گئی تھی پائدار نہ تھی۔ جب یوکریٹائڈیز اپنے بیٹے غالباً اپالوڈوٹس کے ساتھ جس کو اس نے اپنا مالک حکومت کر لیا تھا ہندوستان سے اپنے وطن کو واپس جا رہا تھا۔ تو اس ناخلف بیٹے نے نہایت بیرحمی سے اپنے باپ کو قتل کرا دیا۔ اور اس جرم پر فخر و مباہات کی۔ باپ کے خون میں سے اپنی رتھ کو چلایا۔ اور اس کی لاش کو دفن بھی نہ ہونے دیا[2]"

ہیلیوکلیز وغیرہ یوکریٹائڈیز کی موت نے اس سلطنت کے پرخچے اڑا دیئے۔ جس کے حصول کے لیے اس نے اس قدر جدّوجہد کی تھی۔ اس کا ایک اور بیٹا ہیلیوکلیز نامی جس نے "عادل" کا لقب غالباً اپنے باپ کا قصاص لینے کی وجہ سے اختیار کیا۔ چند روز باختر کے متزلزل تخت پر بیٹھا۔ سٹریٹو اول۔ جس کا تعلق بھی بظاہر یوکریٹائڈیز کے خاندان سے تھا سالہا سال تک

---

[1] جسٹن باب ۴۱ فصل ۳"

[2] جسٹن باب ۴۱ فصل ۶۔ تمام ماہرین فن سکہ اس امر میں متفق ہیں کہ ہیلیوکلیز یوکریٹائڈیز کا بیٹا تھا۔ کننگھم (نیومسٹیک کرانکل سنہ ۱۸۶۹ء صفحہ ۳-۲۴)۔ اس امر کے قابل یقین وجوہ بیان کئے ہیں کہ پدرکش مقتول بادشاہ کا سب سے بڑا بیٹا اپالوڈوٹس ہی تھا۔ مگر اس کے بالکل برعکس یوکریٹائڈیز کے کپس کے سکّے بعض اوقات اپالوڈوٹس کے سکوں پر مضروب پائے جاتے ہیں۔ (ریپسن:۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ سنہ ۱۹۰۵ء صفحہ ۷۸۴)"

پنجاب کے ایک علاقے پر قابض رہا۔ اور وہ غالباً اپالوڈوٹس کا جانشین تھا۔ اگتھوکلیز اور پنٹیلیون جن کے سکے مخصوص طور پر ہندی طرز کے ہیں۔ اس کے قبل گذرے تھے۔ اور یوتھی ڈیمس اور ڈیمیٹر اس کے ہمعصر تھے۔ سکوں کی عبارت کے شاہی ناموں کی کثرت سے جن کی تعداد کم وبیش سو ہے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یوکریٹائڈیز کی موت سے پہلے اور اس کے بعد ہندوستان کا سرحدی صوبہ چھوٹے چھوٹے یونانی رجواڑوں میں منقسم تھا۔ جو زیادہ تر یا تو یوتھی ڈیمس اور ڈیمیٹر اس کے اور یا ان کے حریف یوکریٹائڈیز کے کنفو تھے۔ ان رجواڑوں میں سے بعض کو جن میں انٹی ال کڈس شامل تھا یوکریٹائڈیز نے اپنے زیر نگین کیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اگر وہ زندہ رہتا تو ایک زبردست سرحدی سلطنت قائم کر لیتا۔ مگر عین فتح ونصرت کے موقع پر اس کی موت نے فتنہ وفساد میں اور زیادتی کر دی۔ اور اب یہ بالکل ناممکن ہے کہ علاقوں اور سنین کے لحاظ سے ان ہندی یونانی سرحدی سرداروں کا جو یوکریٹائڈیز کے ہمعصر یا اس کے بعد ہوئے۔ کوئی نظام یا جدول تیار کیا جا سکے۔ ان کے نام جو صرف دو سو ہیں سب کے سب سکوں ہی کے ذریعے سے معلوم ہوئے ہیں۔ اور اس باب کے آخر میں ایک فہرست بنا کے درج کر دیئے گئے ہیں ؛

تقریباً ۱۵۵ء ق م مننڈر کا ہندوستان پر حملہ۔

ان بے نام ونشان یونانی سرداروں کی فہرست میں سب سے زیادہ نمایاں نام مننڈر کا ہے۔ اس کا تعلق یوکریٹائڈیز سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کا دارالسلطنت کابل کا مقام تھا۔ یہیں سے تقریباً ۱۵۵ء ق م وہ ہندوستان پر اس دلیرانہ حملے کے ارادے سے نکلا جس کا ذکر باب گذشتہ میں کیا جا چکا ہے۔ دو برس بعد وہ واپس آنے پر مجبور ہوا۔ اور اپنی طاقت کو ان خطرات کے مقابلے کے لئے صرف کر دیا جو خود اس کے وطن میں اس کو گھیرے ہوئے تھے۔ اور جن کی وجہ اس کے اپنے ہمسائیوں سے تنازعات تھے ؛

مننڈر کی شہرت

مننڈر ایک نہایت عادل حکمراں مشہور تھا۔ اور جب وہ مرا ہے تو اس کا جنازہ نہایت دھوم دھام سے اٹھایا گیا تھا۔ اس کے متعلق فرض کیا جاتا ہے کہ وہ بدھ مذہب کا پیرو تھا۔ ایک مشہور و معروف مکالمے ہے جس کا نام "سوالات ملندا" ہے اور بدھ مذہب کے تمام علم ادب کی مشہور کتابوں میں سے ہے۔ اس کا نام ابدالآباد تک روشن ہو گیا ہے[1]؛

باختر کا آخری یونانی بادشاہ

یوکرے ٹائڈیز کا بیٹا ہیلیو کلیز جس نے باختر کے علاقے پر اپنے باپ کے متروکے کی حیثیت سے قبضہ کر لیا تھا۔ آخری یونانی الاصل بادشاہ تھا جس نے کوہستان ہندوکش کے شمال میں حکومت کی۔ عین اس وقت جب کہ یونانی بادشاہ اور سردار آپس میں ان گمنام لڑائیوں میں مشغول تھے جن کی تاریخ بھی نامعلوم ہے۔ ایک زبردست طوفان کا مواد وسط ایشیا میں جمع ہو رہا تھا جس نے کہ بالآخر ان کو بالکل معدوم کر دیا؛

---

[1] اس کے جنازے کی رسوم کو پلوٹارک نے بیان کیا ہے (ریپبلک۔ جر۔ بہ ریسہ ٹیا۔ اس کے متن کو "نیومسمیٹک کرانکل" ۱۸۶۹ء صفحہ ۲۲۹ میں نقل کیا گیا ہے)۔ "سوالات ملندا" کا ترجمہ ایس۔ بی۔ ای۔ جلد ۳۵-۳۶ میں رہس ڈیوڈس نے کیا ہے۔ ملندا کے مننڈر ہونے کے متعلق جس میں ویٹل کو شک تھا۔ دیکھو:- کارب کی کتاب "بیٹریگ زُر انڈیشن کلچرگسشتا" برلن صفحہ ۱۰۹ حاشیہ۔ ٹران:- نوٹس آن ہیلین ازم ان بکٹیریا اینڈ انڈیا" (جرنل ہیلینک سٹک سوسائٹی ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۷۲)۔ اور سرت چندرداس کا مضمون "جرنل بدھسٹ ٹکسٹ اینڈ ریسرچ سوسائٹی جلد ۷ ۱۹۱۲ء صفحہ ۱-۶۔ ملندرا نام کشمندر کی کتاب اودان کلپلت میں اور تبتی زبان کی کتابوں میں آتا ہے؛

یوچی کی قوم کا سک قوم کو نکال باہر کرنا

یوچی نام ایک خانہ بدوش قوم جس کی نقل وحرکت کا ذکر آئندہ باب میں زیادہ تفصیل سے آئے گا۔ وہ سنہ ۱۷۰ ق م[۱] میں شمال مغربی چین سے نکالے گئے۔ اور ان کو مجبوراً مغرب کی طرف صحرا کے شمال میں نقل مکان کرنا پڑا۔ تھوڑی مدت بعد سنہ ۱۶۰ ق م میں ان کی مڈبھیڑ ایک اور خانہ بدوش قبیلے سے ہوئی جس کا نام سک یا سے تھا۔ اور جو جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے دریائے جیحون (سیر دریا) کے شمالی علاقوں میں آباد تھا؛

باختر پر خانہ بدوش قبیلوں کا حملہ۔

سک قوم مع اپنے ہم نسل قبائل کے جنوب کی طرف ہٹنے پر مجبور ہوئی ۔ اور بالآخر شمال کی طرف سے غالباً ایک سے زیادہ راستوں سے ہندوستان میں داخل ہوئی ۔ ان خانہ بدوش قبائل کے حملے کا سیلاب مغرب میں بھی پھیلا اور سنہ ۱۴۰ و سنہ ۱۲۰ ق م کے درمیانی عرصے میں پارتھیا اور باختر پر ایک بارگی ٹوٹ پڑا۔ پارتھی بادشاہ فراٹیز ثانی جو متھراڈیٹس کا جانشین تھا ان خانہ بدوشوں سے لڑتا ہوا سنہ ۱۲۸ ق م میں مارا گیا۔ اور اس کے چار سال بعد یہی حشر ارٹبنس اول کا ہوا جو اس کے بعد تخت پر بیٹھا تھا۔ اس کے بعد یونانی سلطنت جو غالباً اس کے قبل ہی پارتھی یا ایرانی طاقت کے عروج پکڑنے کی وجہ سے بہت کچھ کمزور ہو چکی تھی اب بالکل معدوم ہو گئی۔ آخری یونانی باختری بادشاہ ہیلیو کلیز تھا۔ اور اس کے بعد ہندوکش کے شمالی علاقے سے

۱؎ چینی علماء عام طور پر سنہ ۱۶۵ ق م کا سن دیتے ہیں۔ فرینک نے یوچی کی شکست کا سن تقریباً سنہ ۱۷۰ ق م لکھا ہے۔ سک قوم کے جنوب کی طرف نقل مکان کرنے کی تاریخ اس کے خیال کے مطابق سنہ ۱۷۴ اور سنہ ۱۶۰ ق م کے بین بین ہے۔ مگر بہر حال دوسرے سال قریب تر ہے۔ (بیٹریگے زور کنینٹش ڈر ٹرک فولکر صفحہ ۲۹ و ۵۵)؛

یونانی سلطنت ہمیشہ کے لئے کالعدم ہوگئی ؛

سک قوم کا سیستان وغیرہ پر قبضہ

دریائے ہلمند (اریمینڈس) کی وادی پر جس کو آج کل سیستان کہتے ہیں۔ اور سکستینے یعنے "ملک سک" کے نام سے مشہور تھا۔ بہت عرصے قبل ہی سک قوم نے قبضہ کرلیا تھا۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ دوسری صدی قبل مسیح کے نقل مکان کرنے والوں کی رو ہی اس صوبے تک پہنچی ہو[1]؛

اس وحشی قوم کی شاخ نے جو دروں کے راستے سے ہندوستان میں داخل ہوئی پنجاب میں ٹکسلا کے مقام پر اور دریائے جمنا کے کنارے متھرا میں اپنی بستیاں بسائیں۔ اور یہیں غیر ملکی بادشاہ کے سترپ کے لقب سے ایک صدی سے زیادہ عرصے تک ظاہرا طور پر پارتھی طاقت کے ماتحت حکمراں رہی ؛

اس وقت کے کچھ بعد اسی قبیلے کا ایک حصہ پہلی صدی عیسوی کے درمیان میں جنوب کی طرف بڑھا اور سراشتریا کاٹھیاواڑ کے جزیرہ نما پر قابض ہوگیا۔ یہاں اس نے ایک سک خاندان کی بنیاد ڈالی جو تقریباً سنہ ۳۹۰ع تک جب کہ چندر گپت ثانی بکرماجیت نے اسے برباد کیا۔ قائم رہا ؛

ٹکسلا اور متھرا کے سترپ

سٹریٹو اول سوٹر کابل اور پنجاب کا ایک یونانی بادشاہ تھا۔ اور ایک حد تک ہیلیوکلیز کا ہمعصر بھی تھا۔ اس کا پوتا سٹریٹو ثانی فلوپیٹر اس کا جانشین ہوا جس کو بظاہر ٹکسلا کے مقام پر چند غیر ملکی سترپوں نے جو ممکن ہے کہ سک ہوں یا نہ ہوں بے دخل کردیا۔ متھرا کے سترپوں کا ٹکسلا کے سترپوں سے

---

[1] سر ہنری میک میہن کے خیال کے مطابق "سیتھیا (یا سک) قوم سنہ ۲۷۵ ق م کے قریب نکالی گئی تھی (جیاگرفیکل جرنل سنہ ۱۹۰۶ صفحہ ۲۰۹) ؛

نہایت قریبی تعلق تھا۔ اور دونوں سے بھی ایک دوسرے کے ہمعصر یعنی ۵۰ سنہ ق م یا اس کے لگ بھگ[1]۔ ان کے نام ایرانی معلوم ہوتے ہیں؛

پارتھیا سے تعلقات

سک اور قبائل متعلقہ کی نقل وحرکت بہت بڑی حد تک ایران کے اشکانی خاندان کی ترقی وعروج کے ساتھ وابستہ ہے۔ متھراڈیٹس اول (تقریباً ۱۷۱-۱۳۶ سنہ ق م) ایک نہایت لائق بادشاہ تھا۔ اور کچھ عرصے تک یوکرے ٹائڈیز کا ہمعصر بھی تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کو یہاں تک وسیع کر لیا کہ اس کی طاقت کا اثر دریائے سندھ اور غالباً اس کے مشرقی کنارے تک محسوس کیا گیا۔

۱۔ ٹکسلا کا سب سے پہلا سترپ جس کا نام معلوم ہے لیک تھا۔ اس کا بیٹا پٹک تھا۔ ۷۸ سنہ ق م میں لیک براہ موگ بادشاہ کا ماتحت تھا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ سکون کا میوس یا مائش ہے۔ ۷۲ سنہ ق م میں متھرا کا سترپ سوداس سترپ راجوُل کا بیٹا تھا۔ جس کے آخری عہد حکومت کے سکوں میں سٹریٹو ثانی کی نقل اتاری گئی ہے۔ وہ سن یا سنین جن سے ان تاریخوں کا تعلق ہے اب تک معلوم نہیں ہو سکے۔ راجول ان سترپ ہکا اور ہکاماش (بھائی) کا جانشین تھا جنھوں نے دیسی راجاؤں گومتر۔ رام دت وغیرہ کو بےدخل کیا تھا جن کے سکے پائے جاتے ہیں۔ دونوں سٹریٹو کے سکوں کی تصریح جن کا عرصہ کم وبیش (۷۰) سال کا ہے ریپسن نے کی ہے۔ رکرد لائنو مسمیٹکا۔ صفحہ ۵۴۲۔ آکسفورڈ ۱۹۰۶ سنہ)۔ ڈاکٹر ووگل نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ راجول اور اس کا بیٹا ممکن ہے کہ ہوشکا کے ماتحت ہوں۔ جو میرے نظام سنین کے مطابق ۱۲۳ سنہ ء میں تخت پر بیٹھا تھا۔ (آرکیالوجیکل سروے پروگرس رپورٹ ۱۹۰۹-۱۹۱۰ سنہ۔ نارذرن سرکل صفحہ ۹)۔ اگر یہ خیال صحیح ہے تو ۷۲ سنہ سک سن ۱۵۰ء کے ہوگا۔ مگر اس میں قباحتیں ہیں؛

اروسئیس کے اس صاف وصریح بیان کے متعلق کسی قسم کے شک کی گنجایش نہیں معلوم ہوتی کہ ڈیمیٹیرس کے جنرل کی شکست اور بابل پر قبضہ کرنے کے بعد متھراڈیٹس اول نے دریائے سندھ اور دریائے ہائی فےسس یعنے جہلم کے درمیان کی تمام اقوام کے علاقوں کو اپنی سلطنت کے ساتھ ملحق کر لیا۔ متھرا اور ٹکسلا کے سردار اگر اپنے آپ کو ایرانی یا پارتھی بادشاہ کے زیر فرمان تصور نہ کرتے تو وہ ہرگز ہرگز ستریپ کا خالص ایرانی خطاب اختیار نہ کرتے۔ اس کے علاوہ اس وقت پارتھی سلطنت اور ہندی سرحد کے قریبی تعلقات کا پتہ اس بات سے ملتا ہے۔ کہ اب اسی زمانے میں پارتھی نسل کے بادشاہوں کا ایک طولانی سلسلہ شروع ہوتا ہے[1]؎

میوس

بظاہر ان ہندی پارتھی بادشاہوں میں سے سب سے پہلا میوس تھا۔ جو غالباً ۱۲۰ ق م میں پنجاب کا مالک بنا۔ اور شہنشاہ اعظم کا لقب اختیار کیا۔ جو اس کے قبل سب سے پہلے متھراڈیٹس اول یا ثانی نے اختیار کیا تھا۔ اس کے سکے بہت کچھ ان دونوں بادشاہوں کے سکوں کے مشابہ ہیں۔ یہ سکے اس پارتھی سرحدی سردار کے سکوں سے بھی ملتے جلتے ہیں جو اپنے آپ کو ارسکیز تھیوس کہتا ہے۔ بادشاہ موگ جس کا ماتحت ٹکسلا کا ستریپ تھا بالعموم ایک شخص کے ساتھ ملایا جاتا ہے جس کا نام سکوں میں مضاف الیہ کی صورت میں لکھا ہوا ہے[2]؎

---

[1] متھراڈیٹس اول کی حکومت کی صحیح مدت معلوم نہیں۔ جسٹن (باب ۴۱ فصل ۶) بیان کرتا ہے کہ "عین اسی زمانے میں جب متھراڈیٹس پارتھیا میں بادشاہ ہوا یوکرے ٹائڈیز باختر کا بادشاہ بنا۔ اور یہ دونوں کے دونوں بڑے آدمی تھے" اروسئس کی عبارت ہے:- ....
یہ واقعہ غالباً ۱۳۸ ق م کا ہے جبکہ متھراڈیٹس کا عہد حکومت ختم ہونے والا تھا؎

[2] فان سیلٹ:- "نیخ فولگر" صفحہ ۱۴۔ فان گشمڈ میوس یا تاس کے نام کا مقابلہ ٹاکیز سے

ہندی پارتھی بادشاہ

ہندی پارتھی خاندانوں کی تاریخ کا تعلق کیونکہ سلطنت پارتھیا کی حکومت اعلیٰ سے ہے - ہم ہندی پارتھی بادشاہوں کے تمام دنیا کے ساتھ تعلقات کو اسی وقت اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جب کہ پارتھیا کی تاریخ کا علم ہم کو اس سے زیادہ ہو جتنا کہ اس وقت ہے یا کبھی ہو سکتا ہے - ہندی پارتھی تاریخ کے لکھنے اور مرتب کرنے کے لئے مواد جس میں زیادہ سکون ہی کے حوالے سے نتائج نکالے گئے ہیں ہمارے پاس اس قدر کم ہے - کہ ناقابل تردید واقعات کا ایسا سلسلہ قائم کر کے قلمبند کرنا ناممکن ہے - اور اسی لیئے تمام تحقیقات کے نتائج ایک بڑی حد تک محض خیالی اور قیاسی ہونگے - ان باتوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مذکورۂ ذیل سطور میں میں نے اپنے خیال کے مطابق تمام واقعات کو خواہ وہ یقینی ہوں یا قیاسی - جیسا کہ اس مسئلے کی ایک خاص تحقیقات کے بعد میں سمجھا قلمبند کر دیا ہے - اور ناظر کتاب کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جو سنین بیان ہوں گے ان سب کے سب میں تصحیح کی گنجائش ہے ؏

دو خاندان

یہ مسئلہ اس وجہ سے اور بھی زیادہ تاریک ہو گیا کہ مصنفین نے اس صریح اور بیّن بات کو اپنے دھیان میں نہیں رکھا کہ چند ماتحت ستر پوں کے علاوہ ہندی پارتھی بادشاہوں کے دو بڑے خاندان تھے - ان میں سے ایک اراکوسیہ اور سیستان میں حکمران تھا - اور دوسرا مغربی پنجاب یا ٹکسلا کی سلطنت پر حکومت کرتا تھا -

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- کرتا ہے جو گاگیملا یا اربیلا کے مقام پر داراکے سک سوار تیر اندازوں کا سردار تھا - (آرین :- انبس باب ۳ فصل ۸) - جے - آر - اے - ایس سنہ ۱۹۰۳ صفحہ ۲۶۴ - اور زیڈ - ڈی - ایم - جی - سنہ ۱۹۰۶ صفحہ ۲۰۷ - ۲۹ - میں اس کے متعلق سنین پر بحث کی گئی ہے - ہندی پارتھی سکوں کے لئے دیکھو : "دی کیٹلاگ آف کائنز ان دی انڈین میوزیم" جلد اول - صفحہ ۶۲ - ۳۵ ؏

جیسا کہ اوپر بیان ہوا ماویس غالباً سنہ ۱۲۰ ق م میں موخر الذکر صوبے کا بادشاہ ہوا۔ جس کو متھراڈیٹس اول نے سنہ ۱۳۸ ق م کے قریب پارتھیا کی سلطنت سے ملحق کر لیا تھا۔ اغلب یہ ہے کہ نو مفتوحہ صوبے کا انتظام صرف چند ہی سال تک اصطخر کی مرکزی حکومت کے ہاتھ میں رہا۔ خانہ بدوش اقوام کے ساتھ جنگ جس میں سنہ ۱۳۰ ق م۔ اور سنہ ۱۲۰ ق م کے بین بین فراٹیس ثانی اور ارتابونس نے اپنی جانیں کھوئیں۔ اس وجہ سے مرکزی حکومت کا آہنی پنجہ ہندوستانی سرحد کے صوبے کی طرح دور افتادہ علاقوں پر ڈھیلا پڑ گیا ہوگا۔ اور یہ بہت اغلب ہے میوس نے جو ممکن ہے کہ سک قوم کا ہو اس اتفاقیہ موقع سے فائدہ اٹھایا اور پنجاب پر قابض ہو گیا ہو جہاں وہ اگر حقیقی طور نہیں تو کم از کم عملی طور پر خود مختار تھا؛

وونونیس وغیرہ اراکوسیہ میں

اسی وقت یا اس کے چند سال بعد وونونیس نام ایک پارتھی غالباً اصطخر کے ایرانی شہنشاہ کی ماتحتی میں اراکوسیہ اور سیستان کا بادشاہ ہو گیا۔ ان علاقوں پر وہ اور اس کے جانشین ایک تھوڑے عرصے تک (یعنے تقریباً پچیس برس تک) حکمراں رہے۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ ازلیس تھا جو اپنے باپ اور وونونیس کے بھائی سپل ریسیس کا نائب السلطنت یا شریک حکومت تھا؛

ازیس اول۔ ازیلیسیس اور ازیس ثانی۔

پارتھی طاقت جس کو خانہ بدوش اقوام کے حملوں سے بہت کچھ نقصان پہنچا تھا آخر کار متھراڈیٹس (ثانی) اعظم (تقریباً تخت نشینی سنہ ۱۲۳ ق م) کے زمانے میں پھر سنبھلی اور اس کی پرانی طاقت عود کر آئی۔ بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طاقتور بادشاہ نے ان صوبوں کا انتظام جن پر وونونیس اور اس کا خاندان حکمراں تھا اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور اس کے علاوہ پنجاب کے اور بھی زیادہ دور دست صوبے پر بھی

اپنا شاہنشاہی حق پھر نئے سرے سے قائم کیا۔ اب ازیس جو سیستان اور اراکوسیہ کا نائب السلطنت تھا ٹکسلا تبدیل کر دیا گیا۔ جہاں وہ تقریباً ۹۰ سنہ ق م میں ماویس کا جانشین ہوا۔ اور اس صوبے پر متھراڈیٹس کے ماتحت بادشاہ کی حیثیت سے حکومت کرتا رہا۔ پنجاب کے تخت پر ازیس کا جانشین پہلے اس کا بیٹا ازیلیسیس اور اس کے بعد اس کا پوتا ازیس ثانی ہوا۔ یہ یقینی ہے کہ ازیس اول ایک طاقتور بادشاہ تھا۔ اور ایک بڑی مدت تک حکمراں رہا جس کا زمانہ غالباً پچاس سال کا تھا۔ یہ معلوم ہے کہ سنہ عیسوی کے شروع کے وقت ہندوستان کا کوئی قطعہ پارتھی سلطنت میں شامل نہ تھا۔ اور یہ امر کچھ بعید از قیاس نہیں کہ ازیس اول نے طولانی حکومت کے دوران میں اپنے آپ کو بالکل خود مختار بنا لیا ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ ازیلیسیس اور ازیس ثانی نے بھی بہت عرصے تک حکومت کی تھی۔ موخر الذکر کے عہد حکومت میں سترپ اسپ درم اور سترپ زیونیسیس پنجاب پر حکومت کرنے میں اپنے آقا اور بادشاہ کو مدد دیتے تھے۔

گنڈوفریس کی حکومت

تقریباً سنہ ۲۰ ئہ میں ازیس ثانی کا جانشین گنڈوفریس ہوا۔ جس نے معلوم ہوتا ہے کہ اراکوسیہ کا اور سندھ کا ایک بڑا علاقہ فتح کر لیا تھا۔ اور پارتھی نگرانی سے بالکل آزاد ہو کر ایک بڑی وسیع سلطنت کا مالک بن گیا تھا۔ سنہ ۶۰ ئہ میں جب وہ مر گیا تو اس کی سلطنت دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ مغربی پنجاب کا علاقہ تو اس کے بھائی کے بیٹے ابدگسیس کو ملا۔ اور اراکوسیہ اور سندھ آرتھگنیس کے پاس منتقل ہو گئے۔ پہلی صدی عیسوی کے درمیان میں پنجاب پر کشان بادشاہ ہما یا وما (کڈفائسس ثانی) نے قبضہ کر لیا اور اغلب یہ ہے کہ اراکوسیہ اور سندھ کا بھی وہی حشر ہوا جو پنجاب کا ہوا تھا[1]۔

[1] فلاسٹرٹیس کے بیان کے مطابق اپالونئس پارتھیا کے بادشاہ برڈینس یا

پارتھی سردار سندھ کے ڈیلٹا میں

مگر ممکن ہے کہ چھوٹی چھوٹی پارتھی ریاستیں اور کچھ عرصے تک دریائے سندھ کے مثلثی قطعے میں قائم رہی ہوں۔ "پری پلس آف دی اریتھرائین سی" کے مصنف کا جس نے اپنی کتاب غالباً پہلی صدی عیسوی کے ختم پر لکھی تھی۔ بیان ہے کہ دریائے سندھ کے زیرین حصے کی وادی۔ جس کو وہ سیتھیا کہتا ہے۔ پارتھی سرداروں کے زیر نگین۔ تھا۔ جو متواتر خاندانی جنگوں میں مبتلا رہتے تھے۔ اس زمانے میں دریائے سندھ کے سات دہانے تھے جن میں سے صرف درمیانی دہانہ جہاز رانی کے قابل تھا۔ تجارتی بندرگاہ جس کا نام سیاح نے بربریکان لکھا ہے اسی دریا پر واقع تھا۔ دار السلطنت منگر اندرون ملک میں واقع تھا۔ سندھ کے علاقے کے دریاؤں میں ان اٹھارہ صدیوں کے عرصے میں اس قدر تغیر و تبدیل واقع ہو گیا ہے کہ ان شہروں کے اصل موقع محل کا پتہ لگانا بالکل ناممکن ہے[1]"۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- ورڈنیس سے جس نے تقریباً ۴۷-۳۹ء تک حکومت کی اور جو بابل میں مقیم تھا دو مرتبہ ملا۔ پروفیسر ٹیری معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اس خیال میں بالکل حق پر ہے کہ اپالونئس ہندوستانی سیاحت کی تاریخ ۴۲-۴۳ء کے بین بین ہے۔ اس زمانے میں۔ فلاسٹرٹیس کا بیان ہے کہ مغربی پنجاب۔ ایک بادشاہ فروٹیس کے ماتحت تھا۔ جو بظاہر پارتھی قوم کا شخص معلوم ہوتا ہے۔ دریائے سندھ کے مشرقی جانب کا سٹرپ ٹکسلا کے فروٹیس کا ماتحت اور برڈنیس سے بالکل خود مختار تھا۔ (اپالونئس :- باب ۱ فصل ۲۱۔ باب ۲۔ فصل ۱۷۔ باب ۳۔ فصل ۲۷۔ فروٹیس کے لئے دیکھو باب ۲۔ فصل ۳۱-۲۶)۔ اگر ہندی سیاحت کی اور تمام تفصیلات خیالی مصنوعی ہیں۔ لیکن فلاسٹرٹیس نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ اس کے زمانہ تحریر میں ٹکسلا کا بادشاہ پارتھیا کے حکمراں سے بالکل خود مختار تھا"۔

[1] پری پلس فصل ۳۸۔ یہ کتاب غلطی سے آرین کے نام منسوب کی جاتی تھی۔ اس کا

گنڈو فرس اور سینٹ ٹامس

ہندی پارتھی بادشاہ گنڈوفرس میں ایک خصوصیت بھی ہے۔ کیونکہ نہایت قدیم عیسائی روایات کے مطابق اس کا نام پارتھیوں کے رسول (؟) سینٹ ٹامس کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس عقیدے کا آغاز کہ پارتھی قوم کو دعوت حق دینے اور تبلیغ مذہب کا کام بالمخصوص سینٹ ٹامس کے سپرد کیا گیا تھا۔ اوریجن کے نام سے ہوتا ہے جو تیسری صدی عیسوی کے درمیان میں مرا۔ "اعمال ٹامس" جو تقریباً اوریجن کے ہمعصر ہے۔ اور اس کے بعد کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بجائے پارتھیوں کے ولی کو ہندیوں سے تعلق تھا۔ لیکن قدیم زمانے میں "ہند" اور "ہندی" کے الفاظ ایسے مبہم طور پر استعمال ہوتے تھے کہ یہ تضاد کچھ بہت بڑا نہیں معلوم ہوتا۔ صریحاً روایت کی قدیم تر شکل زیادہ قابل قبول ہے۔ اور اس امر میں شک کرنے کی ظاہرا کوئی وجہ نہیں کہ اوریجن کے بیان کے مطابق ٹامس کے حصے میں دعوت حق کے لئے پارتھیا کا علاقہ آیا تھا۔

روایت

وہ روایت جس میں سینٹ ٹامس اور گنڈوفرس کا ایک دوسرے سے تعلق ظاہر کیا گیا ہے پہلے پہل "اعمال سینٹ ٹامس" کے شامی زبان کے نسخے میں جو اسی وقت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ ترجمہ مع حاشیہ میک کرنڈل نے کیا ہے (انڈین انٹی کویری جلد ۸ ۱۸۷۹ء صفحہ ۱۵۱-۱۰۸)۔ اور شراف نے ۱۹۱۲ء میں بھی اس کا ترجمہ کیا ہے۔ رینا ڈنے کتاب کے آخری دفعہ موجودہ صورت اختیار کرنے کی تاریخ ۲۴۷ء یا ۲۴۶ء بتائی ہے۔ مگر یہ ناممکن ہے۔ میک کرنڈل نے اسے ۸۰ تا ۸۹ء کے بین بین کا قرار دیا ہے اور شراف (صفحہ ۱۵) نے ۶۰ء۔ مگر اس کے بعد میرے نام ایک خط میں وہ ۸۰ء کو مرجح خیال کرتا ہے۔ اور اس سنہ کو تقریباً صحیح مان لینا چاہیئے۔ دریائے "سندھ" سے مراد جیسا کہ ریورٹی نے بیان کیا ہے۔ سندھ کے علاقے کا دریائے مہران ہی دریائے سندھ ہے۔ میک کرنڈل جدا بھی شائع ہوا تھا (کلکتہ و لنڈن ۱۸۷۹ء)

مرتب کیا گیا جب کہ ادریجن کی کتابوں کی تہذیب کا ہونا پایا جاتا ہے۔
اس طولانی حکایت کا ملخص حسب ذیل ہے :۔

"جب (حضرت عیسیٰ کے) بارہ حواریوں نے قرعہ اندازی کے ذریعے سے تمام دنیا کو آپس میں تقسیم کیا تو ہندوستان کا ملک جودس معروف بہ ٹامس یا توآم کے حصے میں آیا۔ مگر اس نے یہ سفر اختیار کرنے کی رضامندی نہ ظاہر کی۔ اسی زمانے میں ایک ہندی سوداگر ہبّان نامی جنوبی ملک میں پہنچا۔ اس کو ہندوستان کے بادشاہ گنڈفر نے یہ کام سپرد کیا تھا کہ وہ ایک ہوشیار اور کاریگر صناع کو اپنے ساتھ لے آئے تاکہ وہ بادشاہ کے لائق محل تیار کر سکے۔ مشرقی سفر سے حواری مذکور کی برداشتہ خاطری دور کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ بذات خود خواب میں سوداگر کو نظر آئے۔ حواری کو بیس چاندی کے سکوں کے بدلے سوداگر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اور سینٹ ٹامس کو حکم دیا کہ وہ گنڈفر کا کام کرے اور اس کا محل تعمیر کردے۔"

"اپنے مولا (حضرت عیسیٰ) کے حکم کے مطابق سینٹ ٹامس ہبان سوداگر کے ہمراہ دوسرے دن کشتی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ اور سفر کے دوران میں اپنے ساتھی کو یقین دلایا کہ وہ فن تعمیر اور لکڑی اور پتھر کے ہر قسم کے کام سے پوری طرح واقف ہے۔ باد موافق نے ان کی کشتی کو جلدی ہی انکو انکی منزل مقصود تک پہنچا دیا۔ وہ سندروک کے بندرگاہ میں خشکی میں اترے۔ اور یہاں بادشاہ کی بیٹی کی شادی کی دعوت میں شریک ہوئے۔ اس دعوت میں انھوں نے اتنا بڑا کام کیا کہ دولھا اور دلہن دونوں نے دین حق (عیسائیت) قبول کر لیا۔ یہاں سے یہ ولی اور سوداگر اپنے بحری سفر پر روانہ ہو گئے۔ اور آخرکار ہندوستان کے بادشاہ گنڈفر کے دربار میں پہنچے۔ ٹامس نے بادشاہ سے وعدہ کیا کہ وہ چھ مہینے کے عرصے میں اس کا محل تیار کر دے گا۔ لیکن جو رقم اس کام کی انجام دہی کے لئے اس کو دی گئی وہ سب کی سب اس نے

خیرات کر نہیں صرف کردی۔ اور جب اس سے اس کا حساب مانگا گیا تو
اس نے کہا کہ میں بہشت میں تمہارے لئے ایک محل تیار کر رہا ہوں۔
جو آدمی کے ہاتھ سے تعمیر نہیں ہوتا۔ اس کے بعد اس نے اس قدر
جوش و خروش کے ساتھ اپنے مذہب کی تبلیغ کی کہ بادشاہ اس کا
بھائی گڈ اور عوام جوق جوق دین حق (عیسائیت) میں داخل ہوئے۔
مقدس (؟) ولی سے بہت سی خوارق عادات اور کرامات بھی ظہور
میں آئیں "

سینٹ ٹامس کی شہادت۔

"تھوڑی مدت کے بعد شاہ مزدئی کا سپہ سالار سفور
آیا اور ولی سے اس امر کا مستدعی ہوا کہ وہ اس
کے ساتھ جا کر اس کی بیٹی اور بیوی کو صحت بخشے۔
سینٹ ٹامس نے اس کی دعوت قبول کی۔ اور ایک گاڑی میں سوار
ہو کر سفور کے ہمراہ مزدئی کے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اپنے نو آموزوں
کی جماعت کو اس نے گنڈفر کی سلطنت میں اسقف زنتھی پاس
کے زیر حفاظت چھوڑا۔ جب مزدئی کی ملکہ ترتیہ اور ایک اور شریف خاتون
مگدونیہ نے سینٹ ٹامس کا مذہب اختیار کر لیا۔ تو بادشاہ سخت غضبناک
ہوا۔ اور اس کے حکم سے سینٹ ٹامس کو چار سپاہیوں نے شہر کے باہر
ایک پہاڑی پر لیجا کر برچھیوں سے قتل کر ڈالا۔ رسول حواری کو قدیم بادشاہوں
کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ مگر اس کے شاگرد خفیہ اس کی
لاش کو نکال کے مغرب کی طرف لے گئے"

۱؎ سوکریٹیس (پندرھویں صدی) اور دوسرے مصنفین بیان کرتے ہیں کہ ان
تبرکات کو الجزیرہ کے علاقے میں روحہ (اڈیسہ) کے مقام پر مدفون کیا گیا۔ اور
وہاں ایک عالیشان گرجا اس کی یادگار میں تعمیر کیا گیا۔ متن کتاب کی حکایت
اور ابتدائی عیسائی مصنفین کے حوالے۔ بلا کسی تنقید و تصدیق کے مسٹر
ڈبلیو۔ آر۔ فلپس مضمون :- "دی کونکشن آف سینٹ ٹامس دی اپاسل ودھ انڈیا"

اس روایت کی تنقید

ساتویں صدی عیسوی کے بعد کے مصنفین ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اس شہر کا نام بھی بتلا سکتے ہیں جہاں سینیٹ ٹامس شہید ہوا۔ وہ اس کا نام کلمیٹنا کلمیٹا۔ کلمینا یا کرمینا بتلاتے ہیں۔ اور اس شہر کا اصلی موقع معلوم کرنے کے لئے بہت کچھ بے سود جدوجہد کی گئی ہے۔ لیکن پرانی روایات میں اس شہر کا نام مذکور نہیں۔ اور کلمینا کا شہر محض خیالی چیز ہے جس کا نقشے پر ظاہر کرنا ناممکن ہے۔ بعینہ یہی حال ان کوششوں کا ہے جو اس بندرگاہ کا موقع معلوم کرنے کے متعلق کی گئی ہیں جس کا نام مختلف طور پر سندروک۔ اندرالپس وغیرہ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ تمام حکایت محض فرضی مصنوعی قصہ ہے۔ اور اس کا جغرافیہ بھی قصے کی طرح خیالی ہے۔ ہندوستان کے مورخ کے لیے اس حکایت میں صرف اتنی دلچسپی ہے کہ ایک حقیقی ہندی بادشاہ گنڈوفریس نے اپنی موت کے بعد بھی اپنی شہرت قائم رکھی۔ اور یہ کہ اس کا تعلق رسول کے تبلیغی مشن کے ساتھ کیا گیا جو ہندوستانیوں اور اس طرح بقول اوریجن کے پارتھیوں کی طرف روانہ کی گئی۔ کیونکہ یہ یقینی امر ہے کہ گنڈوفریس ایک پارتھی بادشاہ تھا۔ اور عام طور پر وہ دنیا میں اتنا معروف نہ تھا کہ عیسائیت کی تبلیغی مشن کے تعلق کے بغیر اس کا نام اس روایت میں لیا جاتا۔ اس لئے یہ ممکن ہے کہ کسی نہ کسی عیسائی مشن نے ضرور ہندی پارتھی بادشاہوں کے ہاں شمال مغربی سرحد پر تبلیغ کا کام انجام دیا ہوگا۔ وہ مشن خواہ سینیٹ ٹامس کی سرکردگی میں آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ اس نظام سنین کی بنا پر جو سکوں اور کتبوں کے ذریعے سے گنڈوفریس کی حکومت کے متعلق

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ (انڈین انٹی کویری جلد ۳۲ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۵۔ اور صفحہ ۱۴۵-۱۶۰) سے لئے گئے ہیں۔ بشپ میڈلی کاٹ کی کتاب:۔ "انڈیا اینڈ دی اپاسل ٹامس" (۱۹۰۵ء) میں بہت کچھ مذہبی مواد ملتا ہے؛

اخذ کیا گیا ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ گنڈوفریس اور سینٹ ٹامس کے ناموں میں روایات جو تعلق ظاہر کرتی ہیں اس میں کچھ تضاد نہیں پایا جاتا۔ اس کے برخلاف یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ ان علاقوں میں جو گنڈوفریس کے زیر حکومت تھے عیسائیت کا نام ونشان بعد کے زمانے میں بالکل نہیں پایا جاتا۔ اور اگر واقعی اس روایت میں کسی قسم کی راستی ہے کہ ٹامس کوہ سینٹ ٹامس کے مقام پر مدراس کے قریب شہید ہوا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ یہ واقعہ ہزدوئی کی

لہ سکوں اور کتبوں میں اس بادشاہ کا نام مختلف صورتوں سے مذکور ہے:۔ گنڈوفریس۔ گڈوفرا۔ اور گڈوفرنا۔ وغیرہ۔ اس کتبے پر جو تخت بہائی کے مقام پر پشاور کے شمال مشرق میں پایا گیا۔ ایک نامعلوم سنہ (۱۰۳) کے حساب سے گڈوفرا کے ۲۶ ویں سال کی تاریخ مذکور ہے۔ اس کی سلطنت کے آثار قدیمہ کی شہادت پر: فان سیلٹ (نیخ فولگر الکزنڈرس ڈس گراسن)۔ پرسی گارڈنر (بی۔ ایم۔ کیٹلاگ آف کائنز آف گریک اینڈ سیتھک کنگس آف انڈیا)۔ سپنیارٹ (نوٹس ڈابیی گریفیا انڈین)۔ وی اے سمتھ ("دی کشان پیریڈ آف انڈین ہسٹری" جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۳ء صفحہ ۴۰) اور دیگر مصنفین نے بالتفصیل بحث کی ہے۔ مسٹر آر۔ ڈی۔ بنرجی کا خیال ہے سنہ (۱۰۳) سے مراد سک سن ہے۔ اور یہ اس طرح ۱۸۱ء کے برابر ہے۔ انھوں نے زیادہ تر کتبے کی کروشتی طرز تحریر اور کم وبیش کشان خاندان کی تاریخ کی بنا پر اپنی اس رائے کا انحصار کیا ہے (انڈین انٹی کویری ۱۹۰۸ء صفحہ ۶۳ و ۶۴)

لیکن پارتھیا کی تاریخ اس قدر نامکمل حالت میں ہے کہ اس سے کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ اور کروشتی طرز تحریر کی ابھی اور مطالعہ کی ضرورت ہے۔ اور خود مجھ کو گنڈوفریس کے اس قدر بعد کی تاریخ پر پورا اطمینان نہیں ہے۔

سلطنت میں پیش آسکے[1] - بہت کچھ غور و فکر کے بعد اب میرا خیال یہ ہے کہ گنڈوفرلیس اور مزدئی کی مملکت میں سینٹ ٹامس کی ذاتی تبلیغ کی روایت کو قبول نہ کرنا چاہیئے - لیکن ساتھ ہی جبتک کہ عیسائی مشن جس کا تعلق روایت ٹامس کے نام سے کر دیا ہے ہندی پارتھی سرحد کی طرف نہ بھیجی گئی ہو اس وقت تک یہ خیال کرنا ناممکن ہے کہ گنڈوفرلیس جیسے گمنام بادشاہ کا نام اس روایت میں آ گیا ہوگا - اگر کوئی شخص یہ ماننا چاہے کہ سینٹ ٹامس بذات خود ہندی پارتھی سلطنت میں آیا تھا تو اس کے اس یقین کو بے وجہ نہیں کہا جاسکتا - کیونکہ جیسا کہ بشپ مڈلی کاٹ نے لکھا ہے یہ ممکن ہے کہ وہ پہلے گنڈوفرلیس کے پاس گیا ہو اور بعد میں وہاں سے جنوبی ہند ہی چلا گیا ہو[2]

جنوبی ہند کی طرف سینٹ ٹامس کی مفروضہ مشن - اس رسول کی جنوبی ہند کی طرف تبلیغی مشن اور مدراس کے قریب میلاپور کے مقام پر اس کی درگاہ جس کی پرتگیز "سین ٹوم" کے نام سے بہت عزت

---

[1] فادر جوسف دہلمان - ایس - جے نے ایک نہایت ہی فاضلانہ رسالہ اس کے متعلق لکھا ہے (دی ٹامس لیجنڈ اینڈ آلٹیسن ہسٹوریچن بزیہنگن دس جرسٹنٹم زدم فرضن آسٹن ام لختے ڈر انڈشن الٹرٹمسکندی - مطبوعہ فری برک ۱۹۱۲ء) - اور اس میں اس امر کی کوشش کی ہے کہ گنڈوفرلیس کی حکایت کو تاریخی طور پر ثابت کیا جائے - میں نے یہ کتاب نہایت غور سے پڑھی ہے مگر وہ مجھے قائل نہ کرسکا - میں نے ہیک کی کتاب :- "ہیٹ ڈر ہیلیج اپاسل ٹامس ڈس ایونجلیئم گیبر یڈگٹ" نہیں پڑھی - پروفیسر کارب ان دونوں کتابوں پر تنقید کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ سینٹ ٹامس کے متعلق ہر ایک قسم کی حکایت ناقابل قبول ہے - اور جنوبی ہند کی عیسائیت غالباً ایران سے وہاں آئی تھی - کیونکہ اس ملک میں عیسائیوں کو ۳۴۱ء و ۴۱۱ء کے درمیان اذیت اور تکلیف پہنچائی گئی تھی اور اسی وجہ سے وہ لوگ وہاں نقل مکان کر آئے تھے[2]

کرتے تھے۔ ذکر کا بھی سب سے بہتر موقع اور محل یہی ہے۔ مغربی یا ساحل مالابار کے "سینٹ ٹامس کے عیسائیوں" کی روایات کے بموجب یہ رسول ۵۲ء میں سکوترا سے آیا۔ اسی ساحل پر کرنیکا نور (پری پلیس اور پلینی کا فرس) کے مقام پر اترا۔ اور اس صوبے میں سات مرکزی مقامات کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد وہ معبر یا ساحل کارومنڈل پر چلا گیا اور یہیں میلاپور کے مقام پر اس کو شہید کر دیا گیا۔ اس کے بعد کے مذہبی تعصبات اور اذیتوں نے کارومنڈل کے ساحل سے عیسائیت کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ بشپ میڈلی کاٹ نے ایک نہایت عالمانہ رسالے میں اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تمام روایت تاریخی ہے۔ مگر میرے خیال میں اس کی یہ کوشش بالکل بے سود رہی ہے "اعمال سینٹ ٹامس" کی روایت کی طرح میلاپور کے مشہد کی حکایت بھی محض مصنوعی اور فرضی قصہ ہے۔ اور مالابار کے عیسائیوں نے "اعمال" کی روایت کو اپنے ملک پر منطبق کرنے میں کسر نہیں کی۔ لیکن خواہ مزدوئی کی سلطنت یا میلاپور کے قریب رسول کے مفروضہ مشہد کو تاریخی شہادت کے قرین قیاس نہ سمجھ کر رد کر دیا جائے۔ لیکن اتنا ضرور قابل تسلیم ہے کہ اس زمانے کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ رسول کا جنوبی ہند میں بذات خود آنا بالکل ممکن ہے اور علاوہ بریں اس کا سکوترا کی جانب سے جہاں بلاشک و شبہ قدیم زمانے سے عیسائیوں کی ایک آبادی موجود تھی۔ آنا بھی کچھ بعید از قیاس نہیں۔ اس کے ذاتی طور پر آنے کے واقعے کو نہ تو ثابت ہی کیا جا سکتا ہے اور نہ وہ رد ہی ہو سکتا ہے۔ مجھ کو اب اس امر کا اطمینان ہو گیا ہے کہ جنوبی ہند کی عیسائیت بہت قدیم ہے۔ خواہ اس کو سینٹ ٹامس نے خود قائم کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اور یہ کہ بہت زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اس کا قیام تیسری صدی عیسوی میں ہوا ہو گا۔ مسٹر ملنے کا یہ کہنا کہ جنوبی ہند میں عیسائیت کا قیام ان واعظوں کے ذریعے سے

ہوا جو پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی میں دریائے دجلہ کے کنارے سے آئے بدت کچھ بے وجہ ہے ؎

بعد کے ہندی یونانی بادشاہ۔

خانہ بدوش اور پارتھی حملوں کے شروع ہونے کے دو صدی بعد تک ہندوستان کی سرحد کا شمالی حصہ جس میں غالباً وادئ کابل وسوات اور پشاور کے شمال اور شمال مغرب کے قرب وجوار کے چند اضلاع اور مشرقی پنجاب شامل تھے مقامی یونانی بادشاہوں کے زیر حکومت رہے۔ جو خواہ خود مختار ہوں یا پارتھی طاقت کے زیر نگین چاندی اور کانسی کے سکّے ڈھلنے کے مجاز ضرور تھے ؎

تقریباً سنہ ۲۰ء ہرمیاس اور کڈفائسس اول

ان ہندی یونانی بادشاہوں میں سے آخری بادشاہ ہرمیاس تھا۔ جس کو یوچی یا کشان سردار کڈفائسس اول نے سنہ ۲۰ء میں مغلوب کیا۔ اسی وقت اس باہمت بادشاہ نے کابل کو فتح کرکے اسے یوچی سلطنت کے ساتھ ملحق کیا[۱]۔ اول اول اس یوچی بادشاہ نے اپنے اور یونانی بادشاہ دونوں کے نام سے مضروب کرائے۔ اس طرح کہ ان سکّوں کی پشت پر ہرمیاس کی تصویر اور یونانی عبارت کندہ کرائی۔ تھوڑی مدت بعد اگرچہ اس نے تصویر بدستور سابق قائم رکھی۔ مگر عبارت میں اس کی جگہ اپنا نام اور خطاب لکھنا شروع کیا۔ آگے چل کر اس نے ہرمیاس کی تصویر کو بھی نکال ڈالا اور اس کی جگہ آگسٹس کی بڑھاپے کی تصویر کو منقوش کرایا اور اس طرح اس قیصر کی بڑھتی شہرت کے آگے جس نے بغیر کسی قسم کی جنگ وجدل کے محض رومی نام کی تخویف کے برتے پر سنہ ۲۰ ق م میں پارتھیوں کو مجبور کیا کہ وہ جھنڈا

---

[۱] نظام سنین کا ایک تقریباً صحیح خاکہ اس باب کے اخیر میں ضمیمہ میں جدول معاصرین میں ملیگا۔ اس جدول میں صرف زیادہ نام درج کیے گئے ہیں ؎

جو انھوں نے تینتیس برس قبل رومیوں سے چھینا تھا واپس کر دیں سر جھکا دیا[۱]۔

گنڈفائسس اول کے عہد حکومت کے غالبًا اس سے بھی بعد کے وہ سکے ہیں جن میں شاہی تصویر کو بالکل ہی اڑا دیا گیا ہے۔ اور ان میں ایک طرف تو ہندی بیل اور دوسری طرف باختری اونٹ کی شکل منقوش ہے۔ یہ ایسے نشان ہیں جو ایک خانہ بدوش قوم کے ہندوستان کی فتح کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں[۲]۔

سکوں کی شہادت کے معنی اور مقصد

اس طرح سکوں کی شہادت سے اس زمانے کی سیاسی تاریخ پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح بتدریج یونانی بادشاہ وسط ایشیا کے جنگلی خانہ بدوش قبائل کے ہاتھ سے برباد اور تباہ ہوئے۔

ہندوستان اور یونان کا تعلق

ایک یوروپین مورخ کے لیے جس کا دل و دماغ ان بے شمار احسانات کے احساس سے پر ہو جو یونانی علوم و فنون نے موجودہ تہذیب پر کئے ہیں یہ ناممکن ہے کہ اس موقع پر ہندوستان میں یونانی بادشاہوں کو دفن کرتے ہوئے یہ خیال اس کے دل میں نہ آئے کہ آخر ہندی اور یونانی باہمی تعلقات کا نتیجہ کیا ہوا۔ کیا ہندوستانیوں کی نظر میں سکندر اعظم کا درجہ محض ایک سواروں کے رسالے کے افسر کا سا تھا جس کے حملے کے سامنے ان کی بڑی سے بڑی فوجیں تنکے کی طرح ہوا میں اڑ جاتی تھیں یا

---

[۱] سکوں کی پلیٹ۔ شکل ۴۔

[۲] بارھویں صدی عیسوی میں بھی باختریا کا دو کوہانوں کا اونٹ بالائی سندھ میں پایا اور پالا جاتا تھا۔ (الادریسی۔ منقول از ریورٹی۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ جلد ۶۱۔ حصہ اول (۱۸۹۲ء) صفحہ ۲۲۴)۔

وہ اس کو دیدہ و دانستہ یا محض بے معلوم طور پر مغربی تہذیب کا پیشرو اور بہترین قواعد وضوابط کا رواج دینے والا تصور کرتے ہیں؟ کیا پنجاب کے یونانی الاصل بادشاہوں کی سالہائے دراز کی حکومت وحشی قبائل کے سامنے بالکل نیست و نابود ہو گئی اور سوائے سکون کے اس نے ملک میں اپنا کوئی اثر باقی نہیں چھوڑا یا اس نے ہندی ضابطہ و قانون پر یونانی حکومت کا اثر ڈالا اور ان کو تھوڑا بہت بدل دیا؟

ہٹیس کی رائے اس قسم کے سوالات کا جواب نہایت مختلف اور متفرق صورتوں میں دیا گیا ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یورپ کے مصنفین کا رجحان اس طرف رہا ہے کہ وہ سکندر اعظم کے حملے کے یونانی اثرات اور خود ہندوستان کی شمالی مغربی سرحد کے ہندی یونانی بادشاہوں کے کارناموں کو مبالغہ اور افراط کی حد تک پہنچا دیں۔ ان سب مصنفین میں پیش پیش ہٹیس ہے۔ اس کو اس امر کا پورا پورا یقین ہے کہ زمانہ مابعد کی ہندی ترقیوں کا انحصار بلاواسطہ سکندر کے قوانین وضوابط پر ہے۔ اور یہ کہ چندرا گپتا نے سائلوکس نکیٹر کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ یہ خیالات تاریخی شہادات کے اس قدر اور اس درجہ منافی ہیں کہ ان کی تردید کی بھی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ مگر بعض مشہور و معروف انگریز مصنفین ایک حد تک ان اقوال و آراء پر ایمان لے آئے ہیں۔ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے کہ وہ لوگ ہیں جو فطرتی طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح یورپ اور ایشیا کا بڑا حصہ یونانی خیالات کے زیر اثر آ گیا تھا اسی طرح ہندوستان بھی یقیناً اس سے متاثر ہوا ہو گا۔

سکندر کا ہندوستان پر برائے نام اثر اسی لیئے یہ نہایت مفید کام ہے کہ ہندوستان پر سکندر کے حملے سے لے کر کشان یا ہندی سیتھی قوم کے ملک کو پہلی صدی عیسوی کے اختتام میں فتح کرنے تک جو تمام چار صدی کا عرصہ ہوتا ہے بلا تعصب و رو رعایت یہ

غور کیا جائے کہ۔ یونانی اثر کی وسعت ہندوستان میں کہاں تک تھی؟
اس کتاب کے مصنف کی یہ رائے کہ سکندر کی ہندوستانی فوج کشی کے زمانے میں ہندوستان یونان کے زیر اثر نہیں آیا تھا۔ اس کے قبل باب متعلقہ میں مراجعت سکندر بیان کی جاچکی ہے۔ لیکن بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کے سامنے ان چار سو برس کے یونانی اثرات کے مسئلے پر نئے سرے سے غور کر لیا جائے۔ اس مسئلے کے متعلق صحیح اندازہ لگانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سنین کو مدِ نظر رکھا جائے۔ سکندر ہندوستان میں صرف انیس مہینے ٹھیرا۔ اور اس کے منصوبے اور ارادے کیسے ہی بلند کیوں نہ ہوں یہ بات صریحاً ناممکن ہے کہ اس مختصر سے زمانے میں جس میں کہ اس کو ہمہ تن جنگ و جدل میں مشغول رہنا پڑا وہ یونانی قوانین کو مستقل طور پر قائم و مستحکم کر سکتا۔ یا ہندی سیاست اور معاشرت پر کوئی معتد بہ اثر ڈال سکتا۔ مگر اصل یہ ہے کہ اس نے ان میں سے کوئی بھی کام نہیں کیا۔ اور اس کی موت کے دو سال بعد ہی سوائے دریائے سندھ کے میدان کی یوڈیمس کے زیر کمان چند چھوٹی چھوٹی فوجوں کے سوا مقدونی سلطنت کے تمام نشانات مٹ گئے تھے۔ سنہ ۳۱۶ ق م کے بعد ان کا کہیں نام و نشان تک باقی نہ تھا۔ ہندوستان پر سکندر کے حملے کا اگر کوئی مستقیم اثر موجود ہے تو وہ ان سکوں میں ہے۔ جو کوہستان نمک کے راجہ سوبھوتی (سوفیٹیز) نے یونانی سکوں کی نقل میں مضروب کرائے۔ یہ وہ راجہ تھا جس کو سکندر نے اوائل فوجکشی میں زیر کیا تھا۔

سائلوکس نیکیٹر کی ناکامی۔

سکندر کی موت کے بیس سال بعد سائلوکس نیکیٹر نے دریائے سندھ کے مشرق میں مقدونی فتوحات کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مگر ناکامیاب ہوا۔ اور بہ جبر و اکراہ نہ صرف اس کو ان تمام صوبوں سے دست بردار ہونا پڑا جن پر سکندر نے وقتی طور پر قبضہ کر لیا تھا۔ بلکہ دریائے سندھ کے

مغرب میں آریانہ کے صوبے کا ایک بڑا حصہ بھی اُسے چندر اگپتا موریا کے حوالے کر دینا پڑا۔ ہندی انتظام مملکت اور معاشرت جس کو سائلوکس کے سفیر مگاس تھنیز نے اس خوبی سے بیان کیا ہے ہندی الاصل ہے۔ اس میں ایرانی اثر کا شائبہ کہیں کہیں ضرور پایا جاتا ہے۔ مگر یونانی اثر کا کہیں نام نہیں[1]۔ یہ خیال کہ ہندوستان کی آئندہ ترقیوں کا انحصار کسی نہ کسی طرح سکندر کے قوانین پر تھا واقعات کے بالکل منافی ہے۔

موریا سلطنت سکندر کی موت کے اسّی یا نوے برس بعد تک شاہان موریا کی زبردست طاقت نے ہندوستان کو ہندیوں کے لئے مخصوص اور اس کو تمام بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ کر دیا۔ ان بادشاہوں نے اپنے ہمسایہ یونانی بادشاہوں کے ساتھ بالکل برابری کا سلوک کیا۔ در اصل دیکھا جائے تو اشوک انٹی آکس اور بطلیموس تک بدھ مذہب کی تعلیمات پھیلانے کا زیادہ دلدادہ تھا بہ نسبت اس کے کہ وہ ان لوگوں سے یونانی خیالات اخذ کرنا چاہتا ہو۔ اگرچہ یہ یقیناً صحیح ہے کہ ہندوستان کی نقاشی اور مصوری نے موریا خاندان کے زمانے میں اسکندری یونانی خیالات کو پیش نظر رکھا۔ لیکن بہر حال یونانی خیالات نے ہندی تہذیب و تمدن پر بالکل برائے نام ہی اثر کیا تھا۔ اور ہندی قوانین میں وہ کسی قسم کا زبردست تغیر و تبدل

[1] چندر اگپتا کے مقرر کردہ وہ افسر جن کے فرائض "اجنبیوں کی خاطر و تواضع اور دیکھ بھال تھی" (سٹرابو باب ۱۵ فصل ۱ صفحہ ۵۰) بالکل یونانی افسر پراکسنوئی کے مانند ہیں اور یہ ممکن ہے اگرچہ اب تک اس کا ثبوت نہیں ملا کہ وہ یونان کی ہی دیکھا دیکھی مقرر ہوئے ہوں۔ (رینوٹس:- السینز آن آرٹ اینڈ آرکیالوجی صفحہ ۱۲۱- انڈین انٹی کویری ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۰۰)

کرنے میں بالکل ناکام رہا تھا؛

انٹی آکس اعظم کا حملہ

سائلوکس کے ناکام واپس جانے کے بعد تقریباً سو سال تک کسی یونانی بادشاہ نے ہندوستان کی طرف رخ نہیں کیا۔ اس کے بعد انٹی آکس اعظم (سنہ ۲۰۶ ق م) موجودہ افغانستان کے کوہستانی علاقے میں سے گذرا اور براہ قندھار و سیستان وطن واپس گیا۔ اس کوچ کے دوران میں اس نے ایک مقامی راجہ سے بہت سا خزانہ اور ہاتھی بطور تاوان جنگ وصول کیا۔ یہ مختصر سی فوج کشی ہندی قوانین پر کچھ زیادہ اثر نہ ڈال سکتی تھی۔ اور زیادہ قرین قیاس تو یہ ہے کہ دریائے سندھ کے مشرقی ہندی بادشاہوں کو اس واقعے کی اطلاع بھی نہ ہوئی ہو گی؛

بعد کے یونانی حملے

اس کے بعد کے دیمتراس۔ یوکرے ٹائڈیز اور منندر کے حملے جو کچھ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد آدھی صدی (سنہ ۱۹۰ تا ۱۴۵ ق م) کے دوران میں واقع ہوئے۔ بہت کچھ اندرون ملک تک پہنچے۔ مگر وہ بھی محض ناپائدار اور بے ثبات تھے۔ اور اس لیئے انھوں نے ہندوستان کی قدیم اور مستحکم تہذیب و تمدّن پر اپنا کوئی اثر نہ چھوڑا ہو گا۔ یہ امر قابل غور ہے کہ ہندی ہیئت داں نے یونانیوں کو "بدچلن بیادر یون" لکھا ہے۔ ہندوستانیوں کے دلوں پر سکندر اور منندر کے حملوں نے صرف یہ اثر کیا کہ وہ ان کو زبردست فوجی افسر سمجھنے لگے۔ مگر انھوں نے ان کو کبھی کسی نئی تہذیب کا علمبردار تصور نہیں کیا۔ اور ممکن ہے کہ ان دونوں کو محض ملیچھ سمجھتے ہوں۔ جن سے کہ وہ خائف ہوں۔ مگر ان سے کچھ حاصل نہ کرنا چاہتے ہوں؛

مشرقی براعظم نے مغربی سرزمین سے تحصیل علم کرنے میں کبھی بہت زیادہ آمادگی ظاہر نہیں کی۔ اور اگر ہندیوں نے جیسا کہ ناٹک اور سنگ تراشی کے معاملات میں ہوا۔ مغربی استادوں سے کچھ حاصل بھی کیا۔ تو اس کو ہندی شکل میں اس طرح ڈھال کر اس کا بھیس بدل دیا کہ

بڑے بڑے نقاد اور عالم ان ہندی نقالوں کی اختراع کے قائل ہو گئے[1]؛

پنجاب پر یونانیوں کا قبضہ۔

پنجاب یا اس کا بڑا حصہ معہ گرد و نواح کے علاقے کے کم و بیش دو سو برس تک یونانیوں کے قبضے میں رہا۔ یعنے ڈیمیٹراس (تقریباً ۱۹۰ قم) سے لے کر کشانی قوم کے ہاتھوں ہرمیٹاس کے شکست پانے (تقریباً ۲۰ء) تک اور اس وجہ سے ان ہی علاقوں میں ہم کو یونانی اثر اور علامات کا زیادہ متوقع ہونا چاہیئے۔ لیکن تعجب تو یہ ہے کہ یہاں بھی یونانی آثار بہت ہی کم اور نامعلوم ہیں۔ سکوں کے سوا جن پر ایک طرف یونانی زبان کی عبارت ہوتی تھی۔ اور صریحاً یونانی نمونے پر تیار ہوتے تھے۔ اگرچہ ڈیمیٹراس اور یوکرے ٹائڈیز کے زمانے سے ان پر دونوں زبانوں کی عبارات ہونے لگی تھیں۔ اور کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جس سے کہ بیرونی سالہائے دراز کی حکمرانی کے اثروں کا پتہ لگتا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ سکوں سے یہ امر بالکل صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ایک حد تک ان اجنبی بادشاہوں کے درباروں میں یونانی زبان مستعمل تھی۔ مگر بعد میں سکوں پر دیسی زبان کی عبارت کے لکھے جانے سے

---

[1] مصنف کتاب اب بھی اسی خیال پر قائم ہے کہ ویبر اور ونڈش سنسکرت ناٹک پر یونانی اثرات دکھلانے میں بالکل حق بجانب ہیں۔ دیکھو ویبر:۔ ہسٹری آف انڈین لٹریچر (ٹریوبنر صفحہ ۲۱۷)۔ ونڈش:۔ "ڈر گریخش اینفلس ام انڈشن ڈراما" ۱۸۸۲ء۔ سلوین کا خیال اس کے بالکل برعکس ہے۔ (تھینز انڈین صفحہ ۳۶۶-۳۴۳)۔ اور بہت سے علماء اس سے متفق ہیں۔ سنسکرت ناٹک کی اصلیت بالکل ہی مختلف مسئلہ ہے۔ دیکھو:۔ زیڈ۔ ڈی۔ ایم۔ جی۔ ۱۹۱۱ء صفحہ ۵۲۵ و ۵۳۶؛

یہ معلوم ہوتا ہے کہ عوام الناس اس سے بالکل نابلد تھے۔ اس زبان کا اب تک کوئی کتبہ دریافت نہیں ہوا۔ اور ہندی کتبات میں اب تک صرف تین یونانیوں کے نام پائے گئے ہیں[۱]؛

یونانی تعمیرات کی عدم موجودگی۔ اس امر کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ یونانی فن تعمیر نے کبھی ہندوستان میں رواج پایا تھا۔ ٹکسلا کے مقام پر ایک مندر جس میں آئیون کے ستون لگے ہوئے ہیں۔ جس کو ازیس اول کے وقت یعنے تقریباً سنہ ۸۰ ق م کا بتایا جاتا ہے پایا گیا ہے مگر عمارت کا نقشہ یونانی نہیں۔ اور یہ ستون جو بالکل دوسرے ملک کے نمونے کے ہیں محض سجاوٹ کی غرض سے لگائے گئے ہیں[۲]۔ ہندی یونانی سنگ تراشی کا قدیم ترین

---

[۱] دیکھو:۔ جرنل انڈین آرٹ۔ جنوری سنہ ۱۹۰۰ صفحہ ۸۹۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ سنہ ۱۹۰۳ صفحہ ۹۴۔ تھیوڈور کے اس کتبے کے لئے جو سوات کی وادی میں پایا گیا۔ اس کے علاوہ دوسرے یونانی نام ایک تو ہیلیوڈورس ہے جو بیسنگر کے کتبے میں ملا (جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۰۹ صفحہ ۱۰۵۳۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۹۳)۔ اور دوسرا آگے سلسوس جو پشاور کے مقام پر کنشک کے صندوقچے پر کندہ پایا گیا۔ (ایضاً صفحہ ۱۰۵۸)؛

[۲] کننگھم:۔ آرکی آلوجیکل رپورٹ جلد دوم صفحہ ۱۲۹۔ جلد ۵۔ صفحہ ۷۲۔ ۷۶ و ۱۹۰۔ پلیٹ ۱۷ و ۱۸۔ بنیاد کے "ہرے تانبے کے سکے" یقیناً ازیس اول کے زمانے کے ہیں (وی۔ اے سمتھ کا مضمون۔ "دہ گریکو رومن انفلوئنس آن دی سولیزیشن آف اینشنٹ انڈیا" جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ سنہ ۱۸۸۹ جلد ۵۸۔ حصہ ۱۔ صفحہ ۱۱۶ و ۱۱۵) مسٹر گراؤس نے تراشے ہوئے پتھر کا ایک ٹکڑا متھرا کے مقام پر پایا تھا "جس میں آئیونی ستون پر ایک محراب قائم کی گئی تھی" (متھرا۔ تیسری ایڈیشن صفحہ ۱۷۱) کننگھم نے جلال آباد کے آہنپوش کے ستوپ کے رومی آئیونی ستون کا ٹکڑا شائع کیا تھا (پروسیڈنگس۔ اے۔ ایس۔ بی سنہ ۱۸۷۹ صفحہ ۲۰۹)؛

نمونہ بھی اسی یعنے ازیس اول کے زمانے کا ہے[۵۱]۔ اور سکندر کا تو کیا ذکر ہے سنگ تراشی کو ایسا نمونہ بھی نہیں ملتا جو ڈمٹیراس۔ یوکریے ٹائڈیز یا مندر کے وقت کا کہا جا سکے۔ گندھرا یعنے پشاور کے گردونواح کے علاقے کی سنگ تراشی کے نمونے بہت بعد کے زمانے کے ہیں۔ اور یونانی رومی الاصل ہیں ؞

خاتمہ۔ اس تمام بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ سکندر۔ انٹی آکس اعظم۔ ڈمٹیراس۔ یوکریے ٹائڈیز اور مندر کے حملے خواہ حملہ آوروں کے منصوبے کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ درحقیقت محض یورشیں تھیں اور انھوں نے اپنا کوئی پائدار اثر نہیں چھوڑا۔ پنجاب اور اس نواح کے دوسرے علاقوں پر طویل مدت تک یونانی حکومت نے بھی ملک میں اس تہذیب کے پھیلانے میں کچھ مدد نہ دی۔ یونان کے سیاسی قوانین۔ اور فن تعمیر کو ہندوستان میں رد کردیا گیا۔ اگرچہ نقاشی میں کچھ تھوڑا بہت اس کا اثر ضرور پڑا۔ یونانی زبان سے دربار کے لوگ عام طور پر ذرا واقف ہوں گے۔ یونان کے علم ادب سے بھی دیسی حکام تھوڑے واقف ہوں گے کیونکہ سلطنت کے کاموں کے لیئے ان کو یہ زبان سیکھنی پڑی تھی۔ مگر بہرحال یہ زبان عام نہ تھی۔ اور یونانی مصنفین نے جو اثر کہ ہندی علم پر کیا اس کا اثر زمانے کے آخر ہی میں جا کر واضح ہوتا ہے۔ اس کے بعد کا اور اس سے زیادہ اہم یونانی رومی اثر پر آئندہ باب میں بحث کیجائے گی[۵۲] ؞

---

[۵۱] وہ بت جو پلس اتھینی کی شکل میں تراشا ہوا ہے۔ (جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ مضمون مذکورۂ بالا صفحہ ۱۲۱۔ پلیٹ ۷) شکل سے مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک یون دربان کو ظاہر کیا جائے ؞

[۵۲] جو رائے کتاب میں ظاہر کی گئی ہے وہ بالعموم اس رائے کے مطابق ہے جو مسٹر ٹرن نے اپنے مضمون نوٹس آن ہیلنزم ان بکٹیریا اینڈ انڈیا" میں ظاہر کی ہے (جرنل ہیلنگ سٹڈیز ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۹۳-۲۶۸) ؞

ضمیمہ ز

باختری اور ہندی یونانی بادشاہوں اور بیگمات کی فہرست بلحاظ حروف تہجی[۱]

سلسلہ نشان	نام	یونانی لقب یا خطاب	کیفیت
۱	اگتھو کلیا	تھیوٹروپوس	غالباً سٹریٹو اول کی ماں۔ اور اس کی نابالغیت کے زمانے میں اس کی نائب تھی۔
۲	اگتھو کلیز	ڈیکئوس	غالباً پنٹلون نشان ۲۸ کا جانشین تھا اور یوتھی ڈیمس اول یا ڈیمیٹرس کا ہمعصر تھا۔
۳	امنٹس	نیکیٹر	ہرمیاس کے ذرا پہلے تھا۔
۴	انٹی الکیڈس	نیکیفورس	یوکریٹائڈیز کا اوائل میں ہمعصر تھا تقریباً ۱۷۰ سنہ ق م۔ بظاہر ٹکسلا کا بادشاہ تھا۔

[۱] یہ فہرست فان سیلٹ کی فہرستوں پر مبنی ہے۔ مگر ان کو مکمل کر لیا گیا ہے۔ بہت سے مذکورۂ بالا بادشاہوں کی جغرافیائی اور تاریخی حیثیت اس قدر دھندلی ہے۔ کہ فہرست کو حروف تہجی کے لحاظ ہی سے مرتب کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

سلسلہ نشان	نام	یونانی لقب یا خطاب	کیفیت
۵	انٹی میکس اول	تھیوس	غالبًا کابل میں ڈیوڈرس ثانی (نمبر ۱۳) جانشین تھا؛
۶	انٹی میکس ثانی	نیکیفورس	یوکرے ٹائڈیز (نمبر ۱۷) کے بعد یا غالبًا اس کا ہمعصر تھا؛
۷	اپالوڈوٹس	سوٹر۔ میگس۔ فیلوپیٹر ؎۱	غالبًا یوکرے ٹائڈیز کا بیٹا تھا۔ اور تمام ہندی سرحد کا بادشاہ تھا؛
۸	اپالوفنیس	سوٹر	مشرقی پنجاب میں سٹریٹو اول یا ثانی کا ہمعصر تھا؛
۹	آرلیباس	ڈیکیؤس نیکیفورس	غالبًا اس کا تعلق ہیلیوکلیز سے تھا؛
۱۰	آرٹی میڈراس	انی کیٹاس	منندر کے بعد تھا؛
۱۱	ڈیمیٹرائس	انی کیٹاس	یوتھی ڈیمس اول (نمبر ۱۸) کا بیٹا تھا؛
۱۲	ڈیوڈوٹس اول		سکے دریافت نہیں ہوئے۔ غالبًا ۲۴۵--۲۵۰ سنہ ق م؛
۱۳	ڈیوڈوٹس ثانی	سوٹر	نمبر ۱۲ کا بیٹا تھا؛
۱۴	ڈیونڈیس	سوٹر	بظاہر اس کا تعلق یوکرے ٹائڈیز سے تھا؛
۱۵	ڈیونی سئاس	سوٹر	اپالوڈوٹس کے بعد تھا؛
۱۶	اپینڈر	نیلیفورس	یوکرے ٹائڈیز (نمبر ۱۷) سے غالبًا بعد تھا؛

؎۱ کننگھم (نیومسمیٹک کرانل ۱۸۷۰ء صفحہ ۸۱)۔ کارڈنر (بی۔ ایم۔ کیٹلاگ صفحہ ۳۴) اسے سوٹر اور اسے۔ فیلوپیٹر کو جدا جدا قرار دیتا ہے۔ اور ریپسن تقریبًا اس خیال سے متفق ہے؛

سلسلہ نشان	نام	یونانی لقب یا خطاب	کیفیت
۱۷	یوکرے ٹائڈیز	میگس	متھرڈیٹس اول کا ہمعصر تھا۔ سنہ ۱۷۵-۱۵۶ ق م ؛
۱۸	یوتھی ڈیمس اول	.	ڈیوڈرس ثانی (نمبر ۱۳) کے بعد تھا تقریباً سنہ ۲۳۰-۲۰۰ ق م ؛
۱۹	یوتھی ڈیمس ثانی	.	غالباً (نمبر ۱۱) کا بیٹا تھا ؛
۲۰	ہیلیو کلیز[1]	ڈیکئوس	نمبر ۱۱ کا بیٹا اور آخری باختری تاجدار ؛
۲۱	ہرمیئاس	سوٹر	کابل کا آخری ہندی یونانی تاجدار تقریباً سنہ ۱ء سے سنہ ۲۰ء ؛
۲۲	ہپاسٹر ٹیاس	سوٹر۔ میگس	غالباً اپالوڈوٹس کا جانشین ہوا ؛
۲۳	کیلئاپ	.	ہرمیئاس کی ملکہ ؛
۲۴	لوڈکے	.	یوکرے ٹائڈیز کی ماں تھی ؛
۲۵	لیسئاس	انی کیٹاس	انٹی الکیڈس (نمبر ۴) کا پیشرو تھا ؛
۲۶	مندر	سوٹر۔ ڈیکئوس	یوکرے ٹائڈیز کے بعد تھا۔ تقریباً سنہ ۱۵۵ ق م میں ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ مگر گارڈنر کا خیال ہے کہ وہ سنہ ۱۱۰ ق م میں گذرا تھا ؛
۲۷	نیکئس	سوٹر	یوکرے ٹائڈیز کے بعد۔ اس کے سکے صرف ضلع جہلم میں پائے جاتے ہیں (پنجاب گزیٹیر مضمون جہلم) ؛

[1] گارڈنر (بی۔ ایم۔ کیٹلاگ صفحہ ۱۹) ہیلیو کلیز معلوم ہوتا ہے کہ یوکرے ٹائڈیز کے باپ اور بیٹے دونوں کا نام تھا ؛

نشان سلسلہ	نام	یونانی خطاب و لقب	کیفیت
۲۸	پنٹلون		یوتھی ڈمیس اول یا ڈیمیٹراس کا ہمعصر تھا۔ غالباً اگتھوکلیز (نمبر۲) کا پیشرو تھا۔ ۱۹۰ سنہ ق م ؛
۲۹	ہیوکلئوس	دکیئوس۔سوٹر	ہیوسٹریٹاس کا ہمعصر تھا۔ (جے۔اے۔ایس۔بی ۱۸۹۶ء حصۂ اول صفحہ (۱۳۱) ؛
۳۰	غلاالسفیاس	انی کیٹاس	غالباً انٹی آکس ثانی (نمبر۶) کا جانشین تھا ؛
۳۱	پلیٹو	اپی فنیز	۱۶۵ سنہ ق م۔ یوکریٹائڈیز (نمبر۱۷) کا ہمعصر۔ اور غالباً سیستان کا بادشاہ تھا[1] ؛
۳۲	(؟) پولکسناس	اپی فیز۔سوٹر	نیومسمیٹک کرانل ۱۸۹۶ء صفحہ ۲۶۹ پروفیسر ریپسن کو اس عجیب و غریب سکے کی اصلیت میں شبہ ہے ؛
۳۳	سٹریٹو اول	سوٹر۔اپی فنیز ڈیکئوس	ہیلیوکلیز کا ہمعصر تھا۔ مدت مدید تک حکومت کی ؛
۳۴	سٹریٹو دوم	سوٹر	نمبر ۳۳ کا پوتا تھا ؛
۳۵	ٹیلی فوس	یوارگٹیز	جے۔اے۔ایس۔بی ۱۸۹۶ء حصۂ اول صفحہ ۱۳۰ ؛
۳۶	تھیوفلس	ڈیکئوس	جے۔اے۔ایس۔بی ۱۸۹۶ء حصۂ اول صفحہ ۱۔ لسیاس سے اس کا تعلق تھا ؛
۳۷	زیئلوس	سوٹر۔ڈیکئوس	بظاہر اپالوڈوٹس سے بعد تھا۔ اور ڈنی سئاس کا تقریباً ہمعصر تھا۔ اور غالباً مشرقی پنجاب میں حکمراں تھا ؛

[1] پلیٹو کے سکے کے حروف سے یہ مطلب نکالا گیا ہے کہ ان سے سائکوس ۱۴۷ سنہ مطابق ۱۶۵ ق م مراد ہے۔ دیکھو سائکس "دی ٹین تھاوزنڈ مائلز ان پرشیا صفحہ ۳۶۳" ؛

ضمیمۂ س

جدول شاہان ہمعصر تقریباً ۲۸۰ سنہ ق م یا تقریباً ۲۶۰ سنہ ء

(بجز شام اور خاندان موریا کے سوا اور تمام سنین غیر تیقن ہیں)

قدام	شام	باختر	پارتھیا (ایران)	شمال مغربی ہندی سرحد پنجاب - کابل	اندرون ہند	کیفیت
سنہ ۲۸۰ء	انٹی آکس سوٹر (تخت نشینی)			موریا خاندان	خاندان موریا	
سنہ ۲۶۲ یا ۲۶۱ء	انٹی آکس تھیوس					
تقریباً سنہ ۲۵۰ء	......	ڈیوڈوٹس اول (تخت نشین)				
ایضاً سنہ ۲۴۹ء	......	......	ارشکان اول (تخت نشین)			
ایضاً سنہ ۲۴۶ء	سائلوکس کلی نی کس (انٹی آکس ہیراکس اس کا حریف)					
ایضاً سنہ ۲۴۵ء	......	ڈیوڈوٹس ثانی تخت نشین				اشوک کی موت
ایضاً سنہ ۲۳۲-۲۳۱ء	......	......		......	......	

ق - م	شام	باختر	پارتھیا (ایران)	شمال مغربی ہندی سرحد پنجاب - کابل -	اندرون ہند	کیفیت
تقریباً سنہ ۲۳۰	....	یوتھی ڈیمس تخت نشین	....	....	خاندان موریہ	باختر کی خود مختاری تسلیم کی گئی
سنہ ۲۲۳	انٹی آکس ثالث (اعظم)	....	....	....		
" سنہ ۲۰۶	....	....	....	....		....
سنہ ۲۰۲	....	....	....	....		
" سنہ ۲۰۰				ڈیمٹرس - انٹی میکس - پنٹلون یوتھی ڈیمس ثانی اکتھوکلیز		
سنہ ۱۹۰	....	....	....	....		
سنہ ۱۸۷	سائلوکس فیلوپیٹر					
سنہ ۱۸۳	....	....	....	....	پشیمتر تخت نشین	
تقریباً سنہ ۱۷۵	....	یوکریٹائنڈیز تخت نشین				
" سنہ ۱۷۳	....	....	متھراڈیٹس اول تخت نشین			
سنہ ۱۶۵	....	پلیٹو (یوکریٹائڈیز کا حریف)	....	منندر		
سنہ ۱۵۶	....	ہیلیوکلیز		اپالوڈوٹس		
" سنہ ۱۵۵	....	....	....	....	....	منندر کا ہندوستان پر حملہ
" سنہ ۱۴۹	....	....	....	....	اگنی متر تخت نشین	

ق م	شام	باختر	پارتھیا (ایران)	شمالی مغربی ہندی سرحد۔ پنجاب - کابل	اندرون ہند	کیفیت
۱۲۰-۱۲۸ تقریباً	......	باختری خاندان کا خاتمہ۔	......	مختلف یونانی شہزادے	......	باختر وغیرہ پر سک قوم کا حملہ
سنہ ۱۳۶	......	......	فراآٹیس ثانی			
سنہ ۱۲۴ یا سنہ ۱۲۳	......	......	متھرآڈیٹس ثانی (تخت نشین)			
سنہ ۱۲۰ تقریباً	......	......	......	سٹریٹو اول۔ میئاس تخت نشین سٹریٹو ثانی (مغربی پنجاب)		
سنہ ۱۱۵	......	......	......	دونونیس (تخت نشین) مختلف یونانی شہزادے		
سنہ ۹۰	......	......	......	ازیس اول (تخت نشین)	باسودیو تخت نشین	
سنہ ۷۰	......	......	......	(اراکوسیہ)۔		
سنہ ۵۰	......	......	......	ٹکسلا اور متھرا کے سترپ		
سنہ ۱۰	......	......	......	ہرمئیاس (تخت نشین)		
سنہ ۲۰ ع	......	......	......	ہرمئیاس کو کشان قوم نے شکست دی۔		
سنہ ۲۱ ع	......	......	......	گنڈوفریس تخت پر بیٹھا	......	سینٹ ٹامس
سنہ ۶۰ ع	......	......	......	گنڈوفریس کی موت۔		

تمت

ضمیمہ ش

سینٹ ٹامس کے عیسائی

کتابیں جن کے حوالے دیئے گئے

اس ضمیمے میں اس کا بیان اور ثبوت دوں گا جس کا ذکر متن کتاب میں ہوا ہے۔ اور کتاب کے طبع دوم کا بیان اس سے مختلف ہے۔ سینٹ ٹامس کے متعلق تمام روایت اور جنوبی ہند میں "سینٹ ٹامس کے عیسائیوں" کی اصلیت کے مسائل پر پوری اور مفصّل بحث کرنا بالکل ناممکن ہے۔ اس کی بابت مندرجۂ ذیل کتب معہ مصنفین بیان کردی جاتی ہیں:--

۱- جی- ٹی- میکنزی: "ہسٹری آف کرسٹینٹی ان ٹراونکور" طبع سوم- منقول فی دی ٹراونکور سٹیٹ مینول ۱۹۰۶ء جلد ۲ صفحہ ۲۱۹-۱۱۴ء

۲- جی- ملنے ری:- دی سیرین چرچ ان انڈیا (بلیک وڈ ۱۸۹۲ء)ء

۳- بشپ اے- ای- میڈلی کاٹ:- انڈیا اینڈ دی اپاسل ٹامس (نٹ ۱۹۰۵ء)ء

۴- ڈبلیو- جے- رچرڈس:- دی انڈین کرسٹینٹی اور سینٹ ٹامس (ہمسروس ۱۹۰۸ء)ء

سات گرجا

رچرڈس (صفحہ ۷۷) نے سینٹ ٹامس کے قائم کردہ سات گرجوں کے حسب ذیل نام گنوائے ہیں:--

(۱) کوٹ کائیل- (۲) گولمنگلم- (۳) نرنم- (۴) چیل- (۵) کرنگینی- (۶) کولن- (۷) پلور- میکنزی نے بھی یہی فہرست دی ہے-

صرف ہجوں میں اختلاف ہے۔ مگر اس نے بجائے گرُگیتی کے ملینگر لکھا ہے۔ ری (صفحہ ۳۶۱) نے حسب ذیل فہرست دی ہے:۔
(۱) کرنیگنور۔ (۲) گولن۔ (۳) پلور۔ (۴) پرور۔ (۵) جنوبی پلیپورم یا کوملنگلم۔ (۶) نیرنم۔ (۷) نلکل۔ جو چیل یا شیل بھی کہا جاتا ہے۔ اور رچرڈس خود مفصلۂ ذیل بیان کے لیئے ذمہ دار ہے:۔

"سینٹ ٹامس کے سات گرجاؤں میں سے ایک گرجا ٹراونکور کی مشرقی پہاڑیوں میں چیل کے مقام پر قائم کیا گیا تھا۔ مگر وحشی جانوروں کی تکلیف دہی کی وجہ سے مدت ہوئی کہ اس کو ترک کر دیا گیا۔ مگر آثار اب تک باقی ہیں۔ اور آثار قدیمہ کے ماہرین کی محنت اس پر رائیگاں نہ جائے گی۔ (صفحہ ۹۱)"

میں ان فہرستوں کے اختلاف کی کوئی وجہ بیان نہیں کر سکتا۔ اور نہ چیل (یا نلکل۔ یا شیل) کے مفروضہ گرجا کے کھنڈروں کے متعلق کچھ کہہ سکتا ہوں۔

واقعات جن سے کہ روایت کی تائید ہوتی ہے۔

یہ یقین کیا جاتا ہے کہ سینٹ ٹامس نے دو خاندانوں کے افراد کو مذہبی مقتدا بنایا تھا۔ ان میں سے ایک تو شنکرپوری کے مقام پر تھا۔ جو آخر میں تباہ اور بالکل ناپید ہو گیا۔ اور پکلومنٹم کے مقام پر جو انیسویں تک زندہ رہا اور جس نے پرتگیزوں کے زمانے میں ارچ ڈنکین اور ہالینڈ والوں کے زمانے میں اسقف کلیسا کے لیئے مہیّا کیئے (میکنزی صفحہ ۱۳۷۔ (رچرڈس صفحہ ۷۶) مسٹر دی۔ نگم آیا لکھتے ہیں:۔

"اس روایت میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کہ سینٹ ٹامس ساحل مالابار پر آیا تھا اور اس نے بمندری کے چند خاندانوں کو

عیسائی کیا جن میں سے چند کو اس نے
مذہبی مقتدا بھی مقرر کیا۔ جیسے کہ شنکر پوری
اور پکلومتم[1] کے خاندان کیونکہ عوام کے دلوں میں
اس روایت کی جگہ کر لینے کی تصدیق میں
رسول ٹامس ہندوستان میں آیا اور اونچی
ذات کے لوگوں میں ان سے تبلیغ بھی کی تھی
اس سے اور زیادہ تصدیق ہوتی ہے کہ
خاص کر کنم کولم کی شامی عیسائیوں کی عورتیں۔
یہ بعینہ ویسا ہی لباس استعمال کرتی ہیں
جیسا کہ نمبدری عورتیں۔ اور راستہ
چلنے میں عوام کی نظروں سے بچنے کے لیئے
ایک بڑی چھتری بھی استعمال کرتی ہیں۔
اور سوائے چند مستثنی کے اور وہ بھی بالکل موجودہ
زمانے میں مخصوص شریفوں کے خاندان
ہی میں وہ شادی بیاہ کرتی ہیں۔ اس جماعت
کی یہ رسوم سال کی پرانی روایات کی تصدیق میں
بہت مدد دیتی ہیں۔ (مینول جلد دوم۔ صفحہ ۱۲۲)؀

شہادت۔ اس کے بعد مسٹر آیا نے ابنیز کی حکایت ہے جو "اعمال"
میں پائی جاتی ہے بحث کی ہے۔ مگر اس کو ملائی زبان
کے قلمی مسودے سے رچرڈس (صفحہ ۲۷) نے بہ تصریح بیان کیا ہے؀
سینٹ ٹامس کی شہادت خواہ وہ کسی مقام پر واقع ہوئی ہو

---

[1] رچرڈس نے اس نام کے ہجے "پکلومتم" لکھے ہیں۔ آیا (مینول جلد دوم صفحہ ۱۲۲) نے "پکلومتم"۔ مگر مکنزی (کتاب مذکورہ۔ صفحہ ۱۳۷) نے اُسے پلومتم لکھا ہے۔ غالباً مقدم الذکر صحیح ہے؀

مشتبہ اور مشکوک ہے۔ ہیر کلیون ایک قدیم مصنف جس کا قول کلیمنٹ (سنہ ۲۰۰ء) نے نقل کیا ہے لکھتا ہے۔ کہ ٹامس شہید ہوا ہی نہیں (میڈلی کاٹ صفحہ ۱۲۰)۔ یہ ظاہر ہے کہ رومن کیتھولک فرقے کے لوگ ہیر کلیون کے اس قول پر شبہ و شکوک قائم کرتے ہیں۔ مگر اگر کوئی شخص اس پر اعتبار کرنا چاہے تو اس میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہو سکتی۔

سکوترا میں عیسائیت جزیرہ سکوترا میں اس عیسائیت کے وجود کی شہادت جو ایران سے وہاں پہنچی تھی۔ کاسمسی انڈکوپلسٹیز کے قول سے ملتی ہے جس نے اپنی کتاب سنہ ۵۳۵ء میں لکھی تھی۔ اس کے تقریباً ایک ہزار سال بعد (سنہ ۱۵۴۲ء) سینٹ فرانسس ریویر نے اس جزیرے میں نام نہاد کی عیسائی جماعتیں دیکھی تھیں۔ جن کا دعویٰ تھا کہ وہ ان لوگوں کی اولاد ہیں جو سینٹ ٹامس کے ہاتھ پر عیسائی ہوئے تھے۔ یہ خیال کہ تھیوفلس بیلفے جس کو سنہ ۳۵۴ء میں قسطنطین نے بھیجا تھا سکوترا بھی گیا تھا۔ غلط معلوم ہوتا ہے۔ (میڈلی کاٹ صفحہ ۱۳۶ اور ۱۳۸ و ۲۰۱-۱۹۶)۔ میرے نزدیک بشپ میڈلی کاٹ کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ تھیوفلس ہی ساحل مالابار پر آیا تھا۔ اور اسی نے اس علاقے میں عیسائیت کی بنیاد رکھی تھی۔

لنکا کی ایک روایت ہندوستان اور لنکا کی تاریخی روایات کو جب ایک ساتھ پڑھا جائے تو ان سے تیسری صدی عیسوی میں ساحل مالابار پر عیسائیت کے وجود کی تصدیق ہوتی ہے۔ لنکا کی تاریخ مہاونس (باب ۳۶) سے جو اوائل چھٹی صدی میں لکھی گئی معلوم ہوتا ہے کہ گوتھا کابیا یا میگھ ورنا بھیا کے عہد حکومت میں جو گیگر کے بیان کے مطابق سنہ ۱۵-۳۰۲ تک رہا۔ تامل قوم کے ایک بددین عالم نے مناظرے میں بدھ مذہب کے علماء کو مغلوب کیا۔ اور اس بادشاہ کا منظور نظر ہو گیا۔ چنانچہ اس نے اسے شہزادے کا اتالیق مقرر کر لیا۔ مہاونس نے اس فاتح مناظر راہب کا نام سنگھ متر لکھا ہے۔

"جو جنتر منتر اور بھوت پریت کے علوم سے خوب واقف تھا" مسٹر کے۔ جی شیشرا ایر نے اس قول کے یہ معنے لئے ہیں کہ یہ مناظر ایک ہندو۔ اور اصل میں شیو مذہب کا مشہور ولی مانک یا مانی واسگر تھا۔[1] اس شخص کی تامل زبان کی لکھی ہوئی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ولی نے اپنی عمر کے آخری حصے میں بادشاہ کا مذہب تبدیل کر دیا تھا۔ یہ بادشاہ غالباً گوتھا کا بھیا تھا۔ اور یہ ممکن ہے کہ جہاں وس کے مصنف نے شیو مذہب کے ہندو مانک واسگر کو سنگھ متر ایک بدھ دین بدھ راہب ظاہر کیا ہو"

مانک واسگر ساحل مالا بار میں

اس حکایت کے اس حصے کے متعلق کہ آیا لنکا کے بادشاہ نے تبدیل مذہب کیا تھا یا نہیں۔ یا اس بادشاہ کا نام گوتھا کا بھیا تھا یا نہیں۔ خواہ ہمارا کچھ ہی خیال کیوں نہ ہو۔ مگر مجھ کو اس بات کے مان لینے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ مانک واسگر واقعی ساحل مالا بار پر آیا تھا۔ اور وہاں اس نے دو عیسائی خاندانوں کو ہندو بنایا تھا۔ ان خاندانوں کی اولاد جو منگرامکر کے نام سے موسوم ہے اب تک وہ حقوق نہیں رکھتے جو دیگر ذات پات کے پابند ہندوؤں کے ہیں۔ بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تبدیل مذہب ۲۷۰ء میں ہوا۔ اور اگر اس سنہ میں کچھ بھی واقعیت اور حقیقت ہے تو ساحل مالا بار کے عیسائی یقیناً اس سے بہت قبل زمانے کے ہوں گے۔ تامل علم ادب کی تاریخ کے تمام دلائل سے جہاں تک میں نتیجہ نکال سکتا ہوں۔ وہ یہی ہے کہ مانک واسگر تیسری صدی عیسوی میں

---

[1] تامیلین انٹی کویری جلد اول نمبر ۴۔ صفحہ ۵۴۔ مصنف نے جہاں وس کے قول کو صحیح طور پر بیان نہیں کیا۔ تامل قوم کی روایت اس رسالے کے صفحہ ۶۶ میں اور پوپ کے ترواسگم میں مذکور ہے"

گذرا ہے۔ بعض مورخین اُسے دوسری صدی عیسوی کے اوائل کا بھی بتلاتے ہیں[1]۔ اور اگر وہ واقعی اس قدر قدیم ہے۔ تو ساحل مالابار کے عیسائیوں کے ساتھ اس کے تعلقات سے معلوم ہوتا ہے کہ سینٹ ٹامس یقیناً وہاں آیا تھا؛

---

[1] ٹی۔ پونمبلم پلے۔ مع دیگر حوالہ ہائے ٹامیلین انٹی کویری جلد اول نمبر ۴ - صفحہ ۶۷ - ۷۳ - دیکھو ایضاً صفحہ ۵۵ - ۵۳ - اور میکنزی صفحہ ۱۳۸ - یہ خیال منگرا کر کے نام کی اصلیت کی روایت کا تعلق[1] نوی مذہب کے لوگوں سے[2] ہے بالکل ناقابل قبول ہے۔ مرحوم ڈاکٹر پوپ نے اپنی موت سے چند ہی سال قبل کہ اس رائے کو قبول کر لیا تھا کہ مانک چوتھی صدی عیسوی کے قبل ہی گذرا ہے۔ (ٹاملین انٹی کویری رسالہ ۲ ایضاً صفحہ ۵۴)؛